رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۹۶۱

چندہ سالانہ ۲ روپیہ ۸ آنہ

دو دو باتیں

پیام تعلیم کو نئی شکل میں جاری ہوئے کوئی تین مہینے گذر چکے ہیں۔ ۲۱ر اکتوبر کے پرچہ میں ہم نے یہ اعلان کیا تھا کہ آئندہ سے یہ پرچہ صرف بچوں کے لئے مخصوص ہوگا۔ اس وقت سے اعلان کے مطابق ہم صرف وہی مضامین شائع کر رہے ہیں جو بچوں کے لئے مفید اور دلچسپ ہیں اس بات کا فیصلہ ہم بچوں ہی پر چھوڑتے ہیں کہ ہمیں اپنی کوششوں میں کہاں تک کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ ہمارے پاس بہت سے بچوں کے خط موصول ہوئے ہیں۔ ان خطوں میں انھوں نے ہمارے فیصلہ پر اپنی خوشی ظاہر کی ہے۔ اور رسالہ کی ترقی کو اطمینان کی نظر سے دیکھا ہے۔ ہم ان کی قدر دانی کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور انھیں یقین دلاتے ہیں کہ ہم پیام تعلیم کی ترقی کے لئے پوری کوشش کر رہے ہیں۔ اور ان کی توجہ اور عنایت کا یہی حال رہا تو انشاء اللہ رفتہ رفتہ پرچہ کو اس معیار پر لے آئیں گے جس کے ہم اور وہ دونوں آرزومند ہیں۔

۲۱ر اکتوبر کے رسالہ میں یہ اعلان بھی کیا گیا تھا کہ تین مہینے میں جس مضمون نگار بچے کا مضمون سب سے اچھا ہوگا۔ اسے پانچ روپے کا انعام دیا جائے گا۔ افسوس ہے کہ مضمون لکھنے والوں نے بہت کم اس طرف توجہ کی ہے اور بہت کم مضامین دفتر میں آئے ہیں اور جو آئے ہیں اُن میں سے بھی انعام کے قابل مضامین کا انتخاب بہت مشکل ہوگا۔ تاہم اس تین مہینہ کے عرصہ میں پیام تعلیم کے شائع شدہ مضامین میں جن صاحب کا مضمون سب سے بہتر ہوگا، اگلے پرچہ میں ان کا نام شائع کر دیا جائے گا۔ اور انعام ان کے پاس بھیج دیا جائے گا۔

مضمون نگار حضرات کو مضمون لکھنے کی ترغیب شاید اس لئے زیادہ نہیں ہوئی کہ ہم نے کوئی عنوان مقرر نہیں کیا تھا۔ اس سے ہماری غرض یہ تھی کہ طالب علموں کو آزادی رہے اور وہ جس عنوان پر آسانی سے لکھ سکیں، لکھیں لیکن ہم اس کے لئے بھی تیار ہیں کہ عنوان مقرر کر دیئے جائیں۔

پھول کی طرح بند ہوجاتا ہے۔ اس پھول کے دوبارہ کھلنے پر تم دیکھو گے کہ بے چارے شکار کئے ہوئے جانور کے ہاتھ پاؤں یا اسی قسم کا دوسرا فضلہ تو اس کی پنکھڑیوں پر پڑا ہوا ہے، لیکن باقی جانور غائب ہوگیا۔ اور ایک خفیف سی حرکت کے ساتھ اس نے یہ بال و پر بھی اپنے جسم پر سے جھاڑ دیئے۔ اور پھر ایک معصوم کنول کے پھول کی طرح پانی میں بہنے لگا۔ تم اس پھول کے بیچ میں اپنی انگلی رکھ کر دیکھو۔ یہ فوراً بند ہوجائے گا اور ایسا معلوم ہوگا جیسے کوئی چیز تمھاری انگلی کے پوست کو آہستہ آہستہ کھینچ رہی ہے۔ اس میں یہ طاقت نہیں کہ تمھیں نقصان پہنچا سکے۔ جب کوشش کرتے تھک جائے گا تو تمھاری انگلی سے جدا ہوکر دوسری طرف بہنے لگے گا۔

بڑے بڑے عقلمندوں نے اس ننھے سے جانور کی زندگی کا بڑے غور سے مشاہدہ کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے ان نیچے درجہ کے جانوروں کو بھی کچھ نہ کچھ عقل ضرور دی ہے۔ اور ان کی سمجھ پر غور کرنے سے انسان حیران ہوجاتا ہے۔ ایک عجیب و غریب واقعہ اس پھول نما جانور کی زندگی کا یہ ہے ایک خاص کیکڑے کے ساتھ جسے ہرمٹ کراب کہتے ہیں۔ یہ جانور اس طرح رہتا بستا اور اپنی زندگی بسر کرتا ہے جیسے شکاری کتا انسان کے ساتھ یعنی کتا انسان کی جان کی حفاظت کرتا ہے۔ اور انسان کتے کی پرورش کرتا ہے۔ حالانکہ انسان کتے سے بہت بڑا، بہت طاقتور اور ایسا عقلمند جانور ہے کہ اس کی بندوق کی چھوٹی سے چھوٹی گولی بڑے سے بڑے ہاتھیوں اور شیروں کو چند سکنڈ میں ختم کر دیتی ہے۔ مگر پھر بھی اسے کتے کے ساتھ ایک خاص قسم کا سمجھوتہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، بالکل یہی حالت ہرمٹ کراب اور سی اینمون کی ہے۔

ہرمٹ کراب

ہرمٹ کراب ایک خاص قسم کا بڑا کیکڑا ہوتا ہے۔ اور کیکڑوں کے تمام اقسام میں سب سے زیادہ لڑاکو خونخوار اور بڑے بڑے جانوروں پر جرات سے حملہ کرنے والا جانور ہے۔ مگر فطرت نے اس کی دم کی طرف کے جسم کی اچھی طرح سے

چونکہ یہ دوسری سہ ماہی کا پہلا پرچہ ہے اس لئے ہم حسب ذیل عنوانوں کا اعلان کرتے ہیں۔

۱۔ مختصر اور دلچسپ اخلاقی کہانیاں

۲۔ جغرافیہ (دنیا کے بڑے بڑے شہروں ملکوں اور پہاڑوں وغیرہ کے حالات)

۳۔ تاریخ۔ (چھوٹے اور مختصر قصے اور کہانیاں)

۴۔ دنیا کے بڑے لوگوں کے حالات بہت آسان زبان اور دلچسپ پیرائے میں۔

۵۔ سیر و سفر۔ اگر آپ نے کسی مشہور یا دلچسپ مقام کا سفر کیا ہو' اس کے حالات۔

یہ عنوان ہم نے بچوں کی محض سہولت اور رہنمائی کی خاطر لکھے ہیں۔ ہم انھیں ان کا پابند نہیں بنانا چاہتے۔ وہ ان عنوانوں کے علاوہ کسی اور عنوان پر لکھنا چاہیں تو آزادی سے لکھ سکتے ہیں انعام پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

(اڈیٹر)

عجائب خانہ سمندر

۴
نباتی حیوان و حیوانی نباتات

حیوانات کی تقسیم

اس پھول میں پتوں جیسی چیز اس کے ہاتھ پاؤں ہیں۔ یعنی ہاتھ الگ اور پاؤں الگ نہیں۔ بلکہ ایک ہی چیز سے وہ ہاتھ اور پاؤں دونوں کا کام لیتا ہے۔ ان میں تمھارے سر کے بالوں سے کہیں باریک لمبے لمبے بال ہوتے ہیں۔ جنھیں انگریزی میں فیلرس (Feelers) کہتے ہیں۔ ان فیلرس کے ذریعے یہ دور دور کی خبر منگاتا ہے۔ اور اور پانی کی ذرا سی حرکت اسے تبلادیتی ہے کہ کتنا بڑا جانور کس طرف سے آرہا ہے۔ جب پانی کے چھوٹے چھوٹے کیڑے مکوڑے یا چھوٹی چھوٹی مچھلیاں اس کے قریب پہنچتی ہیں تو یہ بہت تیزی سے حرکت کرکے انھیں اپنے اندر لے لیتا اور فوراً مرجھائے ہوئے

حفاظت نہیں کی۔ اور وہاں پر کوئی ہڈی یا خول ایسا نہیں ہے جس سے یہ جسم کا نرم حصہ محفوظ رہ سکے۔ اس لئے لڑائیوں میں دشمن اسکی دم کی طرف سے حملہ کر دیتا ہے اور یہ بے چارا مجبور ہو کر مارا جاتا ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ بڑی سوچ وچار کے بعد بھائی گیکڑے کے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔ تھے فطرتاً لڑاکو، بغیر لڑے بھڑے آپ کو چین کہاں، آئے دن کی خانہ جنگیوں سے ہمسائے نالاں تھے۔ سب نے ان کے خلاف ایکا کر لیا ہوگا۔ انھیں بھی دور کی سوجھی، ایک روز سی اینمون کو دیکھا کہ موسم بہار کے پھولوں کی مانند کھلے کھلائے

نہایت بے فکری سے اِدھر اُدھر تیرتے پھرتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے جانوروں کا شکار کر لیتے ہیں۔ اور کوئی بڑا جانور ان پر توجہ نہیں کرتا۔ خود کو بھوک تھی زوروں پر، سوچے کہ اچھا تر نوالہ ہے۔ نہ اس کے دانت ہیں نہ بڑے بڑے ناخن، میں حملہ کروں تو اپنے کو بچائے گا کیسے، آسانی سے میرا شکار ہو جائے گا۔ روز کے سینکڑوں کھاؤں گا۔ اور مزے میں ڈکاریں لیتا پھروں گا۔ یہ سوچ کے آؤ دیکھا نہ تاؤ، بس حملہ کر بیٹھے۔ منہ میں سی اینمون کا لینا تھا کہ کراہت کے ساتھ تھوک دیا۔

(سید محمد عسکری صاحب)

دولت کا نشہ

ایک نہایت غریب آدمی کو اتفاقاً بہت سی دولت ہاتھ لگی۔ ایک دن وہ سوچنے لگا کہ اب تمام دلی تمنائیں بر آئیں گی اور اپنی خواہشوں کو بلا تردد پورا کر سکوں گا۔ فاقہ کشی کا زمانہ گیا۔ دولت واقعی ایک رحمت ہے۔ ایک برہمن نے اس کی گفتگو سن کر کہا کہ میاں بالکل ہی ایک

لالچی گیدڑ نے بھی کہا تھا۔ لیکن وہ کنجوس تھا۔
اس لئے جلد ہی مر گیا۔

اس آدمی نے پوچھا یہ کس طرح؟

برہمن نے کہا سنئے! قصہ یہ ہوا کہ
قصبہ لچھمن نگر میں ایک باکمال شکاری رہتا تھا
ایک دن اس نے سوچا کہ کچھ شکار لانا چاہیے
اور وہ تیر و کمان لے کر جنگل کی طرف گیا۔ اور
تھوڑی ہی دیر میں ایک ہرن شکار کر لیا۔ چونکہ
ہرن بہت بھاری تھا اس لئے وہ اسے کندھے
پر لاد کر گھر کی طرف واپس آنے لگا۔

وہ تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ ایک سور
خون کی خوشبو سونگھ کر جنگل سے نکل آیا۔ جیسے
ہی اس نے سور کو دیکھا، ہرن کو زمین پر ڈال کر
تیر و کمان سنبھالا۔ اور اس کے نہایت تاک
کر ایک تیر مارا۔ سور فوراً زخمی ہو گیا لیکن
شدت تکلیف سے اس کا غصہ اور تیز ہو گیا
تھا اور وہ غرا کر شکاری پر جھپٹا۔ اس شکاری
نے چاہا کہ ایک تیر اور مارے لیکن اس کے
تیر چلنے سے پہلے ہی سور نے اسے گرا کر
پھاڑ ڈالا۔ چونکہ خود بھی بے حد زخمی ہو گیا
تھا اس لئے تھوڑی دیر میں وہ بھی مر گیا۔

اتفاق سے ایک سانپ ادھر سے
نکلا اور سور کی نعش اس پر گری، وہ بھی
نعش کے بوجھ سے دب کر مر گیا۔

اب جنگل میں برابر برابر ہرن، شکاری
سور، اور سانپ کی لاشیں پڑی تھیں۔

ایک بھوکا گیدڑ بھی کہیں سے آ نکلا
جب اس نے اتنا کھانے کا سامان دیکھا
تو اس کے منہ میں پانی بھر آیا۔ اور کہنے
لگا کہ میں بڑا ہی خوش قسمت ہوں، کتنا
تر لقمہ بغیر کسی محنت کے ملا ہے اور اب کئی
ہفتے بے فکر ہو کر خوب کھاؤں گا۔

کل اس سانپ کو کھاؤں گا۔ اور یہ آدمی
تو مہینہ بھر کے لئے کافی ہوگا۔ یہ ہرن اور سور
اگلے مہینوں میں کام آئیں گے۔ آج تو مجھے
کچھ بھوک نہیں معلوم ہوتی۔ اس لئے صرف
کمان کا تانت کھائے لیتا ہوں۔ یہ کہہ کر
اس نے تانت پر منہ مارا۔ اتفاق سے تانت
جو ٹوٹا تو کمان اُچٹ کر اس کے دل پر پڑی
اور گیدڑ کی نعش بھی وہیں تڑپتی نظر آئی۔

یہ تھا وہ قصہ۔ اب سمجھ لو کہ اس قصے سے
کیا ظاہر ہوتا ہے۔

میں نہیں سمجھا تمھارا کیا مطلب ہے؟ اس آدمی نے پوچھا

برہمن نے کہا: بھائی بہت سی دولت کا سنبھالنا بہت مشکل کام ہے۔ انسان کو چاہئے کہ سمجھ کر خرچ کرے مگر کنجوسی سے کام نہ لے۔

(مترجمہ محمد اشرف)

پچاس برس بعد

چند روز ہوئے امریکہ سے اس نام کی سینما کی ایک فلم ہندوستان آئی تھی۔ اس میں یہ دکھایا گیا تھا کہ آج سے پچاس برس بعد امریکہ اور یورپ کے ملک کتنی ترقی کر جائیں گے۔ مجھے بھی اس کھیل کے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ بڑا ہی دلچسپ تماشہ تھا۔ پیام بھائیوں کی دلچسپی کے لئے اس کھیل کا خلاصہ یہاں درج کرتا ہوں

آج سے پچاس برس بعد ہوائی جہاز اس کثرت سے ہوں گے جیسے آج کل موٹریں ہیں ان کے بندوبست کے لئے ہوا پر پولس کھڑی رہے گی اور جہازوں کو مختلف راستوں پر چلائے گی۔ موجودہ زمانے میں موٹریں اس کثرت سے ہیں کہ پولس ان کو سنبھال نہیں سکتی۔ ایک شخص سڑک کے ایک کونے سے دوسرے کونے کی طرف جانا چاہتا ہے مگر سواریوں کی کثرت سے بہت بہت دیر تک اسے منتظر رہنا پڑتا ہے، پھر بیزار ہو کر چلنے لگتا ہے۔ تو دو قدم چلتے ہی ایک موٹر ایک طرف سے تو دوسری سامنے سے آجاتی ہے۔ نہ وہ آگے بڑھ سکتا ہے اور نہ پیچھے ان سے بمشکل بچ کر نکلتا ہے۔ تو آگے اور چار پانچ موٹروں سے سابقہ پڑتا ہے آخر ایک موٹر سے ٹکرا جاتا ہے اور ڈرائیور بہت عاجزی سے اپنی غلطی کی معافی مانگتا ہے۔ اور آگے بڑھ جاتا ہے۔ پیچھے سے دوسری گاڑی تیزی کے ساتھ قریب آجاتی ہے۔ اور وہ چوکنا ہو جاتا ہے غرض موجودہ زمانے میں موٹریں اس کثرت سے زمین پر چلتی ہیں کہ ایک آدمی کو تھوڑے سے فاصلہ پر بھی پیدل چلنا دشوار ہے۔ اسی طرح آئندہ پچاس برس کے بعد ہوائی جہاز آسمان پر نظر آئیں گے۔ اور وہیں پولس (کانسٹبل) بھی رہیں گے

پولس والے کا ایک چھوٹا سا جہاز ہوگا جس کی لمبائی چوڑائی بہت ہی مختصر مثل غبارے کی ہوگی جس طرح سے زمین پر اگر کوئی دوست راستہ میں دوسرے دوست سے دوچار ہوتا ہے۔ تو اپنی موٹر کو اس کی سواری سے ملا کر ضروری بات کر لیتا ہے۔ اسی طرح جب ہوائی جہاز کثرت سے ہوں گے تو ایک جہاز والا دوسرے کو رومال کا اشارہ کرے گا اور اور وہ اپنی جگہ رک جائے گا۔ یہ اس تک اپنے جہاز کو لے جائے گا اور روک دیگا۔ اور خود اپنے جہاز سے اتر کر دوسرے پر آسانی کے ساتھ پہونچکر باتیں کرے گا۔ پانچ منٹ کے بعد پولس والے کی سیٹی ہوگی اور اس کے ساتھ ہی اس کو واپس ہونا پڑے گا۔ کیونکہ اتنی دیر دوسرے جہاز رُکے رہیں گے۔ جہاز اپنی لمبائی چوڑائی میں بہت کم ہوں گے۔ ایک مکان سے دوسرے مکان کو بآسانی جاسکیں گے۔ اور اوپر سے سیدھے بھی اتر سکیں گے غرض جہازوں کی اس قدر دھوم دھام رہے گی کہ ایک موٹر بھی نظر نہیں آئے گی۔

اس کے ساتھ ہی کھانا کھانے میں بھی ایک حیرت انگیز طریقہ اختیار کیا جائے گا یعنی کوئی شخص بھی اپنے گھر کھانا کھانے کی تکلیف نہیں اٹھائے گا۔ ہوگا یہ کہ غذا کی گولیاں بنالی جائیں گی اور وہ دوکانوں میں فروخت ہونگی جس کسی کو بھوک لگے وہ دوکان پر جائے اور رقم سوراخ میں ڈال دے وہ رقم خود بخود اندر چلی جائے گی۔ اس کے عوض غذا کی ٹکیاں باہر نکل آئیں گی۔ اس کو کھاکر پانی پی لینے سے پیٹ بھر جائے گا۔

لوگ ہوائی جہاز کے ذریعے مریخ (Mars) جائیں گے جہاں آج تک کسی کی عقل بھی نہیں پہنچی۔ اور وہاں سے دنیا کو دیکھیں گے تو ان کو دنیا بالکل اٹلس کے نقشہ کی طرح نظر آئے گی۔ کچھ دن وہاں بسر کرنے کے بعد صحیح سلامت دنیا کو واپس آئیں گے۔

غرض ان سب چیزوں سے یہ ظاہر کیا گیا کہ پچاس برس بعد دنیا کی حالت بالکل بدل جائیگی اور وہ ترقی کے سب سے اونچے زینے پر پہنچ جائے گی۔

محمد شبیر الدین۔ راک لینڈ۔ سیف آباد
(حیدرآباد دکن)

چینی کہانی

(۴)

ایک دن وو آن کھدائی کے کام میں مشغول تھا کہ یکایک کچھ دور سے عجیب سی آواز سنائی دی۔ وہ حیران رہ گیا کیونکہ یہ بات اس کے ذہن میں بھی نہیں آسکتی تھی کہ دیوار کے اُس پار بھی کوئی جانور رہ سکتا ہے۔ غور سے سننے پر معلوم ہوا کہ واقعی کہیں کوئی جانور چھپا ہے۔ اور آواز سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ زخمی ہے۔ وو آن کام چھوڑ کر رینگتا ہوا باہر نکلا اور آ ٹن اور بازتا سے واقعہ بیان کیا آ ٹن نے کہا شاید تمھیں کچھ وہم ہو گیا ہے۔ وو آن نے جواب دیا "تمھیں یقین نہیں آتا تو میرے ساتھ آؤ اور غور سے سنو"

آ ٹن سوراخ کے پاس گیا اور کان لگا کر سننے لگا۔ واقعی آواز آرہی تھی۔ پھر تو بازتا سے بھی نہ رہا گیا۔ وہ بھی دوڑ کے گیا اور وو آن کی تصدیق کی۔

تینوں نے دو فان۔ وکیے اور پاپو کو جن کی عمر ان لوگوں سے کچھ زیادہ تھی، یہ واقعہ سنایا۔ اور کہا کہ وہ بھی جاکر دیکھیں۔ لیکن آواز اس وقت بند ہو گئی تھی۔ انھوں نے بہت دیر تک کان لگا کر آواز سننے کی کوشش کی مگر کچھ سنائی نہیں دیا۔ اس لئے وہ سمجھے کہ وو آن وغیرہ کے کانوں نے غلطی کی ہوگی۔ انھیں یہ خیال بھی پیدا ہوا کہ وو آن اور بازتا کھدائی کی محنت برداشت نہیں کر سکتے۔ اس لئے انھوں نے یہ جھوٹی کہانی گھڑ لی ہے۔

وو آن نے پھر اپنی کھدائی کا کام جاری کر دیا۔ رات کے نو بجے پھر ویسی ہی آواز آنے لگی۔ اس مرتبہ وہ زیادہ زوردار اور وحشت ناک تھی۔ وو آن بھی سوراخ کے قریب آکر سننے لگا۔ اس کی تو ڈر کے مارے بری حالت ہو گئی اور غار کے اندر ہی چکر کھانے لگا۔

اس رات سبھی کی حالت خراب تھی۔ سب پر گھبراہٹ اور خوف طاری تھا۔ اور دھیان اسی طرف لگا ہوا تھا۔ سوتے میں بار بار چونک پڑتے تھے۔ غرض رات بڑی بے چینی اور پریشانی میں گذری۔ صبح ہوتے ہی سب سوراخ کے قریب گئے۔ اس وقت پھر یہ آواز بند ہو گئی تھی

وکیسے نہایت ہنس مکھ، زندہ دل اور
باتونی لڑکا تھا۔ مگر آج اسے چپ لگ گئی
تھی۔ اس کے دل پر دہشت بیٹھ گئی تھی اور چہرہ
پر خوف چھایا ہوا تھا۔ اس کی حالت دیکھ کر
بازتا اور دوفان کو فکر ہوئی کہ کہیں ڈر کی وجہ
سے وکیسے بیمار نہ پڑ جائے۔ انھوں نے طے
کیا کہ غار کے آس پاس تلاش کیا جائے۔
شاید زخمی جانور کا پتہ لگ جائے اور لوگوں
کے دل سے ڈر نکل جائے۔

اس مشورہ کے بعد دوفان اور بازتا
غار سے باہر نکل آئے اور ادھر ادھر تلاش کرنے
لگے۔ کبھی جھاڑیوں میں گھستے تھے، کبھی چٹان
پر چڑھتے تھے۔ اور کبھی درختوں کے جھنڈ میں
جاتے تھے۔ چلتے ایک طرف تھے مگر نگاہیں
چاروں طرف دوڑتی تھیں۔ اس حالت میں
آدھا دن گذر گیا مگر کچھ پتہ نہ چلا۔ آخر دوفان
نے اکتا کر کہا، بھائی! بس کرو۔ اب واپس
چلنا چاہیے۔ بازتا بھی تھک گیا تھا۔ اس لئے
دونوں واپس چلے آئے۔ اور سب کو بتا دیا
کہ کچھ نہیں ملا۔ چونکہ انھیں اپنا گودام بنانا تھا
اس لئے کھدائی کا کام دوبارہ شروع کر دیا گیا

اس روز کوئی آواز نہیں سنائی دی، مگر ایسا
معلوم ہوتا تھا کہ دیوار کے اندر جگہ خالی ہے۔

پیام بھائیو! اگر واقعی دیوار کے اندر
کوئی اور غار ہے تو ان کی کتنی محنت بچ جائے
گی۔ مگر معلوم نہیں وہاں تک پہنچ بھی پائیں گے
یا نہیں، بہر حال آئندہ آپ کو معلوم ہو جائیگا

(بدرالدین صاحب حسینی۔ بی اے جامعہ)

ریشم اور اس کے کیڑے
(۲)

ریشم کا کیڑا

بہت عرصہ تک تو چین والوں نے اسے
راز سمجھکر چھپائے رکھا۔ لیکن کچھ دنوں بعد یہ
جاپان والوں کو کسی طرح معلوم ہو گیا۔ اور پھر
اس کے بعد اسے ہندوستان، یورپ اور
امریکہ والوں نے سیکھا۔ اس کے متعلق بہت

سے عجیب وغریب قصے مشہور ہیں کہ کس طرح ایک چینی شہزادی ریشم کے کیڑوں کے کچھ انڈے اور کچھ شہتوت کے بیج اپنے دوپٹے میں چرا کر ہندوستان لے آئی، یا کس طرح چینی سادھو اسے اپنے بانس کے کھوکھلے ڈنڈوں میں چھپا کر یورپ لے گئے۔ لیکن باوجود اس کے کہ آج فرانس، اٹلی، ہندوستان اور دنیا کے بہتیرے حصوں میں ریشم نکالا جاتا ہے اور ریشمیں کپڑے بنتے ہیں۔ لیکن ریشم کی پیداوار میں چین اب بھی اول نمبر ہے اور اس کے بعد جاپان کا درجہ ہے۔

چین کے کسان ریشم پیدا کرنے میں بڑے ماہر اور مشاق ہوتے ہیں۔ اور یہ ان کی کاروباری زندگی کا سب سے اہم مشغلہ ہوتا ہے یہی حال جاپان کے کسانوں کا بھی ہے۔ ان کے چھوٹے چھوٹے بچے شہتوت کی پتیوں کے جمع کرنے اور ان پر ریشم کے کیڑے پھیلانے میں رات دن مصروف رہا کرتے ہیں۔

ہمارے ہندوستان میں ریشم کے کیڑے مشرقی بنگال یا کشمیر میں بہت پالے جاتے ہیں یہاں کے لوگوں کی ایک بڑی تعداد اپنی گذر اوقات اس پر کرتی ہے۔ ڈھاکہ اور مرشد آباد ریشم کی پیداوار کے لئے قدیم زمانے سے مشہور ہیں۔ اور تھوڑے عرصہ سے کشمیر کے پایہ تخت سری نگر میں بھی ایک بہت بڑا کارخانہ ریشم نکالنے کا ہے۔ ان جگہوں کے تمام آس پاس کے دیہات والے شہتوت کا درخت لگانے اور اسے محفوظ رکھنے میں لگے رہتے ہیں۔ جب ریشم کے کیڑوں کا زمانہ آتا ہے۔ تو وہ شہتوت کے درختوں سے ڈالیاں کاٹ کاٹ کر لے آتے ہیں اور انھیں ایک بند مکان میں اس طرح پھیلا کر رکھ دیتے ہیں کہ ایک دوسرے سے دب نہ جائیں۔ پھر ان ٹہنیوں پر ریشم کے نوزائیدہ چھوٹے چھوٹے کیڑے رکھ دیتے ہیں۔ جو ان پتیوں کو چاٹنا شروع کرتے ہیں۔ یہ اتنی بڑی تعداد میں ہوتے ہیں اور ایسی تیزی سے چاٹتے ہیں کہ دقت کے وقت ان کی چُرر مُرر کی آواز بھی سنائی دیتی ہے۔ جب یہ کیڑے اپنی غذا کھا کر تیار ہو جاتے ہیں تو انھیں بانس کی کھپاچوں پر رکھ دیا جاتا ہے جہاں وہ ریشم تننا شروع کرتے ہیں۔ ریشم تنتے تنتے جب وہ اپنے کو اس میں بند کر لیتے ہیں تو یہ "کوں" کہلاتا ہے۔ تھوڑ

عرصے بعد یہ "گکوں" یکجا جمع کر کے گرم پانی میں
کھولائے جاتے ہیں۔ جس سے نہ صرف اندر
کے کیڑے سب مر جاتے ہیں۔ بلکہ ریشم کے
سرے بھی پھول کر نکل آتے ہیں۔ اس کے بعد
یہ سرے کئی ایک ساتھ ملا کر ریلوں پر لپیٹے
جاتے ہیں۔ کئی ایک ساتھ ملا کر اس لئے کہ ایک
تار ریشم کا تو مشکل سے نظر آتا ہے۔ یہ باریک ریشم
کا تار جو ہم دیکھتے ہیں بہت سے اصلی تاروں سے
ملا دیتا ہے۔ غرض یہی ریشم ہوتا ہے جو ان ملکوں
کو بھیجا جاتا ہے جہاں ریشمی کپڑوں کے بننے کا
کاروبار ہوتا ہے۔ اور یہی کپڑے روزانہ ہم
استعمال کرتے ہیں +

(سعید انصاری)

غلط فہمی

تین سو سال ہوئے ایران میں ایک بادشاہ
حکومت کرتا تھا۔ رعایا خوش حال تھی۔ ملک میں امن
تھا۔ اور بادشاہ کی خواہش تھی کہ دوسرے ملکوں
کو فتح کر کے اپنی سلطنت کو بڑھائے۔ ایک روز
وہ دربار میں بیٹھا تھا کہ ایک جاسوس آیا اور بادشاہ
کی خدمت میں عرض کی کہ ہندوستان میں آج کل
ایک بادشاہ حکومت کر رہا ہے اس کا نام جہانگیر
ہے۔ یہ عیش پرست ہے دن بھر شراب میں مست
رہتا ہے اگر حضور فوج لے کر اس پر حملہ کر دیں
تو یقین ہے کہ شہنشاہ جہانگیر کو شکست نصیب
ہوگی اور حضور ضرور کامیاب ہوں گے۔ بادشاہ
نے اس موقع کو غنیمت جانا اور حملہ کرنے کے
لئے تیار ہو گیا۔ مگر وزیر نے جو اس کی داہنی
طرف بیٹھا تھا عرض کیا حضور پہلے تحقیق کر لیجئے
آیا یہ بات صحیح بھی ہے یا نہیں۔ ایسا نہ ہو جاسوس
کے سننے میں کچھ غلطی ہوئی ہو۔ وزیر کی بات بادشاہ
کی سمجھ میں آ گئی۔ اس نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔
اور وزیر کو حکم دیا کہ ہندوستان جا کر وہاں کے
صحیح حالات معلوم کرے اور اطلاع دے۔
وزیر نہایت شان و شوکت کے ساتھ
ہندوستان کی طرف روانہ ہوا۔ جب دہلی کے
قریب پہنچا تو شہنشاہ ہندوستان جہانگیر کو خبر
کی گئی کہ شاہ ایران کی طرف سے ایک سفیر
آیا ہے۔ بادشاہ سلامت نے حکم دیا کہ سفیر کو
ایک شاندار محل میں ٹھہرایا جائے۔

بادشاہ نے جنگل سے دو شیر پکڑوا کر منگوائے
اور حکم دیا کہ ان کو پندرہ دن تک بھوکا رکھا جائے۔
پندرہ دن کے بعد جہانگیر نے ایک عام
دربار کیا بہت سے امیروں اور مہاراجوں کو
دعوت دی گئی۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے
تو بادشاہ سلامت تخت پر بیٹھے۔ سامنے
دونوں طرف شیروں کے کٹہرے رکھے گئے اور
تخت کے دونوں کناروں پر گوشت کے دو
بڑے بڑے ٹکڑے رکھ دیئے گئے۔ اسی وقت
حکم ہوا کہ سفیر حاضر کیا جائے۔ جس وقت سفیر دربار
میں آیا تو عجیب کیفیت دیکھی کہ بادشاہ بڑے
اطمینان سے بیٹھا تھا لیکن درباریوں میں سے
ہر ایک ڈر کے مارے کانپ رہا تھا۔ بادشاہ نے
حکم دیا کہ کٹہرے کو کھولا جائے۔

جس وقت شیر نکلے ہیں تو سفیر کا مارے
ڈر کے برا حال ہو گیا، بہر حال شیر اپنے کٹہروں سے
نکلتے ہی ایک ہی گوشت کے ٹکڑے پر جھپٹے
جہانگیر نے ایک شیر کے طمانچہ مارا اور کہا تیرا
حصہ یہ ہے۔ اس پر دونوں الگ الگ ایک
ایک ران کھانے لگے۔ جب گوشت کھا چکے
تو بادشاہ نے اپنے دونوں پیر پھیلا دیئے اور
شیر اس کا تلوا چاٹنے لگے۔ اس وقت بادشاہ
کے حکم سے اس موقع کی تصویر لی گئی۔

تھوڑی دیر کے بعد دربار برخاست ہوا۔ بادشاہ
نے ایران کے سفیر کو خلعت[1] اور انعام دے کر
رخصت کیا۔

یہ سفیر جب ایران واپس آیا تو بادشاہِ ایران
کو تمام کیفیت سنائی اور وہ تصویر بھی دکھائی۔
ایران کے بادشاہ نے یہ حالت سنی تو بہت گھبرایا
اور ہندوستان پر حملہ کا ارادہ ہمیشہ کے لئے ملتوی
کر دیا ۔

(بشیر احمد قریشی۔ جلیم مسلم ہائی اسکول کانپور)

[1] اگلے زمانے میں جب بادشاہ کسی سے خوش ہوتا تھا تو
اس کے مرتبے کے لائق اسے انعام اور ساتھ ہی بہت قیمتی لباس بھی
دیتا تھا۔ یہ لباس خلعت کہلاتا تھا۔

گنوار کی وصیت

ایک بادشاہ کے واسطے ایک حلوائی حلوے کا بھرا ہوا تھال پیش کرنے کے لئے ایک گنوار کے سر پر رکھوا کر لایا۔ اس تھال پر خوان پوش پڑا تھا۔ حلوائی نے تھال بادشاہ کے سامنے رکھ کر خوان پوش اٹھایا۔ حلوے پر گنگا جمنی ورق جمے اور ان پر باریک باریک پستے، بادام اور ناریل کے کترے ہوئے ٹکڑے اس خوب صورتی سے لگے تھے کہ بالکل بیل بوٹے معلوم ہوتے تھے۔ ان کو دیکھ کر گنوار کے منہ میں پانی بھر آیا۔ اور آنکھیں میچ کر بڑا سا نوالہ اٹھا منہ میں رکھ لیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ جو شخص اس حلوے میں سے لقمہ اٹھائے اس کی گردن مار دو۔ اور لوگ تو وہاں سے ہٹ گئے مگر گنوار کھڑا رہا۔ کبھی بادشاہ کو دیکھتا اور کبھی حلوے کے طباق کو۔ آخر اس سے نہ رہا گیا اور بادشاہ سے عرض کرنے لگا۔ کہ میری وصیت یہ ہے کہ میرے گھر والوں کو بھی میرے بعد اسی طرح حلوا کھلوایا جائے اور ان کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ کیا جائے۔ یہ کہہ کر حلوا کھانے لگا اور یوں گنگنانے لگا کہ :-

جان جائے کسی خرابی سے
ہاتھ اٹھتا نہیں رکابی سے

بادشاہ اس کی وصیت اور اس حرکت پر ہنس پڑا۔ اور حلوے کا تھال اسی کو بخش دیا اور کچھ انعام بھی عطا کیا +

جیواد

عقل

جانتے ہو تم کہ ہے کیا چیز عقل
عقل ہی سے آدمی انسان ہے
عقل دکھلاتی ہے اچھا راستہ
عقل ہی سارے بنا دیتی ہے کام
عقل سے پانی پہ چلتے ہیں جہاز
ریل دوڑائی زمین پر عقل نے
عقل ہی نے تو بنائی سائیکل
اس کے دو پہیوں میں پھرتی ہے بڑی
تم کبھی بیٹھے ہو، دیکھی ہے ٹرام؟

یہ نہ سمجھو، ہے کوئی ناچیز عقل
ورنہ وہ انساں نہیں حیوان[1] ہے
عقل ہی سے دل نے پایا راستہ
عقل سے ہے آج یورپ[2] نیک نام
اور اڑتے ہیں ہوا پر مثلِ باز[3]
اور موٹر بھی چلائی عقل نے
کیسی اچھی، ہلکی پھلکی سائیکل
بے سہارے ہو نہیں سکتی کھڑی
یا سنا ہے دوستوں سے اس کا نام؟

ٹرام

[1] جانور [2] مغرب کا ملک۔ [3] ایک بڑی چڑیا کا نام۔

دوڑتی پھرتی ہے بازاروں میں وہ
بیل ہیں اس میں نہ گھوڑا ہے جُتا
تھی ابھی اس جا، ابھی پہنچی وہاں،
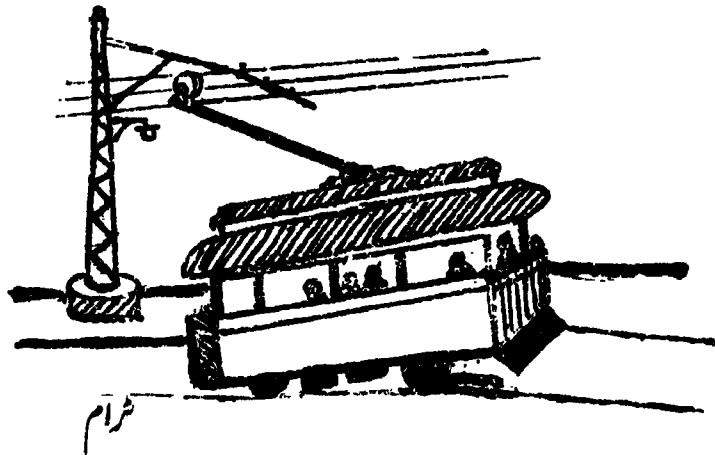
ریل کا لمبا سا ڈبہ جیسے ہو؛؛
بھاگتی ہے تو نہیں لگتا پتا
ہوگئی دم بھر میں نظروں سے نہاں[51]

تم نے دیکھا ہے گراموفون بھی؟
اس کا گانا بھی سنا ہے کیا کبھی

دیکھنے میں ہے وہ اک صندوقچہ
نا سور ہیں گانے والے جس قدر
یہ کرشمہ[53] ہے گراموفون کا؛؛؛
بات کرنا گر تمھیں منظور ہے
تم کو کچھ تکلیف اور زحمت نہیں،
بات کرسکتے ہو ٹیلیفون سے
وہ سنادے گا تمھارا ہر کلام
عقل ہی کے تو یہ سارے کام ہیں
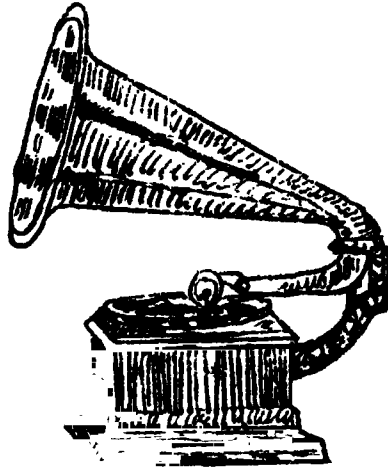
راگ اس کے ہیں مگر کیا خوش مزہ[52]
ان کا گانا گھر میں سن لو بیٹھ کر
اور اک جادو ہے ٹیلیفون کا؛؛
پر تمھارے دوست کا گھر دور ہے
اس کے گھر جانے کی بھی حاجت نہیں
ہو جو ٹیلیفون گھر میں دوست کے،
اور سنادے گا تمھیں اس کا پیام
ہم کو حاصل کس قدر آرام ہیں

[51] غائب، اوجھل۔ [52] مزیدار۔ [53] اچنبے کی بات۔

دیکھے ہوں گے تم نے بجلی کے چراغ
گھر بھی روشن، شہر بھی، بازار بھی
اس طرح پھیلا اجالا ہر طرف
روشنی کیا صاف اور کیسی سفید
ہے غرض یہ عقل ہی کی روشنی
عقل سے انسان جب لیتا ہے کام
یاد رکھو بس یہ اک مجوی کی بات
علم پڑھ کر عقل سے لینا ہے کام
پیٹ بھر لینا کوئی مشکل نہیں
عقل دی ہے اس لئے اللہ نے
جو وطن اور قوم کو دے فائدہ

روشنی کا شام کو کھلتا ہے باغ
ہے کوئی جادو یہ برق[1] تار بھی
دن نکل آیا ہے گویا ہر طرف
پھر بہت آرام دِہ[2] بے حد مفید
عقل ہی سے یہ ہر اک شَے ہے بنی
تب دماغ اس کا بہت دیتا ہے کام
کھیل میں کھونا نہ تم دن اور رات
تاکہ ہو دنیا میں تم بھی نیک نام
پیٹ بھر لیتا ہے کتا بھی کہیں
اس سے انساں کوئی اچھا کام لے
ورنہ یہ جینا بھی ہے بے فائدہ

عقل جس ملت[3] سے رخصت ہو گئی
اس کی عزت اور دولت کھو گئی

محمد حسین، محوی صدیقی لکھنوی
(اردو لکچرار مدراس یونیورسٹی)

---

[1] بجلی کا تار۔ [2] آرام دینے والی۔ [3] قوم۔

طابع و ناشر ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم اے - پی ایچ - ڈی۔

مطبوعہ جامعہ برقی پریس دہلی

جلد ۱۴ نمبر ۲
جامعہ ملیہ اسلامیہ کا پندرہ روزہ تعلیمی رسالہ
۲۱ جنوری سنہ ۳۳ ع

فہرست مضامین

Jamia Press.

ایڈیٹر — سعید انصاری

دو دو باتیں

پچھلی سہ ماہی میں بچوں کے مضامین میں جیواد صاحب (امیٹھ) کا مضمون "سچ کا پھل" سب سے بہتر قرار دیا گیا ہے۔ اور جیواد صاحب انعام کے مستحق سمجھے گئے ہیں۔ پانچ روپے کا انعام اُن کی خدمت میں بھیج دیا جائے گا۔

عثمانیہ کلب پانی پت کے زیر اہتمام ہر سال ایک آل انڈیا مجلس مباحثہ منعقد ہوتی ہے۔ گذشتہ سال جامعہ تعلیمی مرکز نمبر ۱ کے دو بچوں رحیم الدین اور نور خاں نے اس مباحثہ میں شرکت کی تھی۔ دونوں بچوں کی تقریریں بہت کامیاب رہی تھیں۔ اور نور خاں نے پہلا انعام حاصل کیا تھا۔ اس مرتبہ بھی کلب کی دعوت پر جامعہ تعلیمی مرکز نمبر ۱ کی جانب سے دو چھوٹے بچے اسلام اللہ (عمر ۱۱ سال ابتدائی ششم) اور عبدالناصر (عمر ۹ سال ابتدائی ششم) جناب مولانا حفیظ الدین صاحب کی نگرانی میں بھیجے گئے تھے۔ ان دونوں بچوں نے وہاں شاندار کامیابی حاصل کی اور ٹرافی جیت کر لائے۔ ہم دونوں بچوں کو نیز مولنا حفیظ صاحب اور مولنا عبدالغفار صاحب مدنی کو مبارکباد دیتے ہیں جن کی نگرانی میں بچوں نے ایسی اچھی تربیت حاصل کی۔

آئندہ ۴ فروری کو ۲ بجے دن تعلیمی مرکز نمبر ۱ جامعہ کے ہال میں محمد علی رننگ کپ کے سلسلہ میں تحریری و تقریری انعامی مقابلہ ہوگا۔ آٹھویں جماعت کے طالب علموں کے لئے مضمون زیر بحث یہ ہوگا "انسان کی خدمت کے لئے مقرر کی نسبت مصنف زیادہ مفید ہے" مضمون نویسی کے لئے ذیل کا عنوان پسند کیا گیا ہے "پچھلے چند سالوں میں کہاں کہاں کی سیر کی۔ ان میں اپنی پسند کی دو سیروں کا دلچسپ حال لکھو"

تیسری جماعت کے طالب علموں کے لئے ان عنوانوں میں سے کسی ایک کی تصویر لٹکا دی جائے گی اور طالب علم زیادہ تر مشاہدہ کی مدد سے اس کو واضح طور پر بیان کرے گا۔ (۱) گھوڑا (۲) اونٹ (۳) ہاتھی (۴) گدھا۔

داخلہ کی شرطیں اور دوسری تفصیلات ٹائیٹل کے تیسرے اور چوتھے صفحے پر ملاحظہ ہوں

جن مدرسوں کے منتظمین اپنے بچوں کو اس مقابلہ میں شریک کرنا چاہیں وہ براہ کرم نگران صاحب تعلیمی مرکز ۲ جامعہ ملیہ قرول باغ دہلی سے داخلہ کا فارم منگالیں +

رسول مقبول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

آپ کے ماں باپ:۔ میرے عزیزو! اگر دین اسلام سے واقف ہونا چاہتے ہو، تو حضور رسول مقبول صلعم کی مبارک زندگی کے سچے حالات معلوم کرو۔

ہمارے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم قریش نامی ایک شریف خاندان سے تھے یہ خاندان عزت اور رتبہ کے اعتبار سے تمام عرب میں ایک تھا۔ آپ کے والد ماجد کا نام عبداللہ تھا۔ جو قریش کے بہت بڑے آدمی تھے۔ آپ کے دادا عبدالمطلب قریش کے سردار اور نہایت نامی گرامی آدمی تھے۔ اُن کی اولاد میں ابوطالب اور عبداللہ اور بہت سے بیٹے تھے۔ مگر عبدالمطلب کو سب سے زیادہ عبداللہ سے محبت تھی۔

حضور کی والدہ ماجدہ کا نام آمنہ تھا یہ قریش کی سب سے معزز خاتون تھیں۔

ہمارے سردار حضورؐ تمام عرب کے سب سے شریف خاندان میں شریف ماں باپ سے پیدا ہوئے۔

آپ کی پیدائش یہودیوں کے بعض بڑے بڑے عالم توریت کے ذریعہ یہ جانتے تھے کہ قریش میں ایک معزز رسول پیدا ہوگا جس کی شان بہت بڑی ہوگی، تمام لوگ اُس کے مطیع ہوں گے، بادشاہ اُس کی عزت کریں گے اس کے علاوہ اور بھی خاص خاص علامتیں ہوں گی چنانچہ ہمارے سردار حضورؐ جب دنیا میں تشریف لائے تو یہ تمام علامتیں ایک ایک کرکے پوری ہوئیں۔ آپ کی پیدائش واقعہ فیل[1] کے سال میں ۹۔ ربیع الاول کو مطابق (۲۰ر اپریل ۵۷۱ء) ہوئی، آپ کی والدہ نے پیدا ہوتے ہی آپ کو آپ کے دادا کے پاس مبارکباد کے لئے بھیجا۔ دادا نے خوش ہوکر بڑے پیار سے اپنے پوتے کو گود میں لیا۔ اور محمدؐ نام رکھا۔ آپ کے والد ماجد کا انتقال ہوگیا تھا جب آپ اپنی ماں کے پیٹ میں دو ہی مہینہ کے تھے۔

حضور کی ذات چونکہ تمام عالم کے لئے رحمت ثابت ہوئی۔ اس لئے کثرت سے مسلمان

[1] فیل عربی میں ہاتھی کو کہتے ہیں، ایک کافر بادشاہ نے کعبہ کو ڈھانے کے لئے ہاتھیوں سے حملہ کیا تھا۔ مگر خدا نے اسے ناکام کیا اور ابابیلوں کے ذریعے تہس نہس کر دیا۔

آپ کی پیدائش کے دن بڑے بڑے جلسے کرتے ہیں جن میں آپ کا ذکرِ پاک سنا جاتا ہے۔ مٹھائی اور کھانے کی تقسیم ہوتی ہے۔ غریب لوگ صدقہ اور خیرات پاتے ہیں۔

(سعد انصاری)

عجائب خانہ سمندر

(سید محمد عسکری صاحب)

دیکھنے میں کیسا خوبصورت مگر کھانے میں کتنا بدمزہ! ایسا کہ کھایا ہی نہ جائے جبھی تو دوسرے جانور اس کی طرف توجہ نہیں کرتے! ایسے کی نزدیکی سے دوری بہتر ہے۔ معلوم ہوتا ہے اسی لئے کوئی حضرت کے پاس نہیں پھٹکتا۔ یہ سوچ کر میاں کیکڑے لیٹے تھے کہ ایک نئی بات ذہن میں آئی ایک دوسرے انہوں کے قریب پہنچے اور بڑی نرمی سے کہا بھائی! "السلام علیکم" اس غریب جانور نے محسوس کیا کہ ایک بڑی ڈراونی چیز اس کے سامنے آرہی ہے، گھبرا کر دوسری طرف جانا چاہا لیکن کیکڑے نے انہیں راستہ کترا کے جاتے دیکھا تو بڑی ملائم آواز میں کہا "یار ٹھیرو یہ بے مروتی کیوں! میں نہ تم سے لڑنے آیا ہوں نہ تمہارا شکار کرنے۔ شکار کیوں کروں، اللہ نے تم کو غذا کے قابل بنایا ہی نہیں نہ تمہارے منہ میں دانت نہ ہاتھوں میں ناخن بھئی خدا کا تم پر بڑا احسان ہے کہ جب تمہارے جسم میں کوئی چیز اپنی حفاظت کے لئے نہیں ہے تو اس نے تمہیں بنایا ایسا کہ کوئی بھولے سے بھی تمہارا شکار نہ کرے اور اب تمہارے ذریعہ سے مجھ پر اس کا ایک اور احسان ہونیوالا ہے، بھائی صاحب تمہارے آنکھیں تو ہیں نہیں مگر میں سمجھتا ہوں کہ تم دیکھتے سنتے ضرور ہو، تمہیں معلوم ہے کہ میرا نام ہرمٹ کراب ہے، میں تھوڑا بہت غصیلا تو ضرور ہوں مگر اتنا بھی نہیں جتنا یار لوگوں نے سمجھ رکھا ہے۔ یہ اُن کی غلطی ہے کہ میرے خلاف ایکا کر بیٹھے ہیں اور جہاں کہیں پاتے ہیں حملہ کر دیتے ہیں، میں بھی لڑنے میں کسی سے بند نہیں

ہوں، کل سے گیارہ لڑائیاں لڑ چکا ہوں مگر میری بڑی کمزوری یہ ہے کہ اپنی دم کی حفاظت نہیں کر سکتا، آؤ ہم تم ایک سمجھوتہ کرلیں، تم چٹانوں سے چمٹے ہوئے بڑھیا کی طرح رات دن ایک جگہ بیٹھے رہتے ہو، کبھی چلتے بھی ہو تو ایسے آہستہ آہستہ کہ تمہیں تیرتا دیکھ کے مچھلیوں کو اختلاج ہو جائے، وہ دیکھو بی سرخ رنگ بوا تیرتی جارہی ہیں، معلوم ہوا کہ ایک بجلی آنکھوں کے آگے کوندگئی، دیکھا! کس کراہت سے تمہاری طرف دیکھ کے منہ پھیر لیا، میں اس کے ساتھ شرط باندھ کے تیر سکتا ہوں، تم میری دُم پر بیٹھ جاؤ، میں تمہیں دنیا بھر کی سیر کراتا پھروں گا، کھانے پینے کی فکر نہ کرنا، میرا ایک آدھ نوالہ تمہاری دن بھر کی غذا کے لئے کافی ہوگا اور اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے بھی شکار کرلینا، آخر تم چٹانوں سے رات دن چمٹے رہتے ہو اور اللہ تمہاری غذا تم تک پہنچا ہی دیتا ہے، اس میں میرا فائدہ بھی شامل ہے کیونکہ بڑے جانور تم سے اس درجہ کراہت کرتے ہیں کہ تمہارے نزدیک آنا بھی پسند نہیں کرتے، جب تمہیں میری دُم پر بیٹھا دیکھیں گے تو پیچھے سے مجھ پر حملہ کرنا چھوڑ دیں گے اور سامنے سے تو میں تنہا دو دو چار چار پر بھاری ہوں۔" اس طرح کی چکنی چپڑی باتیں کرکے ہرمٹ کراب نے سی انیمون کو راضی کرلیا، آب میاں سی انیمون رات دن ہرمٹ کراب کی دم پر سوار سمندر کی سیر کرتے پھرتے ہیں، کیکڑے کے شکار سے جو کچھ بچ رہتا ہے وہ اُن کے لئے اتنا کافی ہے کہ اپنے لئے شکار کرنے کی ضرورت بھی انہیں کم ہوتی ہے، ہرمٹ کراب نے اپنی حفاظت کے لئے ایسی اور بہت سی ترکیبیں سوچی ہیں جن کا وقت پر ذکر آئے گا۔

چینی کہانی

(۵)

بدرالدین صاحب چینی بی اے جامعہ

کام سے فارغ ہونے کے بعد سب میز کے گرد کھانا کھانے بیٹھ گئے۔ اس وقت یکایک اُنہیں خیال ہوا کہ اُن کا ایک ساتھی

کم ہے۔ اُن کا کتا فوضین جو برابر اُن کے ساتھ رہتا تھا۔ اور کھاتے وقت ضرور موجود ہوتا تھا آج غائب تھا۔ انھوں نے کئی بار آواز دی لیکن کچھ پتہ نہ چلا۔ آٹن نے ادھر اُدھر نظر دوڑائی مگر وہ معلوم نہیں اپنے آقاؤں کو چھوڑ کر کہاں چلا گیا تھا۔

ووفان اور ویکے کھانا چھوڑ کر اس کی تلاش میں باہر نکلے ویکے دریا کے کنارے کنارے چلا گیا ووفان جھیل کی طرف روانہ ہوگیا دونوں نے جھاڑیاں جنگل میدان غرض ہر جگہ دیکھ ڈالا۔ مگر فوضین کہیں ہو تو ملے ہر شخص ہاتھ ملتا اور افسوس ظاہر کرتا ہوا واپس آیا سب میز کے ارد گرد بیٹھ کر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ ہر طرف خاموشی چھائی تھی اتنے میں ایک زبردست گرج کی آواز سنائی دی۔ یہ آواز اتنی عجیب اور ہیبت ناک تھی کہ سب گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور ادھر اُدھر تلاش کرنے لگے۔ ووآن نے سوراخ کے پاس جا کر کہا۔ "آواز یہاں سے آئی ہے" اتنا کہہ کر وہ سوراخ میں کود گیا۔ خوف تو سب پہ طاری تھا مگر ان میں سے بڑے لڑکوں نے ہتھیار سنبھال لئے کہ کہیں کوئی جنگلی جانور نہ ہو اور اُن پر حملہ کردے۔ چھوٹے لڑکے ڈر کے مارے لحاف میں چھپ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ووآن نے سوراخ کے باہر آکر کہا اس دیوار کے اُس پار ضرور کوئی غار ہے ووآن بولا" اگر ایسا ہے تو وہاں ضرور بہت سے جانور ہوں گے" اس پر ووفان بول اُٹھا میرا خیال بھی یہی ہے۔ صبح کو ہم سب غار کے اُس طرف تلاش کریں گے۔ وہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ پھر اسی زور کی آوازیں آنے لگیں۔ یہ آوازیں کبھی مدھم ہو جاتی تھیں اور کبھی اتنے زور سے آتی تھیں کہ دیوار لرزنے لگتی تھی۔ ویکے نے کہا کہیں فوضین تو کسی جانور کے ساتھ کشتی نہیں لڑ رہا ہے۔ ووآن پھر سوراخ کے اندر گیا کہ شاید پتہ چل جائے کہ کس جانور کی آواز ہے مگر اُس کے جاتے ہی آواز پھر بند ہوگئی۔

اس رات کسی کی پلک سے پلک نہیں لگی سونے کی ہمت ہی نہ ہوتی تھی۔ بار بار غار کے منہ سے باہر کی طرف دیکھتے تھے کہ صبح ہوگئی یا نہیں آخر روشنی ہونے کے بعد

سب کو کچھ کچھ اطمینان ہوا۔ اس وقت انھیں نوفین کو تلاش کرنے کی فکر تھی اور وہ یہ بھی دیکھنا چاہتے تھے کہ کہیں کوئی وحشی جانور تو ان کے پاس نہیں آگیا ہے۔ چنانچہ دوفان اس جماعت کا سردار بنا سب کو غار سے باہر لایا اور اُن کی مختلف ٹولیاں بناکر مختلف مقامات پر بھیج دیا۔ ہوشیار اور چوکنا رہنے کی تاکید کردی

یہ لوگ بہت دیر تک ادھر اُدھر مارے مارے پھرے مگر کہیں کچھ نظر نہ آیا آخر مایوس ہوکر واپس آئے۔

دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد سب نے یہی فیصلہ کیا کہ جو کچھ بھی ہو کھُدائی کا کام ہر حال جاری رہنا چاہیئے۔ ممکن ہے اسی ذریعہ سے کچھ پتہ لگ جائے۔

حاتم کی سخاوت

(محمد اسمٰعیل صاحب متعلم جامعہ)

حاتم طائی عرب کا ایک مشہور سخی گذرا ہے اس کی سخاوت اور نیکیوں کی وجہ سے ہر بچہ اور بوڑھا اس کی دل سے عزت کرتا تھا۔ مگر اس زمانے کے عرب بادشاہ نوفل کو حاتم کی نیک نامی اور شہرت بہت ناگوار گذرتی تھی۔ حاتم کی طرف سے اُس کے دل میں خواہ مخواہ حسد پیدا ہوگیا تھا وہ حاتم کو زک پہنچانے اور نیچا دکھانے کی ترکیبیں سوچتا رہتا تھا۔ آخر ایک دن اُسکے دل کی جلن اتنی بڑھی کہ اس سے نہ رہا گیا اور لڑائی کی تیاریاں کرنے لگا۔ حاتم کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے سوچا کہ اگر میں بادشاہ کا مقابلہ کرونگا تو اس میں میری وجہ سے دونوں طرف کے بہت سے سپاہی زخمی ہوں گے بہت سے مارے جائیں گے۔ بہت سامان و اسباب ضائع ہوگا اس سے تو بہتر یہ ہے کہ میں ہی کہیں نکل جاؤں۔ یہ سوچ کر حاتم ایک پہاڑی کی کھوہ میں جا چھپا۔ بادشاہ حاتم کے مکان پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ حاتم غائب ہے۔ اس نے حاتم کی ساری جائداد اپنے قبضہ میں کر لی اور منادی کرادی کہ جو شخص حاتم کو زندہ گرفتار کرلائے اُس کو پانسو اشرفی انعام دیا جائے گا۔ یہ خبر

آنا فاناً پھیل گئی اور تمام لوگوں نے انعام
کے لالچ میں حاتم کا پتہ لگانا شروع کیا بہت
دوڑ دھوپ کی، تمام شہر چھان مارا، ارد
گرد کے تمام دیہات کے چپے چپے میں گھومے
مگر کسی کو بھی اس کا پتہ نہ ملا. ایک دن ایک
بوڑھا اپنے بیوی بچوں کے ساتھ اس جنگل
میں لکڑی چننے کے لئے آیا۔ لکڑیاں چنتے
چنتے وہ لوگ اس کھوہ کے قریب پہنچ گئے۔
جہاں حاتم چھپا تھا. بڑھیا نے بوڑھے سے
کہا کہ "اگر حاتم ہمارے ہاتھ آجائے تو کیا اچھا
ہو، ہماری زندگی چین سے گذر جائے.
روزانہ کی اس مصیبت سے بچ جائیں"
بوڑھے نے خفا ہو کر کہا "اپنا کام تو کرتی
نہیں خواہ مخواہ کی باتیں بناتی ہے اس خیالی
پلاؤ سے کیا فائدہ ہمارے نصیب کہاں کہ
حاتم مل جائے ہماری تقدیر میں تو یہ ہی
بدا ہے کہ لکڑیاں چن کر بیچا کریں اور ایک
دن کوئی جنگلی جانور ہمارا خاتمہ کر دے"
بڑھیا یہ سُن کر خاموش ہو گئی اور اپنے
کام میں مصروف ہو گئی۔

حاتم کا دل اُن کی تمام باتیں
سُن کر پسیج گیا اور دل ہی دل میں کہنے لگا
اگر میں اپنے آپ کو ان کے حوالے کر دوں
تو ان غریبوں کی زندگی سدھر جائے گی
حاتم کی فیاضی اور سخاوت اس وقت
جوش میں آئی اور اس نے فوراً باہر نکل
کر بوڑھے سے کہا "بڑے میاں حاتم میں
ہی ہوں تم مجھے نوفل کے پاس لے چلو"
بوڑھے نے حاتم کو فوراً پہچان لیا اور جواب
میں کہا "اس میں کوئی شک نہیں کہ اس
صورت سے میں مالا مال ہو جاؤں گا لیکن
کیا معلوم بادشاہ تیرے ساتھ کیا سلوک کرے
ممکن ہے تجھے مار ہی ڈالے اور جو دولت
مجھے ملے گی اُس سے میں کتنے دنوں تک
کھاؤں گا کچھ دنوں کے بعد آخر جب مر جاؤں گا
تو خدا کو کیا جواب دوں گا" غرض بوڑھے
نے صاف انکار کر دیا حاتم نے بہتیرا سر
مارا بہت خوشامدیں کیں لیکن کسی صورت
سے وہ تیار نہیں ہوا بالآخر مجبور ہو کر حاتم
نے کہا "کہ تم مجھے کسی طرح نہیں لیجاتے تو
میں خود بادشاہ کے پاس جاتا ہوں اس
سے کہونگا کہ اس بوڑھے نے مجھے اس

پہاڑی کے قریب چھپا رکھا تھا، اس پر بوڑھا
ہنسا اور کہنے لگا "کیا بھلائی کے بدلے برائی
ملے گی۔

باقی

تین ساتھی

رئیس احمد صاحب جعفری ندوی

نیشا پور کے ایک بڑے مدرسہ میں طلبہ٭
پڑھ رہے ہیں، استاد پڑھا رہے ہیں، ہر
آدمی اپنے اپنے کام میں لگا ہوا ہے، کسی
کو کسی سے کوئی مطلب نہیں،
ایک کونہ میں تین طالب علم بیٹھے ہوئے
گپیں کر رہے ہیں، باتیں کرتے کرتے ایک
طالب علم نے کہا، "آؤ بھائیو! آپس میں ایک
بات پہ ہم سب قسم کھائیں" دوسرے نے
پوچھا وہ کیا؟ "پہلے کہو تو پھر قسم کھلاتے رہنا۔"
پہلا طالب علم بولا "قسم اس بات پہ
کھائیں کہ جب ہم لوگ پڑھ لکھ کے قابل ہو جائیں
اور کسی اچھی جگہ پر ملازم ہوں، تو ہم میں سے
جو پہلے نوکر ہو وہ اپنے دوسرے دونوں
دوستوں کا خیال رکھے، اور ہر قسم کی مدد
کرے"۔
تینوں ایک دم سے چلا اٹھے "واہ
بھائی واہ کیا اچھی بات بتائی ہے"۔
اس کے بعد تینوں نے قسم کھائی کہ ہم
لوگ ہمیشہ اپنی قسم کا خیال رکھیں گے، اور
ہم میں سے جو بھی پہلے نوکر ہو گا وہ دوسرے
کی ہر قسم کی مدد کرے گا۔

بہت دن ہو گئے۔ سلجوقی حکومت کے
وزیر اعظم، نظام الملک طوسی کا ہر جگہ شہرہ
ہے۔ اس کی قابلیت، اس کے اخلاق، اور
اس کی شرافت کے سب لوگ گن گاتے ہیں
یہ نظام الملک وہی طالب علم ہے جو نیشاپور
میں پڑھتا تھا، اور اپنے دوسرے دوستوں
کے ساتھ اس کی قسم کھائی تھی کہ ہم ایک
دوسرے کا بہت بہت خیال رکھیں گے اب
اسے اپنے دوسرے ساتھیوں کی فکر ہوئی
تو معلوم ہوا کہ ایک ساتھی تو بہت بڑا شاعر
اور فلسفی ہے، عمر خیام کے نام سے مشہور ہے
اور بڑا قابل ہے، اس نے اپنے اس دوست

٭ - طالب علم کی جمع

کی فکر کی اور ایک اچھا عہدہ دلوادیا، لیکن خیام کا نوکری میں جی نہیں لگا اور وہ الگ ہوگیا، پھر بھی نظام الملک طرح طرح سے اس کی مدد کیا کرتا تھا۔

تیسرا دوست حسن بن صباح کے نام سے مشہور ہوا، نظام الملک نے اس سے بھی اچھا برتاؤ کرنا چاہا، مگر وہ دوسری ہی فکر میں تھا، اس نے ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈالی، اور اب وہ فرقۂ باطنیہ کے نام سے مشہور ہے، حسن بن صباح بڑے اچھے دل ودماغ کا مالک تھا اس نے دنیا میں ایک جنت بنوائی تھی، بے ہوش کر کے لوگوں کو اس کی ایک جھلک دکھا دیتا تو آدمی وہاں جنت کی ایسی باتیں پاتا، حور بھی، اور شراب بھی، غرض سب ہی کچھ بیہوشی کے بعد جب آدمی ہوش میں آتا تو حسن بن صباح کہتا اگر تم جنت میں جانا چاہتے ہو تو ہمارے مذہب پر شہید ہوجاؤ جنت پا جاؤگے، بس آدمی فوراً مرنے مارنے پر تیار ہوجاتا اور جو کچھ حسن بن صباح کہتا وہ کر گذرتا، یہ لوگ "فدائی" کہلاتے تھے، بڑے نڈر لوگ تھے، نہ معلوم کتنے آدمیوں کو قتل کردیا، خود نظام الملک تک ان کے حملہ سے بچ نہ سکا۔

کتنے عجیب دوست تھے؟ ہر شخص ایک بڑا آدمی ہوا، اور دنیا کی تاریخ میں یہ لوگ ایسے ایسے کام کرگئے، کہ آج تک زندہ ہیں، ہر پڑھا لکھا آدمی ان کے نام اور ان کے کام کو خوب جانتا ہے۔

وطن کی محبت

حافظ حبیب الحسن صاحب

انسان تو انسان، وطن کی محبت جانوروں تک کے دل میں ہوتی ہے۔ وہ بھی اپنے وطن کی بھلائی کا خیال رکھتے اور اس کی محبت میں بڑی بڑی تکلیفیں اٹھاتے ہیں۔ ایک بار حضرت سلیمان علیہ السلام نے، جو انسان و حیوان، جن و پری، ہوا اور پانی، غرض سب دنیا کے بادشاہ تھے، ایک طوطی

خریدی جو بہت خوبصورت اور بہترین بولنے والی تھی، آپ نے اس کو ایک سونے کے پنجرے میں رکھا اور اس کے عیش و آرام کے لئے جسقدر چیزوں کی ضرورت تھی سب مہیا کیں۔ اور کوئی بات ایسی نہ ہونے دی جس سے طوطی کو تکلیف پہنچے۔ طوطی کی آواز اور اس کا گانا اتنا پیارا تھا کہ حضرت سلیمان کو اس سے بہت محبت ہو گئی، یہاں تک کہ انہیں اس کا اپنی نظروں سے دور ہونا تھوڑی دیر کے لئے بھی گوارا نہ تھا۔

کچھ عرصہ بعد طوطی نے حضرت سلیمان سے عرض کیا کہ "اگر اجازت ہو تو میں اپنا گھر بار دیکھ آؤں۔ اور بال بچوں سے مل آؤں۔" آپ نے فرمایا "اے میرا دل بہلانے والی طوطی! میں تجھے کس اُمید پر رہا کر سکتا ہوں جب کہ تیری طوطا چشمی (بے مروتی) مشہور ہے اور دنیا جانتی ہے کہ تیرے دل میں کسی کی ذرہ برابر بھی محبت نہیں۔ تیرا کیا اعتبار میرے رہا کر دینے پر ممکن ہے تو واپس نہ آئے"۔ یہ سُن کر طوطی نے عرض کیا کہ "حضور آپ خدا کے پیغمبر ہیں، جن و انسان اور دنیا کی ہر چیز آپ کے تابع ہے، آپ جس وقت چاہیں مجھے طلب فرما سکتے ہیں، میری کیا مجال کہ حضور کو دھوکہ دوں اور وعدہ خلافی کروں"۔

الغرض طوطی کو پنجرے سے چھوڑ دیا۔ اور وہ خوش خوش ایک طرف کو روانہ ہو گئی۔ حضرت سلیمانؑ نے کچھ لوگوں کو حکم دیا کہ اس طوطی کے پیچھے پیچھے جاؤ اور ہمیں خبر دو کہ اس کا وطن کیسا ہے؟ اور وہاں کیا خوبی اور آرام کی بات ہے کہ یہ میرا ملک اور شاہی محل کا لطف و عیش چھوڑ کر گئی ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد لوگوں نے واپس آکر بیان کیا کہ "ایک بیابان جنگل میں، جہاں کوسوں تک سوائے کریجوے کے درختوں اور گوکھرو کے کانٹوں کے، ہری گھاس تک کا پتہ نہیں، ایک نہایت ہی خراب جگہ ہے جس کے ارد گرد ریت کے اونچے اونچے ٹیلے ہیں، چاروں طرف سے بدبو آرہی ہے۔ بہت سے جھاڑ اور کیکر کے درختوں کے جھنڈ ہیں، انھیں میں سے ایک درخت پر جس میں پتوں اور ہری شاخوں کا، نام و نشان نہیں اس طوطی کا گھونسلہ ہے جس وقت یہ ہاں

پہنچی، خوش ہو کر چہچہانے لگی، اس کی آواز
سے سارا جنگل گونج اٹھا۔ خوشی کے جوش
سے ناچنے لگی اور ایسی خوش ہوئی کہ یہاں
باوجود ہر طرح کے عیش و نعمت کے، ہم نے
اُسکو کبھی شاد و آباد نہیں دیکھا۔"

عقلمند مچھیرا

(جیوادا)

ایک بادشاہ کو مچھلی بہت بھاتی تھی، ایک
دن ایک مچھیرا ایک مچھلی جو بڑی خوبصورت
اور خوش رنگ تھی۔ تحفہ کے طور پر لایا۔ اور
بادشاہ کے حضور میں پیش کی۔ بادشاہ اس
مچھلی کو دیکھ کر بہت ہی خوش ہوا اور حکم دیا
کہ اس مچھیرے کو چار ہزار روپے انعام دیا
جائے۔ بادشاہ بیگم نے جو بادشاہ کے پاس
بیٹھی تھی یہ حکم سن کر کہا "اے بادشاہ۔ آئندہ
اگر تم نے اپنے کسی امیر یا وزیر کو چار ہزار
یا اس سے کم انعام دیا تو وہ ضرور سمجھے گا
کہ میری ایک مچھیرے کی برابر عزت کی۔ اور مجھ
حقیر جانا اور اگر زیادہ انعام دیا جائے گا
تو خزانہ خالی ہو جائے گا۔ بادشاہ نے کہا
"تم نے بات تو ٹھیک کہی مگر بادشاہ جب انعام
کا حکم دیدیتا ہے تو اسکو منسوخ کرنا اُس کی شان
کے خلاف ہوتا ہے"۔ بیگم بولیں "میں ایک حیلہ
بتاؤں۔ اس مچھیرے کو بلا کر یہ دریافت
کیا جائے کہ یہ مچھلی نر ہے یا مادہ۔ اگر وہ
نر بتائے تو اس کی مادہ منگالی جائے اور
مادہ بتائے تو نر کی خواہش کیجائے۔ بادشاہ
نے اس تدبیر کو پسند کیا اور مچھیرے کو بلا کر
اس مچھلی کا نر یا مادہ ہونا دریافت کیا۔ مچھیرا
بہت ہوشیار اور سمجھدار تھا اس نے سنتے ہی
بیساختہ عرض کیا کہ جہاں پناہ یہ مچھلی نر ہے
نہ مادہ یہ تو ہیجڑا ہے"۔ بادشاہ اس کا جواب
سُن کر ہنسا اور حکم دیا کہ اس کو چار ہزار روپیہ
اور بطور انعام حاضر جوابی دئے جائیں۔
مچھیرے نے آٹھ ہزار کا انعام خزانچی سے
وصول کیا اور اپنے تھیلے میں بھر کر کمر پر
اُٹھا چل دیا۔ دربار کے آنگن میں اتفاق
سے ایک روپیہ اس کے تھیلے سے نکل کر
زمین پر گرا۔ اس روپیہ کے ایک طرف تو

بادشاہ کا چہرہ تھا اور دوسری جانب بادشاہ
کا نام لکھا ہوا تھا۔

مچھیرا روپیہ کے بوجھ سے دبا تھا جھک
کر تو اس ایک روپیہ کو اُٹھا نہ سکا اس نے
بڑی مشکل سے روپیوں کا تھیلا کمر سے
اُتار کر زمین پر رکھا اور اس ایک روپیہ
کو اُٹھا کر پہلے تو جھکارا اور پھر تھیلے میں ڈال
بدقت تمام اُس کو اُٹھا کر چلا۔ بادشاہ اور
بادشاہ بیگم اس کی یہ حرکتیں دیکھ رہے تھے
بیگم نے کہا بادشاہ سلامت دیکھو یہ مچھیرا کیسا
بخیل اور کمینہ ہے ایک روپیہ کے اُٹھانے
کے لئے اس نے کتنی مصیبت جھیلی۔ اگر اس
کو نہ اُٹھاتا، اور چھوڑ جاتا تو تمہارے خدمت
گاروں میں سے کسی کے کام آتا۔ مگر اس
کنجوس مکھی چوس کو یہ گوارا نہ ہوا۔

بادشاہ کو بھی مچھیرے کی یہ حرکت
ناگوار ہوئی اور اس کو بلا کر ملامت کی
تو بہت کمینہ اور کنجوس ہے۔ تجھے یہ گوارا
نہ ہوا کہ ہمارے صدقے میں اس ایک روپے
کو ہمارے خدمت گاروں کے لئے چھوڑ جاتا۔"
مچھیرے نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا کہ جہاں پناہ میں
نے کنجوسی کی وجہ سے اس روپیہ کو نہیں
اُٹھایا۔ بلکہ میں اس گستاخی کے خیال سے ڈرا
کہ مبادا اس روپیہ پر جس کے ایک طرف
بادشاہ کا چہرہ مبارک ہے اور دوسری طرف
نام مقدس غلطی سے کسی کا پیر نہ پڑ جائے
اور میں دانستہ خطا کرنے سے، اور دوسرا
شخص اپنی غفلت کی وجہ سے۔ قابل ملامت
ہو۔

یہ وجہ بادشاہ کو بہت بھائی اور حکم
دیا کہ چار ہزار روپے اس کو اور دئے
جائیں اور ہمارے نوکر اس روپیہ کو اس
کے گھر پہنچا آئیں۔" اور اپنی بیگم سے فرمایا
کہ تمہاری صلاح ماننے سے ایک کی جگہ
دو اور کا نقصان اُٹھانا پڑا۔

سیپ میں موتی کیسے بنتا ہے؟

محمد یوسف صاحب متعلم جامعہ

سیپ بڑا مکروہ جانور ہے اس کے سخت
اور بدنما ڈھکنے کو دیکھ کر بڑی کراہت آتی

ہے باوجود اس کے اندر ایک ایسی قیمتی چیز چھپی ہوئی ہے جس کی وجہ سے سب اس کی تلاش میں سمندروں میں مارے مارے پھرتے ہیں۔ تم سمجھ گئے ہوگے کہ یہ قیمتی چیز کیا ہے۔ یہ چمک دار اور خوب صورت موتی ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ موتی سیپ میں بن کیسے جاتا ہے۔ حقیقت میں یہ خدا کی قدرت کا ایک عجیب کرشمہ ہے۔ جب سیپ چھوٹی ہوتی ہے اور اس کے اوپر کوئی سخت ڈھکن ہوتا ہے تو یہ سمندر میں اوپر ہی اوپر تیرا کرتی ہے لیکن جب اس کا ڈھکن پیدا ہو جاتا ہے اور آہستہ آہستہ بڑھنا شروع ہوتا ہے تو سیپ بھی بھاری ہوتی جاتی ہے آخر ایک دن وہ تیرنے سے بالکل معذور ہو جاتی ہے اور اسے مجبوراً تہ میں ڈوب جانا پڑتا ہے۔ وہ وہاں یا تو کسی چٹان یا کسی اور چیز سے چمٹ جاتی ہے اور اپنا ڈھکن کھولے رہتی ہے تاکہ سمندر کا پانی جس میں ایک چیز ایسی ہوتی ہے جو اس کے بدن کو موٹا اور بڑا بناتی ہے، داخل ہو سکے۔ اس طرح سیپ اپنی زندگی نہایت آرام کے ساتھ گزارتی ہے۔

سیپ کے ڈھکن میں سے چونکہ پانی اندر جاتا ہے اور بعض مرتبہ پانی کے ساتھ وہ چیز بھی چلی جاتی ہے جو اُس کی مصیبت کا سبب بن جاتی ہے یعنی بالو کے چھوٹے سے ذرے کی طرح کی کوئی چیز اس کے ڈھکن کے اندر داخل ہو جاتی ہے اور وہ سیپ کے بدن کو دباتی ہے، شاید یہ کسی مچھلی کا انڈا یا اسی قسم کی کوئی چیز ہوتی ہے اس مصیبت سے نجات پانے کے لئے سیپ بے چاری ہزاروں کوششیں کرتی ہے لیکن بیکار، اسے وہ باہر نہیں نکال سکتی۔ آخر مجبور ہو کر اپنا ڈھکنا اور چکنا بنانا شروع کرتی ہے۔

تیسری چیز ایک قسم کا لعاب ہے جو اس کے بدن سے نکلتا ہے یہ لعاب اس ذرہ کے آس پاس برابر جمع ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ ذرہ کو بالکل ڈھانک لیتا ہے۔ ساتھ ساتھ اس میں سختی آتی جاتی ہے اسی زمانہ میں یہ ذرہ موتی کی شکل اختیار کرنے لگتا ہے اور جوں جوں موتی پر لعاب کی تہیں جمتی اور سخت ہوتی ہیں اُسی قدر موتی بڑا اور صاف ہوتا جاتا ہے اس قسم کے

موتی عورتوں کے زیورات میں استعمال ہوتے ہیں۔

بہترین موتیوں والے سیپ اسٹریلیا بورنیو۔ جزائر فلپائن اور سیلون کے سمندری ساحل کے مختلف حصوں میں پائے جاتے ہیں۔ ان کے بہادر غوطہ خور نکال لاتے ہیں۔ غوطہ خور خاص کر ان سیپوں کو پکڑنے کی زیادہ کوشش کرتے ہیں جن کا ڈھکن کھلا رہتا ہے وجہ یہ ہے کہ وہ سیپ میں کوئی ایسی چیز ڈال دیتے ہیں کہ اس پر بھی موتی کا سا رنگ چڑھ جائے۔

اکبر کی دلاوری

محمد حسین صاحب محوی

اکبر بادشاہ اپنی خوبیوں کی وجہ سے ہندوستان میں مشہور ہے۔ اس کی طبیعت میں بچپن سے بلا کی دلیری تھی۔ وہ کسی چیز سے ڈرتا نہ تھا۔ اور اپنی جان جوکھوں میں ڈال دیتا تھا۔

اس کو بچپن سے ہاتھیوں کا بہت شوق تھا جب یہ پندرہ برس کا تھا، ایک روز ایسا اتفاق پیش آیا کہ اس کا ایک پیارا ہاتھی مستی کی حالت میں چھوٹ گیا۔ اور بازاروں میں گھومنے لگا۔ شہر میں کہرام مچ گیا۔ اکبر کو خبر پہنچی تو سنتے ہی قلعہ سے نکلا اور پتہ لیتا ہوا ہاتھی کی تلاش میں چلا، ایک بازار میں غل سنا کہ "وہ آتا ہے" اور خلقت بھاگی چلی جاتی ہے، اکبر ادہر ادہر دیکھ کر ایک کوٹھے پر چڑھ گیا۔ اور اس کے چھجے پر آکر کھڑا ہوا۔ جوں ہی ہاتھی برابر آیا، یہ جھپٹ کر اس کی گردن پر تھا۔ دیکھنے والے بے اختیار چلائے کہ "آہا ہا! دیو قابو میں آگیا اور اکبر کی بہادری کو سب نے مان لیا۔

اطلاع

براہ کرم خط و کتابت کے وقت نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیجئے ورنہ جواب میں دقت ہوتی ہے۔ اور آپ کے حکم کی تعمیل نہیں ہو سکتی۔

(منیجر)

سلہ سمندر کی تہ میں ڈوب کر سیپ نکالنے والے

اچھا بچہ

از محوی صدیقی لکھنوی (مدراس)

بڑا اچھا بچہ ہے ذاکر حسین نہیں بے پڑھے اُسکو آتا ہے چین
وہ جاتا ہے ہر روز پڑھنے ضرور نہیں اُس کے پڑھنے میں آتا فتور
سبق اپنا ہر روز کرتا ہے یاد بہت اُس سے ہیں ماسٹر اس کے شاد
کبھی پڑھنے سے جی چراتا نہیں کبھی مار پڑھنے پہ کھاتا نہیں
اُسے رہتی ہے رات دن دھن یہی نہ ہو ہرج پڑھنے کا اک روز بھی
وہ پڑھتا بھی ہے اور لکھتا بھی ہے پسند اس کو ہے بس یہی ایک شے
جو اسکول میں یاد ہوتا نہیں سویرے وہ اُس روز سوتا نہیں
سبق یاد کرتا ہے وہ رات کو کہ شرمندگی مدرسے میں نہ ہو
حساب اور اُردو میں ہوشیار ہے سنو تو سنانے کو تیار ہے
جو آتا ہے اسکول سے شام کو تو پھر کھیلتا ہے کہ تفریح ہو
بہت کھیل میں وقت کھوتا نہیں کبھی فیل پڑھنے میں ہوتا نہیں
نہ وہ کھیلتا خاک اور دھول میں نہ کرتا شرارت وہ اسکول میں
نہ گھر میں کسی سے جھگڑتا ہے وہ نہ مکتب کے لڑکوں سے لڑتا ہے وہ
نہ کوئی محلے میں اُس سے خفا نہ مکتب میں اُس کا کسی کو گلا
جو ہیں ہم سبق اُسکے اسکول میں وہ رہتے ہیں خوش اُس سے اسکول میں

۱ خرابی، بگاڑ۔ ۲ خوش۔ ۳ جھینپ۔ ۴ جی خوش ہو ۵ شکایت۔

پیام تعلیم

جو محمود اُس کا ہے ایک چھوٹا بھائی — نہیں اُس سے ذاکر کی ہوتی لڑائی

ہے حامد کو اُس سے محبت بہت — وہ بھائی سے کرتا ہے اُلفت بہت

وہ رکھتا ہے اُسکو بہت ہی عزیز — سکھاتا ہے اُس کو سلیقہ تمیز

جو جاتا کہیں ہے اگر سیر کو — تو کہتا ہے محمود بھی ساتھ ہو

کسی سے بھی کرتا نہیں وہ بدی — جبھی تو اُسے چاہتے ہیں سبھی

اسی سے تو ہر اک کو پیارا ہے وہ — کہ گھر بھر میں سب کا دلارا ہے وہ

یوں ہی تم بھی کرتے رہو نیک کام — کہ اسکول اور گھر میں ہو نیک نام

بڑا اچھا بچہ ہے ذاکر حسین

ے پیارا۔
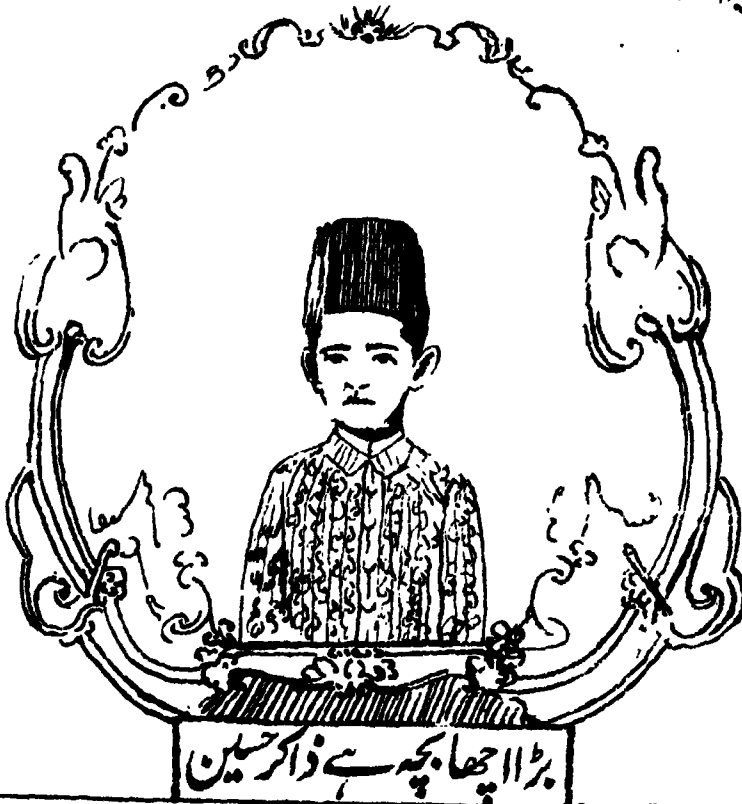
شرائط داخلہ

محمد علی رننگ کپ

جامعہ ملیہ اسلامیہ - دہلی

شرائط داخلہ تقریری اور تحریری انعامی مقابلہ

«محمد علی رننگ کپ» کو حاصل کرنے کا مدار زیادہ تر ذیل کی شرائط کو پورا کرنے پر ہوگا۔

۱۔ معیار کے اعتبار سے، اس تقریری اور تحریری انعامی مقابلہ کی دوجداگانہ حیثیتیں ہوں گی۔ جن میں حسب استعداد ذیل کے دو مختلف معیاروں کے طلبہ حصہ لے سکیں گے۔

الف جماعت سوم تک کے طلبہ۔

ب ۔ جماعت ہشتم تک کے طلبہ۔

اسی بنا پر اس مقابلہ میں صرف تین ایسے طلبہ کو بھیجا جائے جن میں سے ایک «سوم» تک کے طلبہ میں سے ہو اور باقی دو ہشتم تک کے طلبہ میں سے۔ مؤخرالذکر دو طلبہ میں سے ایک تو محض «تقریر» میں حصہ لے سکتا ہے اور دوسرا صرف «تحریر» میں۔

۲۔ مقابلہ کا پروگرام زیادہ تر ذیل کے عنوانات پر مشتمل ہوگا:

الف۔ "ہشتم" تک کے طلبہ کے لئے:

تقریر:

الف۔ کسی مجوزہ مضمون پر جس کی اطلاع کم از کم تین ہفتہ پیشتر کی جائے گی «موافقت یا مخالفت» میں زیادہ سے زیادہ دس منٹ تک تقریر کرنا۔

ب۔ کسی مجوزہ مضمون پر جس کی اطلاع ہر مقرر کو وقت مقررہ سے صرف دس منٹ پیشتر دی جائے گی فی البدیہ تقریر کرنا۔
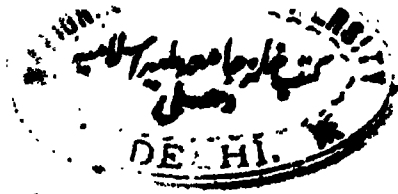
تحریر:

الف۔ کسی مجوزہ مضمون پر جس کی اطلاع تین ہفتہ پیشتر کی جائے گی کم از کم پچاس (۵۰) سطروں کا مضمون واسطین قلم سے، بغیر لکیروں کے کاغذ پر، مقررہ وقت میں اور مقررہ جگہ پر لکھنا۔

ب۔ کسی مجوزہ مضمون پر جس کی اطلاع ہر مضمون نگار کو وقت مقررہ پر دے دی جائے گی فی البدیہہ مضمون لکھنا۔

ب۔ صرف "سوم" تک کے طلبہ کے لئے۔

مشاہدہ کا واضح بیان۔ ۔ کم از کم تین ہفتے پیشتر ان عنوانات کی اطلاع دی جائے گی جن میں سے کسی ایک کی تصویر کو آویزاں کرکے طالب علم سے کچھ کہلوانا مقصود ہوگا۔

۳۔ شرط "۲" کے تحت ہر عنوان میں "اول" آنے والے طلبہ میں سے ہر ایک کو طلائی تمغہ (گولڈ پلیٹڈ) اور "دوم" آنے والے طلبہ میں سے ہر ایک کو چاندی کا تمغہ دیا جائے گا۔ تمغوں پر پانے والوں کے ناموں اور انعام کے سن کو کندہ کرادیا جائے گا۔ ان دو تمغوں کے علاوہ بعض خاص صورتوں میں تیسرا تمغہ (چاندی) بھی دیا جائے گا۔

۴۔ صرف وہ مدرسہ مذکور "رننگ کپ" کو جیتنے کا مستحق ہوگا جو مقررہ ججوں کے فیصلہ کے بموجب، بحثیت مجموعی، زیادہ سے زیادہ نمبر حاصل کرے گا۔

۵۔ جو مدرسہ اس "رننگ کپ" کو جیتے گا، وہ اس کو "گیارہ ماہ" تک رکھے گا بعد ازاں تعلیمی مرکز ۱ جامعہ ملیہ اسلامیہ کو واپس کردے گا۔

۶۔ تمام داخلہ کے فارم باقاعدہ اندراجات کے بعد نگراں تعلیمی مرکز ۱ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے پتہ سے اس انعامی مقابلہ کی تاریخ مقررہ سے کم از کم ایک ہفتہ پیشتر بھیجدئے جائیں۔

نوٹ:— مقابلے سال میں ایک دفع بالعموم جنوری کے آخر ہفتے میں ہوا کرینگے اس ضمن میں جملہ خط و کتابت نگران مدرسہ تعلیمی مرکز ۱ جامعہ ملیہ اسلامیہ ۔ قرول باغ دھلی سے کی جائے۔

طابع و ناشر ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم اے ۔ پی ایچ ۔ ڈی ۔
مطبوعہ جامعہ برقی پریس دھلی۔

پیامِ تعلیم دہلی

جلد ۱۴ نمبر ۳

جامعہ ملیہ اسلامیہ کا پندرہ روزہ تعلیمی رسالہ

۷ فروری سنہ ۳۳ء

فہرست مضامین

Jamia Press

ایڈیٹر — سعید انصاری

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۹۶۱

چندہ سالانہ ۲ روپیہ ۸ آنے

دو دو باتیں

پچھلے چند نمبروں سے پیام تعلیم کے صفحوں اور نمبر شمار وغیرہ میں غلطی ہو رہی ہے خصوصاً ۷ر جنوری کے پرچہ میں بہت بڑی غلطی ہو گئی نئی جلد کے ساتھ صفحوں کے نئے نمبر شروع نہیں کیے گئے بلکہ پچھلے سال کا سلسلہ باقی رہ گیا۔ بچے اب اپنے اپنے پرچوں کے صفحوں پر ایک سے ۱۶ تک نمبر ڈال لیں ۲۱ر جنوری کے پرچہ میں نئی ترتیب کے مطابق ۱۷ر سے ۳۲ تک نمبر ڈال دیئے گئے ہیں

اس پرچہ میں "چاند اور بچہ" کی سرخی سے ایک بڑی پیاری نظم چھپ رہی ہے۔ یہ نظم ہمارے محترم مولانا محمد حسین صاحب محوی صدیقی لکھنوی لکچرار مدراس یونیورسٹی نے خاص پیام تعلیم کے لئے لکھی ہے۔ مولانا کی دو اور نظمیں پیام تعلیم میں "عقل" اور "اچھا بچہ" کی سرخیوں سے نکل چکی ہیں۔ پیام تعلیم کے پڑھنے والے بھائیوں نے انھیں ضرور پسند کیا ہوگا ہمیں امید ہے کہ یہ نظم بھی خاص طور پر پسند آئے گی۔ اور وہ اسے مزے لے لے کے پڑھیں گے۔

ہمارے مولانا کو پیام تعلیم سے خاص محبت ہے اور انھوں نے وعدہ کیا ہے کہ وہ ایسی اچھی نظمیں برابر پیام کے لئے لکھتے رہیں گے

کئی پچھلے پرچہ میں ہم نے پیام تعلیم پڑھنے والے بھائیوں کو اس پرچہ کے لئے مضمون لکھنے کی طرف توجہ دلائی تھی۔ خوشی کی بات ہے کہ پیام بھائیوں نے ہماری باتوں کی طرف دھیان دینا شروع کر دیا ہے۔ اور مضمون آنے لگے ہیں۔ مگر ابھی انھوں نے اتنی توجہ نہیں کی ہے جتنی ہمیں امید تھی۔ ہم چاہتے ہیں کہ پیام تعلیم میں بچوں کے مضمون زیادہ چھپیں۔ اس لئے کہ یہ انھیں کا پرچہ ہے اور انھیں کو اسے کامیاب بنانے میں زیادہ سے زیادہ دلچسپی لینی چاہیے

آنحضرتؐ

(مولانا سعد الدین صاحب انصاری استاد جامعہ)

حضور کی عمر ابھی چند سال کی تھی کہ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ دنیا سے کوچ کر گئیں۔ اور آپ کے دادا عبد المطلب نے آپ کو اپنی پرورش میں لے لیا۔ عبد المطلب آپ کو اپنی اولاد سے بھی زیادہ چاہتے، اور بڑی عزت کرتے، اس لئے کہ وہ آپ کو صاف ستھرا، باادب، اور بہت اچھا دیکھتے تھے۔ جب کھانے کے لئے چلتے تو پکارتے کہ "محمد کو بلاؤ" جب آپ آجاتے تو اپنے پاس بٹھاتے اور اکثر اپنی ران پر بٹھاتے اور اچھے سے اچھا کھلاتے۔

دادا کی نگاہوں میں آپ اتنے محبوب اور پیارے تھے کہ اپنی ایک خاص بیٹھنے کی جگہ پر جہاں اور کوئی نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ وہ آپ کو اپنے پاس بٹھاتے۔ ایک مرتبہ وہ اپنی اسی خاص جگہ نہایت قیمتی فرش پر تشریف رکھتے تھے۔ قریش کے بڑے بڑے سردار فرش کو چھوڑ کر کنارے بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں حضور آ گئے اور اس فرش پر بیٹھ گئے۔ آپ اس وقت بہت بچے تھے۔ ایک آدمی نے فوراً آپ کو کھینچ لیا آپ رو دیئے۔ دادا کی نظر اس طرف نہ تھی۔ فوراً نظر کر کے بولے "میرے بچہ کو کیا ہوا! کیوں رو رہا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ یہ فرش پر بیٹھنا چاہتا تھا اس لئے روک دیا۔ عبد المطلب نے کہا: "میرے لڑکے کو چھوڑ دو، وہ اس فرش پر بیٹھے گا۔ اس لئے کہ وہ اپنا رتبہ اپنے آپ سمجھ رہا ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ لڑکا وہ رتبہ حاصل کرے گا جو کسی عربی کو نہ پہلے ملا ہے اور نہ بعد میں ملے گا۔ اس کے بعد پھر کوئی آپ کی روک ٹوک نہ کرتا۔ خواہ عبد المطلب موجود ہوتے یا نہ موجود ہوتے۔

جب آپ کا سن شریف آٹھ سال کا ہوا تو آپ کے دادا نے بھی دنیا سے رحلت فرمائی۔ رحلت کے وقت اپنے لڑکے ابو طالب کو یہ وصیت کی کہ وہ نہایت توجہ اور محبت سے آپ کی پرورش اور تربیت کریں۔ اس لئے کہ یہ ان کے باپ کا نہایت پیارا پوتا ہے۔

ایک بادشاہ کی بہادری

(مولوی محمد حسین صاحب تموی صدیقی)

شیر کا مارنا اور شکار کرنا بڑی بہادری اور خطرہ کا کام ہے۔ مگر مراکش کے بادشاہ ابوالعنان کے نزدیک شیر کا مار ڈالنا کوئی کمال ہی نہ تھا۔ یہ بڑا بہادر بادشاہ تھا۔ ایک دفعہ ایک وادی میں اس کا لشکر ٹھیرا ہوا تھا۔ ایک زبردست شیر لشکر میں گھس آیا۔ بڑے بڑے بہادر سپاہی ڈر کے مارے اِدھر اُدھر چھپنے لگے اور سوار و پیادہ سب خوف کے مارے بھاگے بادشاہ کو یہ حال دیکھ کر سخت حیرت ہوئی۔ وہ بغیر کسی خوف و ہراس کے تن تنہا شیر کے مقابلہ کے لئے آگے آگیا اور شیر کی پیشانی پر اس زور سے نیزہ مارا کہ شیر منہ کے بل زمین پر گر پڑا اور جان دیدی۔ اس پر تمام لشکر میں دھوم مچ گئی۔

پیارے بچو! اگر کسی وقت کوئی مشکل پیش آجائے تو انسان کو بھاگنا اور گھبرانا نہ چاہئے۔ بلکہ نہایت استقلال سے اس کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ اس کا نام بہادری ہے اور یہی آدمی کے تمام خطروں کو دور کرتی ہے *

عجائب خانہ سمندر

(سید محمد عسکری صاحب)

جیلی فش :۔ سی اینمون ہی کی قسم کا ایک اور دریائی جانور ہوتا ہے۔ اس کو جیلی فش کہتے ہیں، اصولاً اس کا ذکر ان مچھلیوں کے بیان میں آنا چاہیے تھا جن میں فطرت نے روشنی کا انتظام کیا ہے۔ جیسے تم اپنے گھروں میں ارنڈی کے تیل کے، مٹی کے تیل کے، کول گیس کے یا بجلی کے چراغ روشن کرتے ہو کہ رات کے وقت اندھیرا نہ رہے۔ اسی طرح قدرت نے بعض جانوروں کو ہر قسم کے اندھیرے میں کام کرنے کے لئے ایسے ایسے چراغ مہیا کر دیئے ہیں۔ کہ جب چاہیں تاریکی میں روشنی پیدا کرلیں۔ انھیں میں جیلی فش بھی ہے۔ اندھیری رات میں دریا کے کنارے پانی میں غور سے دیکھو تو تمھیں چھوٹی چھوٹی روشن مشعلیں اِدھر سے اُدھر

اُدھر سے اِدھر آتی جاتی دکھائی دیں گی۔ کبھی سرخ روشنی نظر آئے گی، کبھی سبز، کبھی زرد کبھی چاندنی کی سی۔ ایسا معلوم ہوگا کہ ننھی ننھی پریاں، رنگ برنگ کی مشعلیں ہاتھوں میں لیئے پانی کے اندر کے محلوں میں چلتی پھرتی اور باغوں میں سیر کر رہی ہیں۔ کہانیوں کے جھوٹے پرستانوں کا ذکر چھوڑ دو۔ آؤ ان سچے پرستانوں کی سیر کرو۔ اور قدرت کے ان تماشوں کو دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کرو۔ ایک ایک چیز میں ایسی ایسی دلچسپیاں نظر آئیں گی جن پر پریوں کی ہزاروں دلفریبیاں نثار کر دی جائیں ×

اگر تم کو کسی باغ میں کوئی پری پھول پر بیٹھی ہوئی دکھائی دے تو تم ضرور کوشش کروگے کہ اس کے قریب جاؤ۔ اسے نزدیک سے دیکھو، اس سے بات چیت کرو، پوچھو کہ وہ ایک پھول سے دوسرے پھول پر کیوں پھدکتی پھرتی ہے۔ تمھارے قریب کیوں نہیں آتی۔ تمھارے ساتھ کیوں نہیں کھیلتی۔ مگر جب تم ان حقیقی ننھی ننھی سمندری ہستیوں کو دیکھتے ہو جو خوبی اور خوبصورتی میں پریوں سے ذرا بھی کم نہیں تو تم ان پر کیوں نہیں غور کرتے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ تمھیں جھوٹے قصے کہانیوں کے سننے اور انھیں یاد رکھنے کی اس قدر عادت ہو گئی ہے کہ تم اپنے اردگرد کی خوب صورت چیزوں کو بھی غور سے دیکھنا ہی نہیں چاہتے۔ تم میں سے جو لوگ سمندر کے کنارے رہتے بستے ہیں یا جنھیں کبھی سمندر کو نزدیک سے دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے انھوں نے جیلی فش کو ضرور دیکھا ہوگا۔ انگریزی زبان میں جیلی لعابدار نشاستے کی سی چیز کو کہتے ہیں اور فش کے معنی مچھلی کے ہیں، لہٰذا جیلی فش کے معنے لعاب دار نشاستے کی سی مچھلی کے ہوئے۔

ہم نے گذشتہ فصل میں بیان کیا ہے
کہ جب تم اسے پانی میں بہتا ہوا دیکھو گے
تو ایسا معلوم ہوگا کہ نشاستے کی بنی ہوئی
ایک طشتری پانی میں تیر رہی ہے -
جس کے بیچوں بیچ میں نشاستے کا ایک
گولا رکھا ہوا ہے۔ طشتری کے کنارے
سے سینکڑوں باریک باریک بال
ہر طرف پانی میں پھیلے ہوئے ہیں بعض
جیلی فش بہت بڑی ہوتی ہیں، چنانچہ
اسی قسم میں ایک ایسا بڑا دریائی جانور
ہوتا ہے کہ ہاتھی کو نہایت آسانی سے
شکار کرے۔ ان کا ذکر بھی آئندہ مناسب
مقام پر آئے گا۔ لیکن بعض جیلی فش ایسی
چھوٹی چھوٹی ہوتی ہیں کہ تم پندرہ پندرہ
بیس بیس اپنی مٹھی میں بند کرلو۔ مگر کہیں
اس کو ہاتھ لگانے کا ارادہ نہ کرنا۔ کیونکہ یہ
بڑی زہریلی ہوتی ہے۔ عموماً طشتری اور
چھوٹی چھوٹی رکابیوں کے ناپ کی جیلی فش
بکثرت سمندروں میں پائی جاتی ہیں +

چینی کہانی

(جناب بدر الدین صاحب چینی بی اے جامعہ)

(۶)

سب نے کدال اور پھاوڑے ہاتھ
میں لئے اور کھدائی کا کام شروع ہوگیا
بارہ بجے مشکل سے انھوں نے دو فٹ
کھودا ہوگا۔ مگر اب جو کدال پڑتی ہے
تو گونج کی آواز آتی ہے اور معلوم ہوتا ہے
کہ اب باہر کی طرف سوراخ ہوا چاہتا ہے
اس وقت کسی ناگہانی خطرے کے ڈر سے
چھوٹے لڑکوں کو حکم دیا گیا کہ غار کے باہر
چلے جائیں۔ دوفان، ویکے اور بازتا اپنے
اپنے ہتھیار لے کر تیار ہوگئے کہ دیوار ٹوٹنے
کے بعد کوئی جانور نکل آئے تو اس کا مقابلہ
کریں +

ٹن، ٹن، گھڑی نے دو بجائے اور
دوآن کی کدال ایک پتھر پر پڑی۔ پتھر
ایک طرف کو ہٹ گیا۔ اور ایک بڑا سا
سوراخ ہوگیا۔ جس میں سے دوسری طرف

ایک اور غار دکھائی دیتا تھا بس یہ دیکھتے ہی ووآن چلّا اٹھا۔ وہ لوگوں کو بلانے کے لئے باہر آنے کو تھا کہ دوسرے غار میں سے ایک جانور اچھلا اور سوراخ میں سے کود کر اس طرف آرہا۔ اس ناگہانی آفت سے سب کے حواس جاتے رہے۔ اور کھڑے کھڑے کانپنے لگے۔ پر جب ذرا گہری نگاہ ڈال کر دیکھا تو پتہ چلا کہ یہ تو فوخین ہے کوئی دوسرا جانور نہیں۔ اور سب کی جان میں جان آئی۔ فوخین کی پیاس سے بہت بری حالت تھی۔ بھاگا ہوا پانی کے برتن کے پاس گیا۔ پانی پی کر ذرا دم آیا تو دُم ہلاتا آہستہ آہستہ آن کے پاس آیا۔ لڑکوں نے اس کے جسم کو ادھر ادھر سے دیکھا کہ کہیں کوئی زخم تو نہیں آگیا ہے۔ مگر وہ بالکل اچھی حالت میں تھا۔

تھوڑی دیر بعد ووآن، بازتا، ویکے اور سوکو کو لے کر سوراخ کے راستے سے دوسری طرف گیا۔ اندھیرا بہت تھا اس لئے ہاتھوں میں موم بتیاں بھی تھیں انھیں معلوم ہوا کہ واقعی ہم ایک غار میں جا رہے ہیں۔ جس کی لمبائی چوڑائی پہلے غار کی برابر ہے۔ مگر بہت تلاش کرنے کے بعد بھی وہ یہ پتہ نہ چلا سکے کہ اس غار سے باہر کوئی راستہ ہے۔ انھیں تعجب تھا کہ آخر فوخین کس طرح اس میں داخل ہو گیا۔ چلتے چلتے دیکے نے کسی چیز سے ٹھوکر کھائی اور گر پڑا دوسرے لڑکوں نے جھک کر موم بتی کی روشنی میں دیکھا تو ایک بھیڑیا مرا پڑا تھا اور اور سارے جسم پر زخم ہی زخم تھے۔ ووآن نے کہا اسے فوخین ہی نے مارا ہوگا۔ پہلے شبہ تھا مگر اب ہمیں یقین ہو گیا۔ شاباش فوخین، شاباش! مگر یہ اندر کیسے آگئے؟ لڑکوں نے چاروں طرف نظر دوڑائی مگر کہیں راستہ نظر نہ آیا تب ووآن نے کہا "میں باہر جاتا ہوں تم سب یہیں رہو۔ میں زور سے چیخوں گا اور تم غور سے سننا کہ میری آواز کی گونج کہیں سے سنائی دیتی ہے یا نہیں" یہ کہہ کر وہ باہر چلا آیا۔ اور زور سے چلّایا۔ اندر کے لوگوں نے محسوس کیا کہ کہیں سے آواز سنائی دیتی ہے بہت غور سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ بالکل

زمین کے برابر ایک دیوار کے نیچے سوراخ سا ہے۔

" ٹھیک ہے، ٹھیک ہے"، لومڑی اور بھیڑیا دونوں اسی راستہ سے آئے ہونگے سب نے ایک زبان ہو کر کہا " اگر یہیں سے تھوڑا سا اور کھود دیا جائے تو دریا کے کنارے تک آنے جانے کا راستہ نکل آئے گا"

اس نئے غار کا پتہ چلنے کی سب کو بڑی خوشی تھی۔ انھوں نے تھوڑی سی اور محنت کرکے اس نالی کو جسے وہ ابھی تک کھود رہے تھے اور چوڑا کر دیا۔ اس طرح دونوں غاروں کے درمیان اچھا خاصہ رستہ بن گیا۔ اس راستہ کے ذریعہ گویا دونوں غار جوڑ دیئے گئے۔

اب انھوں نے اس غار کے کئی حصے کر دیئے۔ کہیں پڑھنے کا کمرہ بنایا کہیں کھانے کی جگہ بنائی۔ کہیں باورچی خانہ کہیں گودام، کہیں غسل خانہ اور کہیں سونے کی جگہ۔

اس طریقہ سے پیام بھائیو! یہ لڑکے اس سنسان اور ویران جزیرہ میں آباد ہوگئے اور ان غاروں کو اپنا گھر بنالیا اور بڑے آرام اور اطمینان کی زندگی بسر کرنے لگے۔

سیپ میں موتی کیسے بنتا ہے؟

(محمد یوسف صاحب متعلم جامعہ)

(۲)

سیپ کو سمندر کی تہ سے نکال لانا کوئی کھیل نہیں ہے۔ بڑے خطرے کا کام ہے اور وہی لوگ اس کام کو کر سکتے ہیں جنھوں نے اس کے سیکھنے میں برسیں گذار دی ہوں یہاں ہم آپ کو بتائیں گے کہ لوگ کس طرح

اپنی جانیں خطرہ میں ڈال کر سیپ نکالتے ہیں۔
سیلون اور ہندوستان وغیرہ میں ہر سال صرف مارچ اور اپریل میں سمندر سے سیپ نکالنے کی حکومت کی طرف سے اجازت ہوتی ہے۔
اس زمانے میں سیکڑوں کشتیاں غوطہ لگانے والوں کو لے کر ان مقامات کو جاتی ہیں جہاں سیپ بہت بڑی تعداد میں پائی جاتی ہے عام طور سے وہ سمندر کے کنارہ سے آدھی رات کو روانہ ہوتے ہیں۔ تاکہ صبح ہوتے ہوتے وہ ان جگہوں پر پہنچ جائیں۔ یہ کشتیاں اس مقام پر پہونچنے کے بعد اِدھر اُدھر پھیل جاتی ہیں اور اپنا کام شروع کر دیتی ہیں۔ سمندر میں گھستے وقت غوطہ لگانے والے سب سے پہلا کام یہ کرتے ہیں کہ اپنی ناک کے سوراخ سینگ کے دو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں سے جو خاص اسی لئے بنائے جاتے ہیں، بند کر لیتے ہیں تاکہ غوطہ لگاتے وقت ناک میں پانی نہ چلا جائے۔
پھر خوب مضبوط رسی میں ایک بھاری سا پتھر باندھا جاتا ہے۔ غوطہ لگانے والا اس پتھر کو پکڑ کر غوطہ لگاتا ہے۔ کشتی والے، رسی کو ڈھیل دیتے ہیں اور غوطہ لگانے والا فوراً سمندر کی تہ میں پہنچ جاتا ہے۔ یہاں وہ ایک منٹ تک رہتا ہے اتنی دیر میں جس قدر سیپ ملتی ہے اسے وہ ایک جھولی میں رکھ لیتا ہے۔ پھر جب سانس پھولنے لگتی ہے فوراً رسی کو پکڑ کر ہلاتا ہے۔ اور کشتی والے رسی کھینچ لیتے ہیں۔ کبھی کبھی ان غوطہ لگانے والوں کو حادثے بھی پیش آجاتے ہیں۔ سمندر کی مچھلیاں ان پر حملہ کر دیتی ہیں۔ اور ان کی جان پر بن جاتی ہے۔ اس مصیبت سے بچنے کے لئے وہ کیل کانٹے سے درست ہوکر غوطہ لگاتے ہیں اور اس وقت کوئی جانور ان پر حملہ کرتا ہے تو وہ ان ہتھیاروں سے اس کا مقابلہ کرتے ہیں۔ ساتھ ہی رسی بھی ہلا دیتے ہیں اور کشتی والے فوراً انھیں اوپر کھینچ لیتے ہیں۔
بہت سے غوطہ لگانے والے صرف ایک ہی منٹ میں باہر نہیں آجاتے۔ بلکہ بڑی دیر تک سمندر کی تہ میں ٹھہرے رہتے اور وہیں سانس لیتے رہتے ہیں۔ ان کے سروں پر لوہے کی ایک ٹوپی ہوتی ہے۔ جو گلے تک کے تمام حصوں کو اچھی طرح ڈھانک لیتی ہے۔ اس ٹوپی میں دو ربر کی نلکیاں بھی لگی رہتی ہیں، ان تینوں کا دوسرا سرا

سمندر کے اوپر ہوتا ہے۔ کشتی والے ان میں ہوا بھرتے رہتے ہیں۔ اس ٹوپی کے سامنے والے حصہ میں دو شیشے لگے ہوتے ہیں تاکہ غوطہ خور سیپ جمع کرتے وقت اچھی طرح دیکھ سکے۔

سمندر سے نکالنے کے بعد سیپ ڈھیر بناکر جمع کر دیتے ہیں۔ موتیوں کے تاجر اپنی تقدیر کے بھروسہ پر انھیں خرید لیتے ہیں۔ بعض ڈھیروں میں بہت اور اچھے موتی نکل آتے ہیں۔ بعض میں کم اور معمولی اور بعض میں کچھ بھی نہیں نکلتا۔ یہ گویا ایک قسم کا جوا ہے۔ اگر قسمت اچھی ہوئی تو بعض وقت ایک ڈھیر میں ہزاروں لاکھوں کے موتی نکل آتے ہیں اور کبھی ایک موتی بھی قیمتی نہیں نکلتا۔

سیپ کے ڈھیر خریدنے کے بعد سوداگر انھیں اپنے نوکروں کے حوالے کر دیتے ہیں۔ وہ چاقو سے اس کا ڈھکن کھولتے ہیں اگر اس کے اندر موتی ہوا تو نکال لیتے ہیں ورنہ الگ رکھ دیتے ہیں۔ ہم یہ بتانا بھول گئے کہ سب سے قیمتی موتی وہ ہوتا ہے جو سب سے بڑا اور خوب صورت ہو۔ ویسے معمولی موتیوں کی بے شمار قسمیں ہیں۔

حاتم کی سخاوت

(محمد اسماعیل مدعا صاحب متعلم جامعہ)

(۲)

ان میں یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ اتنے میں کچھ لوگ وہاں سے گذرے اور حاتم کو پہچان لیا۔ پھر کیا تھا اسی وقت پکڑ کر بادشاہ کے پاس لے گئے۔ بوڑھے کو بڑا افسوس ہوا اور وہ بھی ان کے ساتھ چلنے لگا۔ جب بادشاہ کے سامنے پہنچے تو وہ حاتم کو دیکھ کر بڑا خوش ہوا اور پوچھا: "اسے کون پکڑ کر لایا ہے؟" ان میں سے ایک نے کہا کہ ایسے بہادری کے کام سوائے میرے اور کون کر سکتا ہے، دوسرے نے کہا کہ حضور میں بہت دنوں سے اس جنگل میں حاتم کی تلاش میں پھر رہا تھا۔ آج اتفاق سے میری نظر ایک غار پر پڑی وہاں گیا تو ایک شخص پڑا سو رہا تھا۔ غور سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ حاتم ہے۔ میں اسے پکڑ کر یہاں لے آیا۔ غرض کہ وہاں جتنے لوگ تھے ان میں

سے ہر ایک لالچ میں گرفتار تھا۔ لیکن بوڑھا ایک کونے میں خاموش کھڑا لوگوں کی جھوٹی باتیں سن رہا تھا۔ اور اس خیال سے رو رہا تھا کہ محض میری وجہ سے حاتم مارا جائے گا۔

آخر بادشاہ نے مجبور ہو کر حاتم سے پوچھا کہ اب تمھیں بتاؤ تمھیں کون پکڑ کر لایا ہے۔ حاتم نے بوڑھے کی طرف اشارہ کیا اور کہا اس بوڑھے کو انعام دیجئے، حقیقت میں یہی انعام کا مستحق ہے۔ اس پر نوفل کو بہت ہی تعجب ہوا۔ اور بوڑھے کو اپنے پاس بلا کر کہا "سچ سچ بتا واقعہ کیا ہے اور کس نے حاتم کو پکڑا" تب بوڑھے نے سچ سچ تمام واقعہ کہہ سنایا۔ بادشاہ نے جب یہ سنا تو اس کی آنکھیں کھل گئیں اور بے اختیار پکار اٹھا "شاباش! حاتم تیری سخاوت کا اب یہ عالم ہے کہ اپنی جان کی بھی فکر نہیں رہی۔" اس کے بعد بادشاہ نے ان تمام جھوٹے دعویداروں کو سزا کا حکم دیا اور کہا کہ بجائے پانسو اشرفیوں کے ان سب کے سر پر پانسو پانسو جوتے لگائے جائیں تاکہ آئندہ کبھی کوئی شخص جھوٹ بولنے کی جرات نہ کرے۔

ادھر تو جھوٹے اپنے کیے کی سزا پا رہے تھے، ادھر بادشاہ اپنے آپ کو ملامت کر رہا تھا کہ وہ شخص جس کی ذات سے ساری دنیا کو فائدہ پہنچتا ہے اور جو محض لوگوں کے فائدے کے خیال سے نہ جان کی پرواہ کرتا ہو نہ مال کی، ایسے شخص کے ساتھ دشمنی رکھنا اور یہ دعوی کرنا کہ میں حاتم سے زیادہ سخی ہوں، شرافت کے خلاف ہے۔ یہ سوچتے ہی بادشاہ آگے بڑھا اور حاتم سے کہا "بے شک ساری دنیا کی سخاوت اور فیاضی تمھارے سامنے ہیچ ہے۔ تمھارے مقابلے میں جو شخص بھی سخاوت و فیاضی کا دعوی کرے جھوٹا ہے۔" اس نے حاتم کا تمام ملک و دولت لوٹا دیا۔ اور قبیلہ طے کی سرداری دے کر بہت ہی تعظیم و تکریم سے رخصت کیا اور بوڑھے کو بھی اعلان کے مطابق خزانے سے پانسو اشرفیاں دلوادیں وہ بھی خوش خوش دعائیں دیتا ہوا اپنے گھر روانہ ہوا۔

***

تین دوست

مغرب[1] میں بھی مسلمانوں نے کئی سو برس تک بڑے ٹھاٹھ سے حکومت کی ہے، جہاں مسلمانوں کی حکومت تھی اسے اُندلس کہتے تھے۔ اب اس کا نام بدل گیا ہے، آج کل کے نقشوں میں تلاش کرو تو وہ "ہسپانیہ" کے نام سے ملے گا۔

ایک دفعہ ایک جگہ تین دوست بیٹھے ہوئے آپس میں مزے مزے کی باتیں کر رہے تھے، کبھی کوئی اچھی بات ہوئی تو قہقہہ مار کے ہنسنے لگے۔

ایک دوست نے کہا "کیوں دوستو! اگر میں بادشاہ ہو جاؤں تو تم لوگ مجھ سے کیا کیا مانگو گے؟ ابھی بتا دو تاکہ میں بادشاہ ہو کر جو کچھ تم کہو وہ تم کو بخش دوں"

دوسرے دوست نے ہاتھ باندھ کر ادب سے کہا "حضور، اگر آپ کو خدا بادشاہ بنا دے تو اپنے اس غلام کو نہ بھول جائیے گا، میں چاہتا ہوں کہ جب آپ بادشاہ ہوں تو مجھے شہر کا بڑا قاضی بنا دیں"

پہلے دوست نے، اکڑ کر جواب دیا، "اچھا، تمھاری یہ درخواست منظور، تم مطمئن رہو، جب میں بادشاہ ہوں گا تو تمھیں شہر کا بڑا قاضی بنا دوں گا۔"

یہ کہہ کے وہ تیسرے دوست سے پوچھنے لگا "کہو تم کیا چاہتے ہو؟ کہو تو تمھیں وزیر بنا دوں؟ کیا رائے ہے؟"

تیسرے دوست نے جواب دیا "کیا بکتا ہے بے، ہوش کی باتیں کر، بیٹھا ہوا بادشاہی کے خواب دیکھ رہا ہے، گدھا کہیں کا۔ سمجھتا ہے کہ بادشاہ ہو ہی گیا، ابھی تھپڑ رسید کروں گا تو تارے نظر آنے لگیں گے"

پہلے دوست نے کہا "دیکھو سوچ لو، اب بھی خیر ہے، بتا دو تم کیا چاہتے ہو"

تیسرے دوست نے جواب دیا "اچھا اگر تم بادشاہ ہو جانا تو مجھے ایک گدھے پر بٹھانا داڑھی مونچھ منڈوا دینا، منہ کالا کرا دینا۔ اور شہر میں گھموا دینا"

پہلے دوست نے جواب دیا "یہ بھی منظور"

[1] یعنی سپین کا ملک

تھوڑی دیر کے بعد یہ لوگ اپنے اپنے کام سے چلے گئے۔

خدا کا کرنا کیا ہوتا ہے کہ تھوڑے ہی دنوں کے بعد پہلا دوست بادشاہ ہوگیا، بات کا پکا تھا، جو کہا وہ کرکے دکھا دیا۔

دوسرے دوست کو شہر کا سب سے بڑا قاضی بنا دیا اور تیسرے دوست کی داڑھی مونچھ منڈوائی، منہ کالا کرایا، گدھے پر بٹھایا اور سارے شہر کی سیر کرادی +

ہارون رشید کا انصاف

(احسان اللہ خاں صاحب متعلم جامعہ)

ہارون رشید مسلمانوں کا مشہور خلیفہ بغداد میں خلافت کے تخت پر بیٹھا تو اپنے چچا زاد بھائی زینبی کو بصرہ[1] کا حاکم بنا کر بھیجا، تھوڑے دنوں بعد زینبی نے اپنے وزیر سے کہا کہ وہ ایک ایسی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ جو بہت خوبصورت اور ہوشیار ہو۔

وزیر نے ایسی لڑکی کی تلاش میں زمین آسمان کے قلابے ملا دئے مگر کامیابی نہ ہوئی۔ اتفاق سے ایک روز ایک سوداگر دربار میں آیا اس کے ساتھ ایک ایرانی لونڈی تھی یہ بہت خوب صورت تھی اور دیکھنے میں ہوشیار معلوم ہوتی تھی۔ وزیر دیکھ کر بہت خوش ہوا اور دل میں کہنے لگا کہ زینبی کے دل کی کلی کھل جائیگی، وزیر کا لڑکا نورالدین بھی اس وقت باپ کے ساتھ بیٹھا تھا اس لڑکی کو دیکھتے ہی اس نے اپنے دل میں طے کرلیا کہ میں شادی کرونگا تو اسی لڑکی سے کروں گا۔ لڑکی بھی راضی ہوگئی۔ وزیر کو یہ بات معلوم ہوئی تو اُسے بڑی پریشانی ہوئی اور بیٹے سے کہا کم بخت! تو نے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔ زینبی سن لے گا تو مجھے وزارت سے نکال دے گا مگر لاڈ پیار اولاد تھی اپنے بیٹے کے مقابلہ میں اس نے حاکم کی پرواہ نہ کی اور نورالدین سے اس لونڈی کی شادی کردی۔ بادشاہ جب کبھی اس لونڈی کی بابت پوچھتا تو وزیر کوئی بہانہ بنا کر ٹال دیتا مگر آخر زینبی کو اس بات کی خبر ہوگئی اور اس نے نورالدین اور اس کی بیوی کو دربار میں بلا بھیجا۔ نورالدین کا ایک دوست اس وقت دربار میں موجود تھا وہ دوڑا ہوا اس کے پاس گیا اور اس سے کہا! بادشاہ نے تم دونوں میاں بیوی کو بلایا ہے، میں سمجھتا ہوں اب تمھاری خیر نہیں" نورالدین یہ سن کر بہت ڈرا اور فوراً اپنی بیوی کو لے کر بغداد کی طرف بھاگ کھڑا ہوا

[1] ایک شہر کا نام ہے جو اب تک آباد ہے۔

کچھ دنوں بعد دونوں بڑی مشکل سے گرتے پڑتے بغداد پہونچے پہلے کبھی وہ اس شہر میں نہیں آئے تھے اس لئے بے چاروں کو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ کہاں ٹھیرنا چاہیئے۔ آخر ایک باغ میں گھس گئے اور ایک گھنے سایہ کے درخت کے تلے پڑ کر سو گئے باغ کا رکھوالا آیا تو ان پر بہت خفا ہوا کہ کیوں بغیر اجازت کے باغ میں گھس آئے۔ انھوں نے معافی مانگی اور اپنی ساری مصیبت کی کہانی کہہ سنائی۔ رکھوالا ان کا قصہ معلوم کر کے پسیج گیا۔ اور اپنی جھونپڑی میں رہنے کی جگہ دے دی۔ نورالدین پر رکھوالے کی اس شرافت اور مہربانی کا بڑا اثر ہوا۔ اس نے کچھ سونا نکال کر اسے دیا اور کہا فلاں فلاں چیزیں بازار سے خرید لاؤ آج میں تمھاری دعوت کرنا چاہتا ہوں

باغ کا رکھوالا کھانے کی تیاری میں مشغول تھا ادھر نورالدین کی بیوی کی آواز بہت اچھی تھی اس نے گانا شروع کر دیا۔

اتفاق سے ہارون رشید فقیروں کے کپڑے پہنے ادھر سے گذر رہا تھا۔ اسے لڑکی کی آواز پسند آئی اور کسی طرح جھونپڑی کے اندر جا کر سننا چاہتا تھا۔ اتنے میں ایک مچھلی بیچنے والا کہیں سے آنکلا اس نے فوراً مچھلی خریدی اور جھونپڑی میں جا کر کہا۔ "مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم لوگ دعوت کا انتظام کر رہے ہو اس لئے میں یہ ناچیز تحفہ لے کر حاضر ہوا ہوں" نورالدین نے کہا "بہت اچھا خدا تمھارا بھلا کرے" فقیر سلام کر کے نورالدین کے پاس بیٹھ گیا اور کہنے لگا "مجھے اس لڑکی کا گانا بہت پسند ہے" نورالدین کے اشارہ سے لڑکی نے گانا شروع کیا۔ پھر کھانے کا وقت آگیا۔ فقیر بھی کھانے میں شامل ہوا۔ باتوں باتوں میں نورالدین نے اپنی شادی اور سفر کا قصہ بھی بیان کر دیا۔ کھانا ختم ہونے پر نورالدین نے فقیر کو کچھ خیرات دی اور فقیر دعائیں دیتا ہوا چلا گیا۔

فقیر (ہارون رشید) یہاں سے سیدھا اپنے محل کی طرف گیا فقیروں کا لباس اتارا اور دربار میں آیا۔ نورالدین اور اس کی بیوی کو فوراً دربار میں حاضر ہونے کا حکم ملا۔ زینبی (چچا زاد بھائی) کو اس کے عہدہ سے برطرف کر دیا گیا۔ اور نورالدین اس کی جگہ بصرہ کا حاکم بنا یا گیا۔

۵۔ نکال دیا گیا۔

(۱)

چاند کو دیکھ کر

از محمد حسین اثری صدیقی (مدراس)

بچہ اپنی ماں سے پوچھتا ہے

(۱)

یہ جو آسماں پر آتا   سر شام جگمگاتا
چمک اپنی ہے دکھاتا   مجھے دور سے بُلاتا
مرے دل کو ہے لُبھاتا
یہ ہے کس کا چاند اماں

یہ جو روشنی ہے پھیلی   یہ جو چاندنی ہے چٹکی
اِسی چاند کی تو ہوگی؟   یہ ہے کیسی پیاری پیاری
یہ ہے کیسی اچھی اچھی
یہ ہے کس کا چاند اماں

یہ جو گول ہے بڑا سا   یہ جو روز ہے چمکتا
یہ ہر اک جگہ اُجالا   ہے زمیں پہ جس کا پھیلا
یہ ہے کس کا پیارا بیٹا

یہ ہے کس کا چاند اماں

یہ ہے موہنی جو مورت   یہ چمک دمک یہ رنگت
یہ ہے کیسا خوبصورت   مجھے اس سے ہے محبت
مجھے اِسکی ہے ضرورت
یہ ہے کس کا چاند اماں

جو دکھا رہا ہے آکر   ہمیں شام سے برابر
چمک اپنی آسماں پر   ہے اُجالا جس کا گھر گھر
یہ جو اُڑ رہا ہے بے پر
یہ ہے کس کا چاند اماں

یہ کدھر کو جا رہا ہے   یہ کہاں سے آ رہا ہے

سماں دکھا رہا ہے وہ ادا بتا رہا ہے
کہ مجھے ہنسا رہا ہے
یہ ہے کس کا چاند اماں

یہ جو اسقدر حسین ہے کہ اُجالا ہر کہیں ہے
یہ وہاں ہی پایا ہیں ہے کہ سفید یہ زمیں ہے
یہ تمھارا تو نہیں ہے؟
یہ ہے کس کا چاند اماں

مجھے تم یہ چاند لا دو مجھے پاس سے دکھا دو
مجھے اس سے تم ملا دو مرے پاس اسے بُلا دو
یہ نہیں، تو پھر بتا دو
یہ ہے کس کا چاند اماں؟

---

(۲)

ماں کا جواب

(۲)

میں بتاؤں تم کو پیارے مری جاں مرے دُلارے
یہ ہے چاند آسماں کا۔ یہ خدا نے ہے بنایا
یہ نہیں زمیں پہ آتا
مرا چاند یہ نہیں ہے

نہ کسی سے بولتا یہ نہ زبان کھولتا یہ
اسے کس طرح بلاؤں اسے تم سے کیا ملاؤں
اسے کیسے پاس لاؤں
مرا چاند یہ نہیں ہے

یہ وہ کام کر رہا ہے جو اسے دیا گیا ہے
کبھی جی نہیں چراتا کبھی منہ نہیں چھپاتا
نہ یہ وقت کو گنواتا
مرا چاند یہ نہیں ہے

میں بتاؤں تم کو بیٹا یہی کام ہے بس اس کا
کہ یہ روز روز آ کر سر شام آسماں پر
ہے یوں ہی روشن اکثر
مرا چاند یہ نہیں ہے

یہ لگائے ایسا پھیرا نہ رہے کہیں اندھیرا
یوں ہی روز جگمگائے یوں ہی روز آئے جائے
یوں ہی روشنی دکھائے
مرا چاند یہ نہیں ہے

۳

ماں کا چاند

(۳)

مرا چاند یہ نہیں ہے — مرا چاند تو یہیں ہے
مرا چاند اس سے بہتر — مرا چاند اس سے بڑھ کر
میں بتاؤں تم کو بیٹا — کہ ہے میرا چاند کیسا
مرا چاند ہے کہاں پر — مرا چاند دل کے اندر
مرا چاند میرے گھر میں — مری آنکھیں، نظر میں
مرے گھر کا وہ اُجالا — اسے میں نے دل میں پالا
مرا چاند پیتا، کھاتا — مرا چاند آتا جاتا
مرا چاند چلتا پھرتا — وہ ہے سیر کو نکلتا
مرا چاند سیر کرتا — مرا چاند ہے سنورتا
مرا چاند مسکراتا — مرا چاند کھِل کھِلاتا

کبھی میرے پاس سوتا — کبھی اُن کے پاس ہوتا
کبھی مجھ سے جھوم جاتا — مرے گال چوم جاتا
کبھی مجھ سے روٹھ جاتا — کبھی خود مجھے مناتا
کبھی پیاری باتیں کرتا — کبھی خوش کبھی بپھرتا
کبھی جھولتا ہے جھولا — کبھی خوش کبھی ہے پھولا
جو ہو خوش تو گیت گائے — ہو خفا تو منہ پھُلائے
کبھی میرے پاس لیٹا — مرا چاند، میرا بیٹا
کبھی میری گود میں ہے — کبھی اُن کی گود میں ہے
مرے پیارے ننھے بچے، — یہ بتاؤ تم بھی سمجھے؟
وہ ہے کون چاند میرا، — کہ ہے جس کا یہ اجالا؟

بچہ: نہ بتاؤ باتیں اتنی — مجھے دو جواب جلدی
مجھے جھوٹ بتاؤ اماں — نہ مجھے ستاؤ اماں
کہ وہ چاند کون سا ہے — وہ کہاں ہے کیا پتہ ہے

ماں: نہ بتاؤں گی میں تم کو — تمھیں سمجھو اور بُوجھو!

بچہ: مری اچھی اچھی اماں — میں سمجھ گیا ہوں ہاں ہاں
وہ دُلارا چاند میں ہوں — وہ تمھارا چاند میں ہوں
مرا چاند کون ہو گا!
مرے چاند میرے ابا

طابع و ناشر ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم اے ۔ پی ایچ ۔ ڈی۔

مطبوعہ جامعہ برقی پریس دہلی

جلد ۱۴ نمبر ٤

جامعہ ملیہ اسلامیہ کا پندرہ روزہ تعلیمی رسالہ

۲۱ فروری سنہ ۳۳ ع

فہرست مضامین

Jamia Press.

ایڈیٹر ـ سعید انصاری

بچوں کا قاعدہ

بچوں کو اردو کا قاعدہ پڑھاتے وقت مندرجہ ذیل دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔
۱۔ کام کس طرح شروع کریں کہ بچہ ابتدائی کام کو ماحول سے مطابق دیکھے۔
۲۔ حروف علت کا استعمال۔
۳۔ ہم آواز حروف کی مشکلات۔
۴۔ کام کو آخر تک دلچسپ رکھنا۔

جناب مولوی عبدالغفار صاحب نگران تعلیمی مرکز نمبر ۱، آج چھ سال سے صرف اوّل جماعت کے بچوں کو اردو پڑھا رہے ہیں۔ اور بچوں کی تعلیم میں مہارت تامہ رکھتے ہیں، موصوف نے مندرجہ بالا دشواریوں کو سامنے رکھتے ہوئے **بچوں کا قاعدہ** لکھا ہے، یہ قاعدہ جامعہ ملیہ میں دو سال کے تجربے کے بعد شائع ہوا ہے۔ قیمت ۴/

رہنمائے قاعدہ

"بچوں کا قاعدہ" پڑھانے میں جس ترتیب سے کام لیا گیا ہے، وہ سب اس میں درج ہے۔ ایک معلّم جسے بچوں کی تعلیم سے دلچسپی ہو، رہنمائے قاعدہ کا مطالعہ اسے بہت مفید ثابت ہوگا۔ قیمت ۲/

پڑھو جو کچھ مکمل ہو، ہنر سیکھو ہنر سیکھو
خدائی بھر میں افضل ہو ہنر سیکھو ہنر سیکھو

اگر ممکن نہ ہو پڑھنا تو پھر بھی سہل ہے پڑھنا
تم اک جاہل کہ اجہل ہو ہنر سیکھو ہنر سیکھو

بزرگوں کا کہا مانو عزیزو! وقت پہچانو
کبھی غمگین نہ بے کل ہو ہنر سیکھو ہنر سیکھو

یہ دنیا ہے یہاں فخرِ نسب کیا کام آتا ہے
ہو بدصورت کہ اجمل[1] ہو ہنر سیکھو ہنر سیکھو

یہاں صنعت گری جب قوم نے لی اپنے ہاتھوں پر
نہیں ممکن وہ نربل[2] ہو ہنر سیکھو ہنر سیکھو

نہال قوم کے تھالے بھریں نہریں نئی نالے
ہنر سے ہند جل تھل ہو ہنر سیکھو ہنر سیکھو

جہاں ٹھور و ٹھکانے ہوں تمہارے کارخانے ہوں
تو پھر جنگل میں منگل ہو ہنر سیکھو ہنر سیکھو

کرو پھرتی، رکھو چستی، رہے دنگل لڑو کشتی
تمہارے داؤ پہ "کل" ہو ہنر سیکھو ہنر سیکھو

پرائے دیس والوں کو ذرا دیکھو! ذرا جانچو
نہ تم وحشی نہ پاگل ہو ہنر سیکھو ہنر سیکھو

ابھی جو وقت باقی ہے اسد وہ اتفاقی ہے
خدا جانے کہ کیا کل ہو ہنر سیکھو ہنر سیکھو

سید نیاز احمد رحمنی اسد فردوسی
آرہ

[1] خوب صورت۔
[2] کم زور

عید کا تحفہ

پچھلی عید کے موقع پر ہم نے پیام بھائیوں کی خدمت میں عید کارڈ اور ایک ننھی سی خوب صورت کتاب دیانت بھیجی تھی۔ یہ ڈراما ہماری جامعہ کے پرنسپل جناب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب ایم اے پی ایچ ڈی نے لکھا۔ بے تھوڑے دن ہوئے جامعہ کے چھوٹے بچوں کی طرف سے یہ ڈراما کھیلا بھی گیا تھا اور بہت پسند کیا گیا تھا۔ ہمیں اُمید ہے کہ پیام بھائیوں نے بھی ہمارے اس تحفہ کو پسند کیا ہوگا۔

ہم پیام تعلیم کو بہتر بنانے اور پیام بھائیوں کی دلچسپی کا سامان فراہم کرنے کے لئے۔ اپنی سی کوشش کر رہے ہیں۔ مگر ہماری یہ کوششیں اُسی وقت کامیاب ہو سکتی ہیں کہ پیام تعلیم پڑھنے والے بھائی ہماری مدد کریں۔ ان کوششوں میں ہمارا ہاتھ بٹائیں۔ اسطرح پیام تعلیم سے اپنی سچی محبت کا ثبوت دیں۔

سلطان بایزید کی حق پسندی

مولانا محوی لکھنوی

سلطان بایزید ترکوں کا بڑا زبردست اور منصف بادشاہ گذرا ہے اس کے زمانے میں مولانا شمس الدین رومی ایک بڑے بزرگ عالم شاہی عدالت کے حاکم اور جج تھے۔ اتفاق سے اُن کے یہاں ایک ایسا مقدمہ پیش ہوا جس میں خود بادشاہ سلامت گواہ تھے۔

مولانا رومی شریعت کے پکے اور سخت پابند تھے اور بادشاہ سلامت کبھی کبھی نماز جماعت کے ساتھ نہیں پڑھتے تھے چنانچہ جب مقدمہ پیش ہوا تو مولانا نے بادشاہ کی گواہی ماننے سے صاف انکار کر دیا۔ بادشاہ سلامت کو غصہ نہ آیا بلکہ وہ یہ سوچنے لگے کہ آخر عدالت میری گواہی کیوں نہیں مانتی۔ کوئی وجہ سلطان کی سمجھ میں نہ آئی آخر اس نے جج صاحب سے سبب دریافت کیا۔

مولٰنا نے نہایت آزادی سے عدالت
ہی میں جواب دیا کہ سلطان نماز میں جماعت
کے پابند نہیں ہیں۔ میں اُن کی گواہی نہیں
مان سکتا کیوں کہ جو شخص جماعت کے ساتھ
نماز نہیں ادا کرتا اس کی گواہی اعتبار کے قابل
نہیں ہے۔

بادشاہ سلامت مولٰنا کی اس بے خوفی
اور سچائی پر بہت خوش ہوئے اور اُس روز
سے نہایت مستعدی کے ساتھ جماعت کی
پابندی فرمانے لگے۔ اور یوں اپنے جج کی
بات رکھ لی۔ سلطان کو ناز تھا کہ ہماری حکومت
کے جج ایسے ایماندار اور انصاف کے دھنی ہیں
کہ حق بات کے آگے بادشاہ کی بھی کچھ حقیقت
نہیں سمجھتے۔

عجائب خانہ سمندر

جب سمندر کی موجیں انھیں کنارے
پر لاکر پھینک دیتی ہیں تو تھوڑی دیر میں اُن
کے جسم کا پانی سوکھ جاتا ہے اور وہ مرجاتی ہیں اُو
لکیروں کے سوا ان کے جسم کی کوئی اور
علامت باقی نہیں رہتی مگر سمندروں میں تو
یہی نشاستے کی تشتری ایک خوفناک شکاری
جانور کی حیثیت رکھتی ہے۔ چھوٹی چھوٹی مچھلیاں
اور اسی قسم کے دوسرے جانور اس کا شکار
ہیں۔ ابھی اوپر بیان کیا گیا ہے کہ اس کے
جسم کے کنارے سے سینکڑوں باریک باریک
بال پانی میں لہراتے رہتے ہیں ان بالوں
کی حرکت سے جیلی فش تھوڑی دور
ادھر سے اُدھر تک تیر بھی سکتی ہے۔ گو یہ بال
خود بہت باریک ہیں مگر ان میں نہایت چھوٹے
چھوٹے سوراخ بنے ہوئے ہیں اور ہر سوراخ
میں ایسے چھوٹے چھوٹے زہریلے ڈنک چھپے
ہوتے ہیں کہ بغیر خوردبین کی مدد کے دکھائی ہی
نہیں دیتے۔ جوں ہی کوئی جانور جیلی فش کے
جسم سے چھو جاتا ہے یہ ہزاروں زہریلے ڈنک
تیروں کی طرح اُس کے جسم میں تیر جاتے اور
تھوڑی دیر میں اُس کا خاتمہ کر دیتے ہیں بعض
جیلی کا زہر اس درجہ خطرناک ہوتا ہے کہ انسان
کی ہلاکت کا باعث ہو سکتا ہے۔ عموماً یہ بڑے

قسم کی جیلی فش ہوتی ہے اور ان کا رنگ جوزی ہوتا ہے۔ اپنے شکار کو مار لینے کے بعد جیلی فش تیرتی ہوئی اس پر آجاتی ہے اور اسے اپنے منہ میں لے لیتی ہے۔ اس کا منہ بالکل اس کے پیٹ کے نیچے ہوتا ہے اور اس لئے غذا اس کے پیٹ میں بآسانی داخل ہو سکتی ہے۔

۴۔ اسپنج کے عجائبات

سمندر کا ایک اور نباتاتی حیوان اسپنج ہے، وہی اسپنج جس سے بچوں کو نہلاتے اور اُن کے ہاتھ پاؤں دھلاتے ہیں اور تم جس سے اپنی سلیٹ صاف کیا کرتے ہو۔ ایک زمانہ تک دنیا اس اسپنج کو سمندری پودا سمجھتی رہی۔ اس کی وضع اور قطع بھی پودوں سے اس قدر ملتی جلتی ہے کہ اب بھی اس کے جانور ہونے کا تم مشکل سے یقین کر سکتے ہو، مگر عجائبات سمندر میں یہ جانور بھی ایک اعجوبہ ہے۔ اسپنج سمندر کے اُن جانوروں میں سے ہے جنہیں قدرت نے آنکھ، ناک، کان، ہاتھ، پاؤں، منہ، ہڈی، گدی غرض ہر شے سے محروم رکھا ہے جیسا کہ جیلی فش کے بیان میں لکھا گیا ہے۔ ان کا جسم بھی بالکل نشاستے کا سا ہوتا ہے اور تقریباً یہ جانور جو وضع چاہیں اختیار کر لے سکتے ہیں۔ پانی کو تم گلاس میں ڈالو وہ گلاس کی وضع کا ہو جائے گا۔ صراحی میں رکھو صراحی کا سا بنا رہے گا۔ شیشے میں ڈالو شیشے کی شکل اختیار کرلے گا۔ یہی حالت بعینہٖ ان جانوروں کے جسم کی ہے۔ جب تم ان کو پانی میں تیرتا دیکھوگے تو یہ سمجھوگے کہ فالودے کے رنگ برنگی ٹکڑے تیر رہے ہیں مگر یقین جانو فالودے کے یہ ٹکڑے بھی جان رکھتے ہیں، کھاتے ہیں، پیتے ہیں، چلتے ہیں، پھرتے ہیں، اور ان کے جسموں میں فیلرس ہوتے ہیں جو آنکھ اور ہاتھ کا کام دیتے ہیں، مگر کھانا کھانے کے لئے منہ نہیں رکھتے بلکہ اپنی غذا پر تیرتے ہوئے آتے ہیں اور اُسے اپنے میں لے لیتے ہیں۔ اس جانور سے زیادہ بے جان چیز شاید ہی کوئی نظر آئے مگر یہ بھی پیدا ہوتا ہے، بڑا ہوتا ہے اور مرتا ہے۔

سید محمد عسکری جعفری

انوکھی باتیں

'جواد'

ایک منھیار نے بازار سے چوڑیاں خرید کر اپنے ٹوکرے میں رکھیں۔ اور مزدور کی تلاش میں گیا۔ راستہ میں ایک مزدور نظر پڑا منھیار نے اس سے کہا "چوڑیوں کے ٹوکرے کو میرے گھر پہنچانے کی کیا مزدوری لوگے؟" مزدور نے تین آنے مانگے۔ منھیار بولا کہ تین آنے میں تو تیری ایک وقت کی گذر بھی نہیں ہو سکتی۔ اگر تو چاہے تو میں تجھے ایسی انوکھی باتیں بتاؤں جن سے تیری ساری عمر آرام و سکون سے گزر جائے۔

مزدور راضی ہو گیا اور اُٹھا کر چل پڑا تھوڑی دور چل کر مزدور نے کہا وعدہ کے مطابق کوئی بات بتاؤ۔ منھیار نے جواب دیا "اگر تجھ سے کوئی یہ کہے کہ گذرا ہوا وقت واپس آجاتا ہے تو اُسے جھوٹ جان"۔ مزدور نے کہا بالکل ٹھیک۔

جب آدھا راستہ طے کر لیا تو پھر مزدور نے دوسری بات پوچھی۔ منھیار نے کہا اگر کوئی تجھے یقین دلائے کہ پیدل چلنا سواری پر جانے سے بہتر ہے تو اس پر یقین مت کیجیو۔ مزدور نے کہا "درست ہے"۔

جب منھیار کا گھر آگیا تو مزدور نے تیسری بات پوچھی۔ منھیار نے کہا "اگر کوئی آدمی تجھ سے یہ کہے کہ میں نے تجھ سے زیادہ بے وقوف کوئی آدمی دیکھا ہے تو اس کی اس بات کو غلط جان" یہ سن کر مزدور نے چوڑیوں کا ٹوکرا اپنی پوری طاقت سے اس کی دیوار سے دے مارا اور کہا اگر کوئی تجھ سے کہے کہ تیرے ٹوکرے میں کوئی چوڑی سالم رہ گئی ہے تو کبھی بھی اس کی بات کا اعتبار نہ کیجیو۔ اور یہ کہہ کر رفوچکر ہو گیا۔

نمبر خریداری

اگر یاد نہ ہو تو مہربانی فرما کر پتے کی چٹ پر ملاحظہ کر لیجئے خط و کتابت میں نمبر کے حوالہ سے بڑی سہولت ہو جاتی ہے ورنہ بسا اوقات جواب دینا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ براہ کرم اسے نہ بھولئے

ولیم ہرشل

(ترجمہ اشرف)

جن لوگوں کو ستاروں سے دلچسپی ہے وہ ولیم ہرشل سے بخوبی واقف ہونگے اس نے جتنے ستارے معلوم کئے اس سلسلہ میں حقیقی کوششیں اور محنت کی ہے۔ اس کا بیان نہایت دلچسپ ہے۔

ولیم ہرشل ۱۷۳۸ء میں جرمنی کے ایک قصبہ میں پیدا ہوا اس کا باپ فوج کے بینڈ[1] میں نوکر تھا۔ اور اسی وجہ سے اس نے اپنے بچپن میں سوائے گانے کے اور کچھ نہیں سُنا۔

اس کے باپ کی تنخواہ بہت کم تھی اور کنبہ کافی بڑا تھا۔ اس لئے اکثر دونوں وقت کھانا بھی نہ ملتا تھا۔ اس کے باپ کو گانے سے بہت دلچسپی تھی نوکری سے واپس آنے کے بعد وہ اپنے بچوں کو جمع کرکے گانا سکھایا کرتا تھا۔

یہ سن کر تعجب ہوگا کہ وہ شخص جو ستاروں کے علم کا ماہر ہونے والا تھا بہت ہی کم عمر میں ایک اچھا گانے والا ہوگیا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ کسی بات کو بغیر بحث کئے اور سمجھے نہیں مانتا تھا۔

کبھی کبھی وہ اپنی بہن کے ساتھ سڑک پر بیٹھ کر ستاروں کو بہت غور سے دیکھا کرتا تھا لیکن ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ ولیم بھی باپ کی طرح گانے کی نوکری کرے گا۔

چونکہ وہ بہت غریب تھا اس لئے ولیم کو جلد ہی قومی بینڈ میں نوکر کرا دیا۔ وہ چار سال تک فوج میں رہا اور اس کے بعد تندرستی خراب ہوجانے کی وجہ سے نوکری چھوڑ کر انگلینڈ چلا گیا وہ گھر کی دوری اور تنہائی سے ذرا بھی

[1] فوج میں جو باجہ بجایا جاتا ہے۔ اسی فوجی بینڈ کہتے ہیں اس کا مقصد یہ ہے کہ لڑائی کے وقت سپاہیوں کو جوش دلایا جائے۔

بھی پریشان نہ ہوا اس لئے کہ وہ بہت اچھا گانا اور بجانا جانتا تھا۔ انگریزی بہت تیز بولتا تھا اور سب سے زیادہ یہ کہ وہ ہر مصیبت خوشی سے برداشت کرنے کے لئے طیار رہتا۔ دو تین سال تک تو اس نے در بدر گا کر ہی اپنی زندگی گذاری لیکن اس کے بعد ڈاکٹر ملر نے اُسے نوکر رکھ لیا۔ اور اسی عرصہ میں اس نے موسیقیٔ پر دو تین مختصر کتابیں لکھیں۔ اس کے بعد وہ باتھ چلا گیا۔ یہاں سے اس کی وہ زندگی شروع ہوتی ہے کہ جس کی بدولت آج تک اس کا نام زندہ ہے۔

سب سے پہلے اس نے وہیں ستاروں پر ایک کتاب دیکھی اس کتاب سے اُسے اس قدر دلچسپی پیدا ہوئی کہ دوسرے کاموں سے ذرا بھی فرصت ملتی تو اسے لے کر بیٹھ جاتا۔ اس نے نہایت محنت سے کتاب کو دو تین مرتبہ دوہرایا۔ ستاروں کا حال کچھ اس قدر دلچسپ معلوم ہوا کہ اس نے اپنے طور پر آسمان پر دیکھنے اور ستارے معلوم کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن اس کے لئے ضروری تھا کہ ایک عمدہ دوربین بھی ہو۔ اس کے پاس نہ تو اتنا روپیہ تھا کہ ایک عمدہ دوربین خرید سکتا اور نہ وہ سائنس اس قدر جانتا تھا کہ خود بنا لیتا۔ مگر تھا ارادہ کا پکا۔ اس نے اس علم کو سمجھنے کے لئے دوسرا علم یعنی حساب سیکھنا شروع کیا۔ تھوڑی مہارت لے کے بعد شیشوں کو گھسنے کا کام شروع ہوا۔

تقریباً پندرہ شیشے خراب کرنے کے کے بعد آخر دوربین کے شیشے تیار ہو گئے۔ ولیم کی یہی محنت اور ناکامی سے مایوس نہ ہونا ایسی خوبیاں تھیں جو بہت جلد اسے کامیاب کر سکیں ستاروں سے اُسے اس قدر دلچسپی پیدا ہو گئی تھی کہ دوربین کی طیاری میں بہت زیادہ وقت صرف کرنے لگا۔ اور بہت سے لوگوں کو گانا سکھانا موقوف کر دیا۔ اس عرصہ میں اس کی بہن کیرولائن بھی اس کے پاس آگئی تھی۔ اس نے بھی اس کام میں بہت دلچسپی ظاہر کی اور تمام عمر اس کی کوششوں میں مدد کرتی رہی اور اس کے مرنے کے بعد اس نے جو کام ادھورا چھوڑا تھا اُسے پورا کیا۔ اس نے خود بھی آٹھ ستارے معلوم کئے ہیں۔

ولیم کو اس کام سے اس قدر دلچسپی

لہ گانے کا علم

پیدا ہو گئی تھی کہ کبھی کبھی تو کھانے پینے کی
سدھ بدھ بھی نہیں رہتی تھی۔ اور اکثر راتیں
بغیر سوئے گذر جاتی تھیں۔

خلیفہ مامون کا بچپن

(احسان)

خلیفہ مامون مسلمانوں کا بہت مشہور
خلیفہ تھا۔ یہ بچپن سے بہت ذہین اور تیز
تھا۔ پانچ برس کا ہوا تو بڑے بڑے مولوی
اور اُستاد دور دور سے اس کے پڑھانے
کے لئے بلائے گئے اس کی عقل اور سمجھ
کا یہ حال تھا کہ اُستاد کے محض ذرا سے
اشارے سے وہ اپنی غلطی سمجھ جاتا تھا۔

ایک بار وہ قرآن پڑھ رہا تھا جب اس
آیت پر پہنچا (ترجمہ) "وہ بات کیوں کہتے
ہو جو کرتے نہیں"۔ تو بے اختیار اُستاد کی
نظر اس کی طرف اُٹھ گئی۔ پہلے تو وہ سمجھا
کہ آیت غلط پڑھی تھی مگر دوبارہ پڑھ کے
دیکھا تو صحیح تھی۔

جب اُستاد پڑھا کر چلا گیا۔ تو وہ سیدھا
اپنے باپ خلیفہ ہارون کے پاس گیا۔ اور
اس سے ادب سے کہا "آپ نے مولوی
صاحب کو کچھ دینے کا وعدہ کیا تھا تو وہ پورا
کیجئے" ہارون نے کہا، "ہاں انھوں نے
کچھ لوگوں کی سفارش کی تھی اور میں نے
اس سفارش کو منظور بھی کر لیا تھا۔ کیا انھوں
نے تم سے اس کا ذکر کیا تھا"۔ مامون نے
جواب دیا "جی نہیں" ہارون نے پوچھا پھر
تمہیں کیسے معلوم ہوا" تب مامون نے سارا
قصہ سنایا اور کہا کہ "مولوی صاحب کا اس
آیت پر اس طرح چونک پڑنا بے وجہ نہیں
ہو سکتا تھا" ہارون اپنے بیٹے کی اس سمجھداری
اور عقلمندی پر بہت خوش ہوا۔

ایک دفعہ اُستاد پڑھانے آئے مامون
اس وقت گھر میں تھا۔ نوکروں نے اُستاد
کے آنے کی خبر گھر میں کہلا بھیجی مگر مامون
کو نکلنے میں ذرا دیر لگی۔ بس اتنی دیر میں نوکر
چاکروں کو شکایت کا موقع مل گیا اور کہنے
لگے "مولوی صاحب! جب آپ یہاں نہیں
ہوتے تو یہ میاں ہمیں پریشان کر ڈالتے ہیں"
مامون جب باہر آیا تو مولوی صاحب نے اس

شکایت کی وجہ سے اچھی طرح مرمت کی اور چھ سات بید رسید کر دئے۔ ماموں رونے لگا اتنے میں نوکروں نے ماموں کو خبر دی کہ "حکومت کے وزیر جعفر آپ سے ملنا چاہتے ہیں" ماموں فوراً آنسو پونچھ فرش پر جا بیٹھا اور نوکروں کو حکم دیا کہ "اچھا آنے دو" وزیر آیا اور بہت دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا۔ اُستاد کو ڈر پیدا ہوا کہ کہیں ماموں وزیر جعفر سے میری شکایت نہ کر دے وزیر چلا گیا تو اُستاد نے پوچھا کہ تم نے میری شکایت تو نہیں کر دی ماموں نے نہایت ادب سے کہا "مولانا آپ کیا فرماتے ہیں میں ہارون رشید سے تو کہنے کا نہیں جعفر سے کیا کہوں گا کیا میں یہ نہیں سمجھتا کہ آپ کے پڑھانے لکھانے اور ادب اور تمیز سکھانے سے مجھکو کس قدر فائدے پہنچیں گے"۔ اپنی انھیں اچھی عادتوں اور سمجھ بوجھ کی وجہ سے اپنے باپ ہارون رشید کے مرنے کے بعد ماموں بہت مشہور خلیفہ ہوا۔

اگر آنکھیں ماتھے پر ہوتیں؟

سید ابوطاہر داؤد صاحب بی ایس سی۔

محمود میاں بھی نئے نئے سوال کرتے ہیں۔ انھیں جب سوجھتی ہے نئی سوجھتی ہے۔ ایک دن کہنے لگے کہ قدرت نے بہت سی غلطیاں کی ہیں۔ بھلا بتائیے ماتھے سے کیا فائدہ ہے۔ چہرے میں اتنی جگہ بیکار ہی تو ہے۔ اگر ہماری آنکھیں ماتھے پر ہوتیں تو کیا بُرا تھا۔ ماتھا چونکہ سارے چہرے سے اونچا اُبھرا ہوا ہے آنکھوں کے لئے بہت موزوں ہوتا۔ ہمیں دور کی چیز دیکھنی ہوتی ہے تو سر کو پیچھے کی طرف جھکا دیتے ہیں۔ تاکہ ماتھے کی اونچائی دیکھنے میں روک نہ ہو اگر آنکھیں ماتھے پر ہوتیں تو یہ تکلیف نہ اُٹھانی پڑتی اور ہم آسانی سے دور کی چیز دیکھ سکتے۔۔۔۔"

میں اُن کا مطلب تو خاک بھی نہ سمجھا لیکن یونہی کہہ دیا۔ "بھلا کس طرح؟" جھلا کر کہنے لگے "آپ بھی بس نرے وہ ہی ہیں۔

اے بھئی ہم کسی اونچے مقام مثلاً چھت، سیڑھی درخت، مینار وغیرہ پر کھڑے ہو جاتے ہیں تو ہمیں دور دور کی چیزیں دکھائی دیتی ہیں۔ اسی طرح اگر آنکھیں ذرا اونچی ہوتیں تو ہم زیادہ دور تک دیکھ سکتے۔"

میں نے ہنس کر کہا "تو پھر آپ کا مطلب یہ ہے کہ ہم درخت کی طرح لمبے یا قطب مینار کی طرح اونچے ہوتے۔ اللہ میاں سے کیوں نہ کہہ دیا۔"

وہ اکڑ کر کہنے لگے "یہ باتیں تم لوگوں کی سمجھ میں تھوڑی آسکتی ہیں۔"

میں نے قہقہہ لگایا۔ اور دوسرے لڑکوں نے تالی بجائی۔ آپ کو آیا غصہ۔ لگے برا بھلا کہنے۔ میں کوئی کم زور تو تھا نہیں جو دب جاتا۔ میں رول لے اُن کی طرف جھپٹا۔ وہ بھاگے ٹھوکر لگی اور دھڑام سے اوندھے منہ گر پڑے۔

سب لڑکے ایک زبان ہو کر کہنے لگے "دیکھا نتیجہ اللہ میاں پر اعتراض کرنے کا۔"

میں دوڑا اور جا کر اُنھیں اُٹھایا۔ اور پہلا کام جو کیا یہ تھا کہ اُن کی آنکھیں دیکھیں۔ شکر کہ سلامت تھیں، البتہ ماتھا اینٹ پر گرنے سے لہولہان ہو گیا تھا۔ جب خون بند ہو گیا تو میں نے کہا کہ "دیکھو اگر تمہاری آنکھیں ماتھے پر ہوتیں تو کیا ہوتا۔"

وہ یہ سُن کر چپ ہو گئے اور دل ہی دل میں کچھ سوچنے لگے۔ ماسٹر صاحب نے اُن کو دیکھ کر چوٹ کا حال پوچھا تو میں نے پورا قصہ کہہ سنایا۔ وہ بولے کہ "قدرت نے تم کو اچھا سبق دیا۔ ماتھا کتنی کار آمد چیز ہے آنکھوں کی حفاظت میں خود چوٹ کھا لیتا ہے مگر اُن پر آنچ نہیں آنے دیتا۔ اسی لئے اُبھرا ہوا ہے اور آنکھوں کے لئے چھجے کا کام دیتا ہے۔ اگر آنکھیں ماتھے پر ہوتیں تو گرد و غبار سے ہر وقت اٹی رہتیں۔ جس طرح کمرے کے سامنے برآمدہ ہوتا ہے اسی طرح آنکھوں کے اوپر ماتھا ہے۔ برآمدہ اندر کے کمرے کو گرد وغبار، دھوپ پانی اور ٹھنڈک سے بچاتا ہے اسی طرح ماتھا بھی سورج کی کرنوں کو سیدھا آنکھوں پر نہیں پڑنے دیتا۔

اللہ کی مرضی

(الفت انوری)

ہماری دنیا سے بہت دور کسی ٹمٹمانے والے ستارے میں ایک اور دنیا بستی ہے جس میں رہنے سہنے کھانے پینے کا طریقہ ہم سے بالکل مختلف ہے۔ واقعات جو اس ستارے کی دنیا میں دن رات ہوتے رہتے ہیں۔ ہمارے ہاں انھیں کوئی جانتا بھی نہیں۔ اس دنیا میں ایک مرد اور ایک عورت رہتے تھے۔ ان کا بس ایک ہی کام تھا یعنی وہ اکثر ایک دوسرے کے ساتھ پھرا کرتے تھے۔ یہ ایسی بات ہے جو کبھی کبھی اس دنیا میں بھی پائی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ اس ستارے کی دنیا میں ایک اور خصوصیت بھی۔ جو یہاں نہیں پائی جاتی۔ وہاں ایک گھنا جنگل تھا جس کے درختوں کے تنے اور شاخیں اس طرح ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے کہ گرمیوں میں بھی سورج دکھائی نہ دیتا۔ اس کے قریب ہی ایک مندر تھا۔ دن کے وقت وہاں ایک عجیب قسم کی خاموشی طاری رہتی۔ لیکن رات کے وقت جب ستارے جگمگا رہے ہوں۔ یا جب چاند کی دلکش چاندنی درختوں کی چوٹیوں اور اونچی ٹہنیوں کو روشن کر رہی ہو۔ اس وقت اگر کوئی انسان تن تنہا رنگ کر قربان گاہ کی سیڑھیوں پر دو زانو ہو جائے اور چھاتی ننگی کر کے اس طرح زخمی کرے کہ خون کے قطرے قربان گاہ کی سیڑھیوں پر گریں۔ تو اس کی ہر ایک دعا قبول ہو جاتی تھی۔

اس عورت کی دلی خواہش تھی کہ مرد کو تمام دنیا کی نعمتوں اور خوشیوں سے مالامال دیکھے۔ وہ دنیا کا بہت بڑا اور دولت مند انسان ہو۔ بزرگی اور عزت اس کے قدم چومیں۔

ایک رات جب چودھویں کا چاند اپنا نور بکھیر رہا تھا۔ اور سمندر کی لہریں چاندی کی طرح جھلمل کر رہی تھیں۔ وہ عورت اس جنگل کی طرف چل دی۔ درختوں کے نیچے گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا رہا تھا۔ البتہ چاند

کی ہلکی ہلکی کرنیں کسی کسی جگہ اس کے پاؤں
تلے چر چر کرنے والے پتوں پر پڑ رہی تھیں
لیکن اس سے کچھ دور اندھیری رات کی
سی سیاہی پھیل رہی تھی۔ اور چاند کی
کوئی کرن ٹہنیوں کے اس تنگ و تاریک
راستے سے گذر کر زمین تک نہیں پہنچ سکتی
تھی۔ جنگل سے گذر کر وہ قربان گاہ پہنچی۔ اور
دو زانو ہو کر دعا مانگنے لگی لیکن اس کے جواب
میں کوئی آواز اسے سنائی نہ دی۔ تب اس نے
اپنی چھاتی ننگی کی۔ اور قریب ہی دھرے ہوئے
ایک تیز نوکدار پتھر کو اٹھا کر نہایت حوصلہ مندانہ
انداز سے زخمی کیا۔ سرخ لہو کی بوندیں آہستہ
آہستہ سیڑھیوں کے پتھروں پر گرنے لگیں۔ اور
ایک مختصر سے وقفہ کے بعد ایک آواز نے
پوچھا "تمہیں کس چیز کی تمنا ہے"؟ عورت
نے جواب دیا "ایک مرد ہے جسے میں دنیا
کی تمام چیزوں سے عزیز سمجھتی ہوں۔ میری
آرزو ہے کہ اس کے دلی مقصد کے لئے
دعا مانگوں"۔ آواز آئی "وہ کیا مقصد ہے"؟
لڑکی نے جواب دیا "یہ مجھے معلوم نہیں لیکن
میں یہ چاہتی ہوں کہ اسے جس چیز کی تمنا
ہے۔ وہ پوری ہو جائے"۔ آواز نے کہا:۔
"تمہاری دعا قبول ہوتی ہے۔ اسے وہ چیز
حاصل ہو جائے گی"۔

اب وہ کھڑی ہو گئی۔ اور اپنی زخمی
چھاتی کو چادر سے ڈھانک کر باہر نکل آئی
وہ ساحل کے قریب آہستہ آہستہ جا رہی
تھی کہ یکایک ٹھٹک کر خاموش کھڑی
رہ گئی۔ اس نے آنکھوں پر ہاتھ کا سایہ ڈال کر
غور سے دیکھا۔ سمندر میں ایک کشتی چاندنی میں
نہائی ہوئی لہروں کے سہارے آہستہ آہستہ
چل رہی تھی۔ اس میں ایک شخص کھڑا تھا۔
اگرچہ اس کا چہرہ صاف طور پر دکھائی نہیں
دیتا تھا۔ لیکن اس کے انداز قد سے وہ بخوبی
واقف تھی۔ کشتی تیزی سے جا رہی تھی۔ اور
اس قدر تیز کہ اس میں بیٹھنے والوں کی صورتیں
دکھائی نہ دیتی تھیں۔ صرف اتنا معلوم ہوتا
تھا کہ کشتی کے پیچھے کوئی دوسرا انسان بیٹھا
تھا۔ لڑکی نے حیرت و تعجب سے نہیں۔ بلکہ
نامعلوم جذبات سے اس کی طرف دوڑنا
شروع کیا لیکن افسوس کہ اس تگ و دو
کے باوجود بھی وہ اس کے قریب نہ پہنچ سکی۔

اس کا دوپٹہ جس نے اس کا نازک اور خوبصورت
بدن ڈھانک رکھا تھا۔ ہوا سے پھڑپھڑا رہا تھا
اور اس کے لانبے اور سیاہ بال نور سے چمک
رہے تھے۔

اس کے کان میں کسی نے آہستہ سے کہا
"کیوں کیا بات ہے؟"۔ لڑکی نے چلا کر کہا "اپنے
خون کے عوض میں جنے اس کے لئے ایک
تحفہ خریدا تھا۔ اور وہ تحفہ میں اسے دینے کے
لئے لائی تھی۔ مگر وہ مجھ سے ہمیشہ کے لئے جدا
ہو رہا ہے"۔ آواز نے آہستہ سے کہا "تمہاری
ہی دعا کا اثر ہے کہ اس کی دلی خواہش پوری
ہوگئی"۔ عورت نے چلا کر کہا وہ کیا خواہش
تھی۔ آواز نے جواب دیا "اس کی خواہش
یہ تھی کہ وہ تم سے جدا ہو جائے"۔ یہ سنتے ہی
لڑکی کی رگوں میں خون سرد پڑ گیا۔

دور سمندر میں چمکدار لہروں میں کشتی تیز
رفتاری سے بڑھ رہی تھی۔ یہاں تک کہ آہستہ
آہستہ اس کی نظروں سے اوجھل ہوگئی۔

آواز نے پھر ایک بار نرمی اور آہستہ سے
پوچھا "کیا تم مطمئن ہو" لڑکی نے جواب دیا
کیوں نہیں۔ اللہ کی مرضی یہی تھی۔"

سمندر کی بے قرار لہریں اللہ کی رضا پر شاکر رہنے
والی دیوی کے پاؤں پر نثار ہونے لگیں صبح
کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں نے اس کے
مقدس جسم پر بوسے دئے۔ فضا ایک دل خوش کن
موسیقی سے گونج اٹھی۔ چاروں طرف "اللہ
کی مرضی یہی تھی" کے نعرے گونج رہے تھے
چاند نے عزت اور احترام کے ساتھ آنکھیں
جھکالیں۔

جادو کا لمپ

امتیاز حسین صاحب فائز بنارسی

ایک سپاہی اپنی نوکری سے علیحدہ کر دیا گیا
بے چارہ بہت غریب تھا۔ اس نے سوچا کہ
مجھے سفر کرنا چاہیئے۔ شاید اللہ روزی کا کوئی
وسیلہ پیدا کر دے اور میں امیر ہو جاؤں۔ یہ
سوچ کر وہ ایک طرف کو روانہ ہوگیا۔ چلتے چلتے
وہ شام کے وقت ایک جنگل میں پہنچا اور اِدھر
اُدھر نظر دوڑانے لگا یکایک کچھ فاصلہ پر اسے
روشنی نظر آئی۔ قریب پہنچنے پر معلوم ہوا کہ اس

جھونپڑی میں جادوگرنی رہتی ہے، سپاہی نے اُس سے بڑی عاجزی سے رات بھر رہنے کی درخواست کی۔ جادوگرنی نے بڑی مشکل سے اس کی درخواست اس شرط پر منظور کی کہ صبح کو اس کا پورا باغ گوڑ دے سپاہی نے منظور کرلیا اور کھا پی کر سو رہا۔ صبح کو وہ تڑکے ہی اُٹھا اور باغ گوڑنے لگا مگر باغ اتنا بڑا تھا کہ شام تک مشکل سے وہ کام ختم کر سکا۔ وہ اتنا تھک گیا تھا کہ ہل بھی نہ سکتا تھا۔ اس لئے اس نے اس رات کے لئے بھی اجازت لی اور اُس نے اس شرط پر اجازت دی کہ دوسرے دن ایک گاڑی بھر کر لکڑی کاٹ لائے۔ سپاہی نے منظور کرلیا اور صبح کو وعدہ کے مطابق لکڑی کاٹنے میں مشغول ہوگیا۔ مگر اب کے بھی اس کا کام شام کو تمام ہوا۔ اور تھک جانے کی وجہ سے اُس نے رات بھر کی اجازت چاہی۔ اس دفعہ جادوگرنی نے یہ شرط لگائی کہ "ایک

کنویں سے نیلی روشنی نکلتی ہے اس میں ایک لمپ جل رہا ہے۔ مجھے وہ لمپ نکال کر لا دو"۔ سپاہی بے چارہ کیا کرتا مجبور تھا اُسے یہ شرط بھی منظور کرنا پڑی۔ صبح کو جادوگرنی نے اسے کنویں کے پاس لے جاکر کھڑا کر دیا اور کہا کہ کنواں بہت ہی اُتھلا ہے بس کود جاؤ۔ لمپ مل جائے تو میرا ہاتھ پکڑ کر اوپر چڑھ آنا۔ سپاہی اندر کود گیا۔ فوراً ہی اُسے لمپ مل گیا۔ اُس نے عورت سے کہا۔ اب میری مدد کیجئے کہ اوپر چڑھ آؤں۔ وہ چالاک عورت بولی "پہلے مجھے لمپ دے دو"۔ سپاہی سمجھ گیا کہ وہ لمپ لے کر اسے کنویں میں چھوڑ دینا چاہتی ہے۔ اس نے کہا: جب تک آپ مجھے نکال نہ لیں گی میں لمپ نہ دوں گا"۔ جادوگرنی غصہ ہو کر بولی۔ بدبخت اگر نہیں دیتا ہے تو جا اپنی سزا کو بھگت اور یہیں مر"۔ غریب سپاہی کنویں کے اندر بیٹھ گیا اور لمپ سے سگار جلا کر پینے لگا۔

جونہی اس نے سگار جلایا۔ ایک بونا آدمی سپاہی کی طرف آتا دکھائی دیا۔ قریب آکر وہ سپاہی سے بولا۔

"آپ کو مجھ سے کیا کام ہے؟"

"کچھ نہیں"

"میں آپ کا حکم دل وجان سے غلام کی طرح پورا کروں گا۔"

"اچھا تو پہلے یہ مہربانی کرو کہ مجھے اس کنویں سے نکال دو اور اس جادوگرنی کو اندر ڈال دو۔"

"بہت خوب"

یہ کہہ کر اس نے سپاہی کو فوراً باہر نکال لیا اور جادوگرنی کو پکڑلایا اور کنویں میں پھینک دیا۔

سپاہی نے جادوگرنی کی تمام دولت جمع کی اور شہر کی طرف جانے لگا۔ چلتے وقت اس نے بونے کو جانے کی اجازت دی بونے نے رخصت ہوتے وقت کہا جب آپ مجھے بلانا چاہیں لمپ سے سگار جلا دیجئے مجھے موجود پائیے گا۔ (باقی باقی)

دو دو باتیں

کسی پچھلے پرچے میں "محمد علی رننگ کپ" کے سلسلہ میں تحریری و تقریری انعامی مقابلہ کی خبر دی گئی تھی۔ یہ مقابلہ ۲ فروری کو ۲½ بجے جامعہ تعلیمی مرکز نمبر ۱ کے ہال میں شروع ہوا۔ دہلی کے آٹھ اسکولوں کے بچوں نے اس میں حصہ لیا۔

پہلے تحریری یعنی مضمون لکھنے کا مقابلہ تھا۔ اس کے لئے عنوان پہلے سے مقرر کر دیا گیا تھا یعنی "پچھلے چند سالوں میں کہاں کہاں کی سیر کی ان میں سے اپنی پسند کی دو سیروں کا دلچسپ حال لکھو" علاوہ اس کے ایک عنوان یعنی "مدرسہ کی آرائش کے لئے کیا کیا چیزیں ضروری ہیں" وقت کے وقت دیا گیا۔ تمام بچوں نے اس مقابلہ میں بہت دلچسپی سے حصہ لیا خصوصاً پہلے عنوان (سیر) پر لڑکوں نے بہت اچھے اور دلچسپ مضمون لکھے۔ ان میں سے دو ایک مضمون ہم انشاءاللہ پیام تعلیم میں بھی شائع کریں گے۔

شام کو آٹھ بجے سے تقریروں کے مقابلہ کا جلسہ شروع ہوا۔ پہلے تیسرے درجہ تک کے بچوں کا مقابلہ تھا۔ تقریر کے لئے یہ چار عنوان پہلے سے مقرر کر دئے گئے تھے۔ ۱۔ گھوڑا ۲۔ اونٹ ۳۔ ہاتھی ۴۔ گدھا بچوں کو ان میں سے ایک پر تقریر کرنا تھی جلسہ میں اونچی جگہ پر ان جانوروں میں سے کسی ایک کی تصویر لٹکا دی جاتی تھی اور ایک لمبی اور پتلی

سی لکڑی دے کر بچے سے کہا جاتا تھا کہ اس جانور کے متعلق جو کچھ اُسے معلوم ہو، بیان کرے۔ یہ طریقہ بہت دلچسپ ثابت ہوا۔ جامعہ تعلیمی مرکز نمبر ا کے ایک طالب علم رافع الزماں نے اپنی بھولی بھالی زبان میں بڑی، مزیدار تقریر کی۔

اس کے بعد آٹھویں درجے تک کے لڑکوں کا مقابلہ ہوا۔ ان کے لئے یہ عنوان مقرر کیا گیا تھا: "انسان کی خدمت کے لئے مقرر کی نسبت مصنف زیادہ مفید ہے۔" یہ مقابلہ بھی بہت دلچسپ رہا اور بعض لڑکوں نے بہت اچھی تقریریں کیں۔ کوئی دس بجے ان لڑکوں کی تقریریں ختم ہوئیں اور جلسہ دوسرے دن کے لئے ملتوی ہوا۔

دوسرے دن (۵ فروری) ۱۰ بجے دوبارہ جلسہ شروع ہوا۔ اس مرتبہ انھیں آٹھویں درجے تک کے لڑکوں کو ایک عنوان دے کر پانچ منٹ سوچنے اور پھر تقریر کرنے کا موقع دیا جاتا تھا (اس قسم کی تقریر کو فی البدیہہ تقریر کہتے ہیں) مقابلہ کی یہ شکل ذرا مشکل تھی اس لئے دو ہی ایک لڑکوں کی تقریریں اچھی رہیں۔

ان تقریروں کے ختم ہو جانے پر جو لڑکے ان مقابلوں میں پہلے اور دوسرے نمبر پر آئے تھے اُن کے نام پڑھے گئے، وہ نام ہم یہاں لکھتے ہیں۔

تحریری (مضمون لکھنے کا مقابلہ)

۱۔ خلیل الرحمٰن (آٹھواں درجہ) گورنمنٹ ہائی اسکول دہلی۔ پہلا نمبر
۲۔ چرن آدھار (چھٹا درجہ) ایم بی مڈل اسکول پہاڑ گنج دہلی } دوسرا نمبر
۲۔ جمیل الرحمٰن (ساتواں درجہ) پنجابی اسلامیہ اسکول صدر بازار }

تقریری مقابلہ

۱۔ عبدالمتین (چھٹا درجہ) پنجابی اسلامیہ اسکول صدر بازار دہلی۔ پہلا نمبر
۲۔ عبدالناصر (") جامعہ تعلیمی مرکز نمبر ا دوسرا نمبر

تیسرے درجے تک کے لڑکوں کا مقابلہ (جانوروں پر تقریریں)

۱۔ رافع الزماں۔ (تیسرا درجہ) جامعہ تعلیمی مرکز نمبر ا پہلا نمبر
۲۔ اخلاص احمد (دوسرا درجہ) پنجابی اسلامیہ اسکول دوسرا نمبر
۳۔ محمد رفیع (پہلا درجہ) فتحپوری اسلامیہ اسکول دہلی۔ تیسرا نمبر

جناب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب پرنسپل جامعہ ملیہ نے انعام تقسیم فرمائے۔ پنجابی اسلامیہ اسکول صدر بازار کے تینوں لڑکوں نے اور اسکولوں کے مقابلہ میں زیادہ نمبر حاصل کئے تھے اس لئے ٹرافی انہی کو ملی۔ یہ ٹرافی چاندی کی تھی اور جامع مسجد کی شکل پر بنائی گئی تھی۔ اس کے تینوں گنبدوں پر سونے کا پانی چڑھا ہوا تھا اور اس سے اس کی خوبصورتی بہت بڑھ گئی تھی۔

آخر میں ہم اُن تمام لوگوں کو مبارکباد دیتے ہیں جنھوں نے اس جلسہ کو کامیاب بنایا۔ امید ہے کہ اگلے سال دلی کے باہر کے اسکول بھی اس انعامی مقابلہ میں شریک ہوں گے۔

اردو پرائمری اور مڈل اسکولوں کے طلبہ کو خوشخطی سکھانیوالی کاپیاں

آسان خوش خطی

اکثر طلبا کا خط اچھا نہیں ہوتا اور وہ اس طرف توجہ بھی بہت کم کرتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کا خط پھر اچھا ہی نہیں ہوتا۔ اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بدخط رہتے ہیں۔ آسان خوش خطی کی کاپیاں اس خیال کو مدنظر رکھتے ہوئے تیار کرائی گئی ہیں کہ طلبا بغیر استاد کی مدد کے نہایت آسانی کے ساتھ ان کاپیوں پر مشق کریں اور اپنے حروف درست کرلیں۔ ماہرین تعلیم نے ان کاپیوں کو پسند فرمایا ہے

حصہ اول۔ الف سے لیکر ے تک کی مشق جدید طریقے پر۔ قیمت ۱؎ ,,

,, دوم تختیاں، بطرز جدید ,, ,,

,, سوم مرکب الفاظ جوڑ اور شوشوں کی مشق ,, ,,

,, چہارم اچھے اخلاقی اشعار کی مشق ,, ,,

مکتبہ جامعہ، قرول باغ دہلی

بچوں کے لئے اچھی اچھی کتابیں

تاریخ اسلام کا جدید نصاب

۱- ہمارے نبی	جماعت دوم کے لئے	قیمت	۳ر
۲- نبیوں کے قصے	" سوم "	"	۵ر
۳- سرکار دو عالم	" چہارم "	"	۸ر
۴- خلفائے اربعہ	" پنجم "	"	۱۰ر

بچوں کا قاعدہ ۴ر رہنمائے قاعدہ ۲ر ہمارے رسول ۵ر

عام معلومات بڑھانے والی کتابیں		بچوں کے لئے ڈرامے	
دنیا کے بسنے والے	۶ر	دیانت	۲ر
تاریخ ہند کی کہانیاں	۳ر	بچوں کا انصاف	۴ر
باغبانی پروجکٹ	۸ر	اسکول کی زندگی	۴ر
میلاد النبی پروجکٹ	۶ر	محنت	۴ر
اچھی باتیں	۴ر	شریر لڑکا	۴ر

مکتبہ جامعہ، قرول باغ۔ دہلی

جلد ١٤ نمبر ٥
جامعہ ملیہ اسلامیہ کا پندرہ روزہ تعلیمی رسالہ
٧ مارچ سنہ ٣٣ ع

فہرست مضامین

Jamia Press.

ایڈیٹر۔ سعید انصاری

دو دو باتیں

اکثر پیام بھائی، پیام تعلیم کو مضمون بھیجتے یا اڈیٹر کو خط لکھتے وقت اپنا پورا پتہ نہیں لکھتے اس سے خط کتابت میں بڑی دقت ہوتی ہے۔ اکثر ہم ان کے مضمون کی رسید تک انھیں نہیں پہنچا سکتے اور ہمیں اور انھیں دونوں کو الجھن ہوتی ہے۔ امید ہے کہ آئندہ وہ اس معاملہ میں احتیاط سے کام لیں گے

کسی پچھلے پرچہ میں ہم نے پیام بھائیوں کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ رسالہ کی ترقی کے لئے ہم اپنی سی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم سب مل کر اس کشتی کو پار لگائیں۔ اگر پیام تعلیم کے پڑھنے والے بھائی اور عزیز اپنی امداد کے ذریعہ ہماری ہمت بڑھائیں تو ہماری کوششوں کو چار چاند لگ جائیں گے +

اس امداد کی بہت سی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ آپ پیام تعلیم کو مضمون بھیج کر ہماری مدد کر سکتے ہیں۔ پیام تعلیم کے متعلق مفید مشورے دے کر ہماری مدد کر سکتے ہیں اور پیام تعلیم کے خریدار بنا کر ہماری مدد کر سکتے ہیں +

ان صورتوں میں سے جس صورت میں آپ کو سہولت ہو، اس پر بلا تکلف عمل کیجئے۔ ہم آپ کی آئندہ عنایتوں اور نوازشوں کے منتظر رہیں گے۔

۲۷ر فروری کو ہماری جامعہ کے ایک عزیز طالب علم محمد اسمٰعیل صاحب (متعلم ثانوی چہارم) کی شادی بڑی دھوم دھام سے منائی گئی۔ دولھا میاں اور ان کے والد محترم حاجی محمد رفیع الدین صاحب ہمیشہ کی طرح اس موقع پر بھی جامعہ کو نہیں بھولے اور جامعہ کو پانسو روپیہ کی رقم مرحمت فرمائی۔ ہم دولھا میاں اور ان کے والد محترم اور دوسرے عزیزوں کی خدمت میں دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

تتلی

(محمد حسین صاحب محوی)

خوشنما جسم ترا، اے تتلی
جسم چھوٹا سا ہے، نازک بازو
صرف صورت تری کیا پیاری ہے
جا کے ہر پھول پہ چالاکی سے
پیار کرتی ہے اسے چوم کے تو
دی ہے فطرت[۴] نے نزاکت تجھ کو

دل رُبا تیری ادا، اے تتلی
رنگ، جیسے گُلِ رعنا[۱] دل جو[۲]
تیری اُڑنے کی ادا پیاری ہے
تو لپٹ جاتی ہے، بیباکی[۳] سے
لیتی ہے اس سے غذا جھوم کے تو
کہ کسی پھول پہ تو بار[۵] نہ ہو

---

[۱]- خوب صورت، رنگ برنگا پھول۔ [۲] دل کو لگنے والا، پیارا۔ [۳] نڈر ہو کر۔ بے خوفی سے۔ [۴] خدا کی قدرت نے۔ [۵] بوجھ۔

ننھی منی سی ہے تتلی اتری جاں
تو خدا جانے، ہے بچی کہ جواں

اچھے خوش رنگ پروں پر ہیں جو خال[1]
ان سے ہے بانکا تری صورت کا جمال[2]

ننھے ننھے پھوٹے ہیں شرارے[3] روشن
یا پروں پر ہیں ستارے روشن

صحن گلشن[4] میں ادھر اور ادھر
پھول اڑتے ہوئے آتے ہیں نظر

تیری پرواز[5] مجھے بھاتی ہے
[illegible]

گھومتی پھرتی ہے ڈالی ڈالی
جھومتی پھرتی ہے، ڈالی ڈالی

لوریاں تجھ کو ہوا نے دی ہیں
تھپکیاں تجھ سے صبا[6] نے لی ہیں

تیز آندھی کا چلے جب جھونکا
تب ہے دشوار ٹھہرنا تیرا

دھوپ آنے سے نہ ہو تو مایوس
جب لگے پیاس تو رس پھول کا چوس

بھاگ، اڑ، بھاگ وہ بچے آئے
ان کے ہاتھوں سے نہ پکڑی جائے

نا سمجھ ہیں تجھے کب چھوڑیں گے
تجھ کو پائیں گے تو پر توڑیں گے

مان محوی کا کہا اے تتلی
کہ یہ ہے دوست ترا اے تتلی!

---

[1] تل ۔ [2] خوب صورتی ۔ [3] چنگاری ۔ [4] باغ ۔ [5] اڑان ۔ اڑنا ۔ [6] صبح کی ہوا

عجائب خانہ سمندر

سید محمد عسکری صاحب جعفری
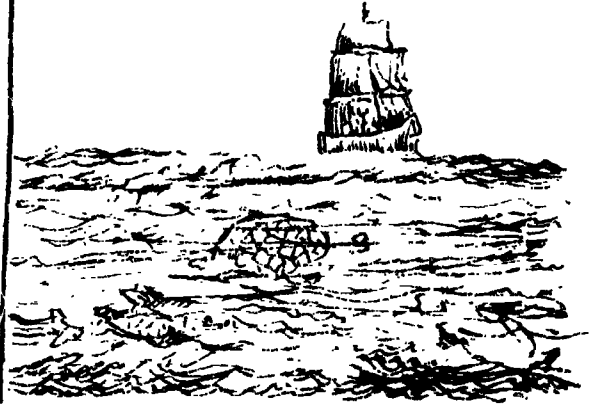
ایسے بے کس اور بے بس جانور
جنھیں اپنی حفاظت کے لئے نہ ہاتھ میسر
ہے، نہ پاؤں۔ دوسرے بڑے جانوروں کا
نہایت آسانی سے شکار ہو جاسکتے ہیں۔ مگر
قدرت کا انتظام دیکھو کہ انھیں بھی حفاظت
کے طریقے تبلا دیئے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ
دریا میں سے کس طرح مادہ حاصل کرکے اپنے
جسم کے اطراف ایک ڈھانچہ یا خول بنالیں
تم نے کارل (مرجان) اور سپنج کے بیان
میں پڑھا ہے کہ کس طرح ان کے ڈھانچے
بتدریج[1] بڑے بڑے پہاڑ اور جزیرے
بن گئے۔ اسپنج کا کیڑا بھی اسی طرح سے
ڈھانچے اور خول اپنے رہنے کے لئے بناتا
ہے۔ اور تم جو اسپنج استعمال کرتے ہو، یہ
وہی خول ہے۔ ایک بڑے عقلمند کا قول
ہے کہ ان ڈھانچوں کے سبب سے آج تک
کوئی اسپنج کسی بڑے جانور کا شکار نہیں ہوا
اس ڈھانچے کی کیفیت بالکل بھول بھلیاں
کی سی ہے۔ اگر اس وضع کا مکان بناکر
تمھیں اس میں چھوڑ دیا جائے تو تم اس
کے دالانوں اور کمروں میں پھر پھر کر پریشان
پریشان ہو جاؤ گے۔ اور قیامت تک باہر
نہ آسکو گے۔ اس میں سینکڑوں باریک باریک
سوراخ ہیں۔ جن میں سے پانی کے ساتھ
چھوٹی چھوٹی چیزیں اندر جاسکتی ہیں اور
چند بڑے بڑے راستے بنے ہوئے ہیں۔
جس کے ذریعے وہ باہر آسکتی ہیں۔ اگرچہ
ظاہراً دیکھنے میں اسپنج بہت نرم ہوتا ہے اور
تم خیال کروگے کہ مچھلیاں اس کو آسانی کے
ساتھ کھا جاسکتی ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے
بڑی سے بڑی مچھلی بھی اسے نہیں چبا سکتی
تم چبا کے دیکھو، دانت رہ جائیں گے اور

[1] آہستہ آہستہ

یہ نہ چبایا جائے گا۔ اسی لئے بڑے دریائی جانوروں نے اس کا شکار کرنا چھوڑ دیا ہے اس کے علاوہ اس کیڑے نے اپنے خول میں چند نہایت سخت اور نکیلے نیزے بھی چھپا رکھے ہیں۔ جو مچھلیوں کے منہ میں بری طرح سے چبھ جاتے ہیں۔ اسپنج کی زندگی میں اس خول کے اندر باہر ہر طرف ایک لعاب سا لپٹا رہتا ہے۔ اور جب پانی کے ساتھ چھوٹے چھوٹے جانور ان سوراخوں کے اندر داخل ہوتے ہیں۔ تو پھر انھیں باہر نکلنا نصیب نہیں ہوتا۔ اسی لعاب میں گھل کر اسپنج کی غذا بن جاتے ہیں۔ پانی ہر ایک سوراخ میں سے داخل نہیں ہوتا۔ بلکہ چھوٹے سوراخ پانی کو اندر لینے کے لئے بنے ہیں اور بڑے سوراخ باہر نکالنے کے لئے۔ اس طرح سے پانی کی آمدورفت کو قائم رکھنے کے لئے اہتمام یہ ہے کہ ان سوراخوں میں بہت ہی مہین بال اُگے ہوئے ہیں۔ چھوٹے سوراخوں میں جو بال ہیں وہ باہر سے اندر کی طرف حرکت کرتے ہیں۔ اور اس حرکت کے ساتھ پانی اندر آنا شروع ہوتا ہے اور رہی اندر اسپنج کے بیچ میں جا پہنچتا ہے۔ یہاں کیڑے مکوڑے اور کھانے کے قابل پودے چن لئے جاتے ہیں۔ جس کے بعد پانی انھیں بالوں کے ذریعے بڑے سوراخوں کی سمت بہا دیا جاتا ہے۔ بعض وقت پانی کے ساتھ ساتھ کچھ خوفناک اور نقصان پہنچانے والے کیڑے اور پودے اندر داخل ہو جاتے ہیں۔ خدا جانے کسی طرح ان میں اور کھانے کے قابل کیڑوں میں اسپنج فرق کر سکتا ہے مگر اسے اپنے ننھے دشمنوں کی خبر ہو جاتی ہے اور چھوٹے چھوٹے نیزے جو جسم میں پوشیدہ ہیں انھیں باہر نکال پھینکتے ہیں *

کیا تم اپنے کان ہلا سکتے ہو؟

(سید ابو طاہر داؤد صاحب۔ بی ایس سی)

ایک دفعہ ہم ہرن کے شکار کو گئے۔ ایک بھیل کو ساتھ لے کر جھاڑیوں اور جنگلوں میں ہرنوں کی تلاش کر رہے تھے کہ یکایک ایک جھاڑی میں سے ہمیں ہرنوں کا ایک غول کا غول نظر آیا۔ جو کچھ فاصلے پر کھڑا تھا۔ ابا جان بندوق ہاتھ میں لے کر جھاڑیوں کی آڑ لیتے

ہوئے ان کے پیچھے پہنچ گئے۔ ہرنوں سے فاصلہ اب بھی زیادہ تھا۔ اگر وہاں سے کھڑے ہوکر بندوق چلاتے تو نشانہ ٹھیک نہ بیٹھتا۔ مگر وقت یہ تھی کہ آگے جھاڑیاں ایسی گھنی اور لمبی نہ تھیں، جن میں ایک آدمی چھپ کر ان کے قریب پہونچ سکتا۔ اس لئے ابا جان وہیں زمین پر لیٹ گئے اور پیٹ کے بل سرکنا شروع کیا۔

ہرن گھاس چرتے جاتے تھے اور بار بار گردن اٹھا اٹھا کر کنوتیاں بدل بدل کر چاروں طرف دیکھتے جاتے تھے۔ جوں جوں ابا جان سرک سرک کر ان کے قریب ہوتے جا رہے تھے، ان میں بھی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ زمین پر رینگنے سے جو آواز پیدا ہوتی ہے وہ ہم لوگ کبھی نہیں سن سکتے، مگر ہرن سن رہے تھے۔ اور چوکنے ہو ہو کر ادھر اُدھر دیکھ رہے تھے۔ ان کو معلوم ہو گیا تھا کہ دشمن قریب ہی ہے۔

ابا جان نے بندوق کا گھوڑا ہٹا کر لبلبی پر انگلی رکھی۔ یہ آواز ہرنوں کے کانوں تک پہونچ گئی۔ خطرے کا سگنل ہو گیا۔ اور۔ اور آنکھ جھپکتے میں پورا غول کا غول ہوا ہو گیا ابا جان نے فائر کیا مگر بے کار۔

ابا جان کو شکار سے خالی ہاتھ واپس آنے کا بہت افسوس تھا۔ گردن نیچی کئے آہستہ آہستہ چل رہے تھے، مجھے ان کی ناکامی پر بہت رنج ہوا۔ میں نے دل میں سوچا کہ اب ان کا خیال اس طرف سے کس طرح ہٹاؤں اور ان سے کون ساذکر چھیڑوں۔ آخر میں پوچھ ہی بیٹھا۔ "ابا جان، کیا ہرنوں کے کان ہمارے کانوں سے مختلف ہیں؟"

ابا جان میرے سوالوں کا جواب ہمیشہ دیا کرتے تھے۔ فوراً سر سیدھا کر کے "ہوں" کہا اس طرح، جیسے کوئی خواب سے چونکتا ہے، بولے، کیا کہا؟

میں نے ڈرتے ڈرتے پھر سوال دھرایا۔ کہنے لگے "تمھارا یہی مطلب ہے نا کہ وہ ہلکی سے آواز بھی کس طرح سن لیتے ہیں جو ہم نہیں سن سکتے"

میں نے کہا "جی ہاں"

کہنے لگے "نہیں، ان کے کان اور ہمارے کان بالکل ایک سے ہیں۔ مگر فرق یہ ہے کہ ہم شہروں میں رہ رہ کر غل اور شور کے عادی

ہو گئے ہیں۔ جو مشین زیادہ چلائی جاتی ہے وہ
خراب ہو جاتی ہے۔ ہمارے کان بھی اسی طرح
خراب ہو گئے ہیں۔ ایک ہی وقت میں کوئی
ٹھٹھے مارتا ہے، کوئی روتا ہے، کوئی چلاتا ہے،
کوئی باجہ بجاتا ہے، ہر وقت ٹریم کی گھڑگھڑاہٹ،
ریل گاڑی کی چھک چھک گاڑیوں کی کھڑکھڑ
اور گھوڑوں کے ٹاپوں کی آوازیں ہمارے
کانوں پر ہتھوڑوں کی طرح لگتی رہتی ہیں۔ ہم
قریب سے کسی کی کانا پھوسی تو سن ہی نہیں سکتے تو
پھر بھلا دور سے باریک آوازیں کس طرح
سن سکتے ہیں۔

میں نے کہا "کیا گاؤں والے ہم سے
زیادہ سن سکتے ہیں؟"

ابا نے جواب دیا "بے شک، امریکہ
کے وحشی تو درخت پر کان لگا کر بتا دیتے ہیں
کہ ایک میل کے فاصلہ پر کوئی آرہا ہے، مگر
جانوران سے بھی زیادہ ہوشیار رہتے ہیں"

"اچھا تم اپنے کان ہلا سکتے ہو" انھوں نے
مسکرا کر مجھ سے سوال کیا۔ میں نے گھوڑوں
اور ہرنوں کو کان ہلاتے ہوئے بارہا دیکھا
تھا۔ کان ہلانے کی لاکھ کوشش کی مگر وہ ٹس
سے مس نہ ہوئے۔ ابا ہنسنے لگے، پھر بولے
"دیکھو جانوروں کے کان ہلانے کو ہم
کنوتیاں بدلنا کہتے ہیں۔ آواز جدھر سے بھی
آتی ہے، جانور اپنے کان گھما کر اسی طرف کر دیتے
ہیں اور اس طرح وہ آواز سن لیتے ہیں جنھیں
تم کان کہتے ہو وہ در اصل کان نہیں ہیں
بلکہ گراموفون کے بھونپو کی طرح آواز میں
گونج پیدا کرنے کے لئے ہیں۔ اصلی کان
ہمارے سوراخوں کے اندر ہیں۔ اس لئے
اگر ہمارے اوپر کے کان نہ بھی ہوں تب بھی
کوئی نقصان نہیں، البتہ لوگ بوچا کہیں گے۔
تم جب کسی زمانے میں پورے انسان نہیں
بنے تھے اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بندر
تھے، تو اپنے کان ہلا سکتے تھے۔ رفتہ رفتہ
جب انسان ہوئے تو تم نے کان ہلانا چھوڑ
دیا۔ جس چیز کو بھی کام میں نہ لاؤ وہ خراب ہو جاتی
ہے۔ اسی طرح ہم اپنے کان ہلانے کی طاقت کھو
بیٹھے۔ کان کے قریب گوشت کے تین پٹھے
جن سے ہم انھیں ہلایا کرتے تھے، اب بھی
موجود ہیں۔ مگر مردہ ہو چکے ہیں۔"

جزیرہ نمائے ملایا

احسان اللہ خان متعلم جامعہ

زمین کا ایک تنگ ٹکڑا یعنی خاکنائے کرا سیام و برما سے اس جزیرہ نما کو جدا کرتی ہے۔ اور یہاں سے یہ سات سو میل تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کا کل رقبہ ستر ہزار مربع میل اور آبادی چھ لاکھ پچاس ہزار ہے۔ ساحل پر کچھ میدان چھوڑ کر بیچ میں آٹھ آٹھ ہزار فٹ اونچے پہاڑ چلے گئے ہیں۔ یہ بہت سرسبز پہاڑ ہیں اور ان پر درختوں کے بہت گھنے جنگل ہیں۔ ہاتھی شیر۔ جنگلی بھینسے۔ ہرن اور قسم قسم کے جانور یہاں پائے جاتے ہیں۔ میدانوں کا موسم گرم ہے لیکن سمندر کی ہوا پورب اور پچھم کی طرف سے آتی اور گرمی کو کسی قدر کم کرتی رہتی ہے۔ دونوں طرف کی ہوائیں سمندر کی نمی لے کر یہاں خوب پانی برساتی ہیں۔

سمندر کے کنارے کے میدانوں میں دھان، اوکھ اور ناریل کی پیداوار سب سے زیادہ ہے۔ جہاں جنگل کاٹ کر پہاڑ کے پہلو صاف کر دئے گئے ہیں وہاں مسالے، ربر اور قہوہ بویا جاتا ہے۔ جنگلوں سے عمارت کے قابل لکڑی، بانس، بید اور گوند ملتا ہے۔

یہاں کانیں بھی ہیں۔ ٹین یہاں بہت نکلتا ہے۔ یوں سمجھئے جتنا ٹین تمام دنیا میں کھپتا ہے اس کا چوتھائی حصہ یہاں پیدا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ سونا۔ لوہا۔ سیسہ جست۔ چاندی۔ پارہ اور کوئلہ بھی نکالا جاتا ہے۔

اس ملک میں کئی دریا ہیں مگر بہت چھوٹے ہیں۔ اُن میں جہاز نہیں چلائے جا سکتے۔ پھر بھی آب پاشی[1] کے لئے بہت مفید ہیں۔

آب و ہوا گرم اور مرطوب ہے۔ جس کی وجہ سے ملیریا کی بہت شکایت رہتی ہے

---

[1] آب: پانی۔ پاشی: چھڑکنا۔ کھیتوں کو جو دریاؤں اور کنوؤں سے پانی دیا جاتا ہے اُسے آب پاشی کہتے ہیں۔

گرمی بہت کم ہوتی ہے، اور جاڑا تو بالکل
نہیں ہوتا۔ بارش عموماً تمام سال ہوتی ہے۔

اس ملک کے رہنے والے چینیوں سے
بہت ملتے جلتے ہیں۔ ناک چپٹی، رنگ زردی
مائل، چہرہ گول، گال نکلے ہوئے بال سیاہ
آنکھیں بھری ہوئی۔ یہ لوگ اکثر بدھ مذہب
سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہاں ہزاروں کی تعداد
میں بدھ مندر موجود ہیں۔ جو "پگوڈا" کے نام سے
مشہور ہیں۔ اس کے علاوہ یہ لوگ سفید ہاتھی
کی بھی بہت تعظیم کرتے ہیں اور بعض تو اسے
پوجتے بھی ہیں۔

جزیرہ نمائے ملایا کچھ انگریزوں اور کچھ
سیام کے قبضہ میں ہے۔ انگریزی علاقے کچھ تو
خود انگریزوں کے ہاتھوں میں ہیں اور کچھ امیروں
اور رئیسوں کے۔ جو یا تو برطانیہ کے دوست
(حلیف) ہیں یا ماتحت رعایا۔ اس علاقہ کا صدر
مقام سنگاپور ہے۔ جو بالکل جنوب میں ایک
ایک چھوٹے سے جزیرہ پر واقع ہے یہ بہت
مشہور بندرگاہ ہے۔ اور جاپان اور آسٹریلیا
سے آنے جانے والے جہازوں کے راستے
میں واقع ہے۔ اس کی آبادی تقریباً تین لاکھ ہے

اس جزیرہ نما میں چار ریاستیں بھی
شامل ہیں (۱) سیام کا کچھ حصہ (۲) پیراک
(۳) مالکا (۴) جھور۔ سب سے بڑی ریاست
جھور ہے جس کا حاکم ایک مسلمان بادشاہ ہے +

زبردست دشمن

بیو، د صاحب

ایک بادشاہ سیر کے لئے سوار ہوا جب
شہر سے باہر نکلا تو ایک بڈھے آدمی نے اس
کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور بہت گڑگڑا کر
عرض کیا کہ "اے سلطان حکم دیجئے کہ آپ کا جلاد
میری گردن اڑا دے۔ یہ آپ کا بہت ہی
بڑا احسان مجھ پر ہوگا"

بادشاہ یہ التجا سن کر گھبرایا اور پوچھنے لگا
کہ "کیا تو دیوانہ اور پاگل ہے؟" بڈھے نے
کہا۔ "اگر میں پاگل ہوتا تو یہ کس طرح سمجھتا کہ
آپ بادشاہ ہیں اور میری تمنا پوری کر سکتے ہیں"

بادشاہ نے کہا کہ تو جو اپنی زندگی سے ایسا
بیزار ہے اس کی اصل وجہ کیا ہے؟ اس
بڈھے نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا کہ مجھ پر ایک ایسی

زور آور دشمن نے حملہ کیا ہے کہ نہ تو مجھ میں
اس کے مقابلہ کی طاقت ہے اور نہ اس سے
بھاگ کر پناہ لے سکتا ہوں۔ اس نے مجھ پر
میرا جینا دوبھر کر دیا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ
سسکا سسکا کر میری جان لے۔ اس لئے چاہتا
ہوں کہ مجھے یک لخت قتل کر دیا جائے تاکہ
اس رات دن کی مصیبت سے پل کی پل میں
نجات مل جائے۔

بادشاہ اور بھی حیران ہوا اور اس سے کہا
کہ تو اپنے دشمن کا نام بتا جس نے تجھے زندگی
سے بیزار کر رکھا ہے۔ تاکہ ہم اس کے ظلم سے تجھے
نجات دلائیں۔

بڈھے نے کانپتے ہوئے کہا کہ اے سخی
بادشاہ، وہ میرا دشمن مفلسی اور محتاجی ہے جس
کی وجہ سے میری ایک گھڑی بھی چین سے
نہیں گذرتی"۔ بادشاہ نے اپنے خادم کو حکم
دیا کہ اسس کو ایک ہزار روپیہ دیدو" اور
بڈھے سے کہا "اب تو میں سیر کو جا رہا ہوں
اگر تیرا دشمن پھر تجھ پر حملہ کرے تو میرے پاس آجائیو
میں پورا بندوبست کر دونگا"

بڈھا، بادشاہ کو دعائیں دیتا ہوا چلا گیا۔

ولیم ھرشل

(۲)

(مترجمہ "اشرف")

آخرکار بڑی محنت کے بعد اس نے ایک
ستارا معلوم کیا جو قد میں معمولی ستاروں سے
بڑا تھا۔ دو تین راتوں کے غور کے بعد اس
نے یہ طے کیا کہ وہ ستارہ نہ تو دوسرے
ستاروں کی طرح جھلملاتا ہے اور نہ ایک جگہ پر
قائم ہے، بلکہ نہایت روشن اور صاف ہے۔
اور اپنی جگہ سے حرکت بھی کرتا ہے۔ بڑی ہمت
کے بعد ولیم نے اپنی پہلی دریافت کو دنیا
کے سامنے پیش کیا۔

دوسرے نجومیوں نے بھی اس کو دیکھا
اور سب نے یہ طے کیا کہ ستارہ موجود تو ضرور
ہے، لیکن حرکت نہیں کرتا۔ اسی سلسلہ میں ولیم
پر بہت سے اعتراضات کئے گئے اور ثابت
کر دیا کہ اور ستارے بھی معلوم کئے جا سکتے ہیں
اس کی اس دریافت پر بہت سے انعام و اکرام
دئے گئے۔ اور جلد ہی دو سو پونڈ سالانہ کی تنخواہ
پر شاہی نجومی مقرر ہوگیا۔ اس کے بعد اس نے

چالیس فٹ لانبی چار شیشیوں کی دوربین بنائی اور اس سے آٹھ ستارے اور معلوم کیے۔ سورج اور دوسرے ستاروں کے متعلق مزید[1] معلومات حاصل کیں۔

نیوٹن کی تحقیق یہ ہے کہ چاند اپنے ستاروں کے ساتھ سورج کے چاروں طرف گھومتا ہے۔

ولیم نے بہت دنوں کی کوشش کے بعد یہ معلوم کیا کہ سورج بھی نہایت تیزی کے ساتھ گردش کرتا ہے۔ اس نے یہ بھی ثابت کیا کہ جتنے ستارے ایک جگہ قائم نظر آتے ہیں وہ کچھ نہ کچھ حرکت ضرور کرتے ہیں۔ ۱۸۲۲ء میں ۸۴ برس کی عمر میں اس نے انتقال کیا۔

شاہی نجومی ہونے کے زمانے میں دربار سے بہت سے لوگ ستاروں کی سیر کے لئے آیا کرتے تھے۔ اور ولیم کو سخت گرمی میں بغیر کھائے پیئے تمام تمام رات بسر کرنی پڑتی تھی، لیکن وہ اس سے کبھی نہیں گھبراتا تھا اسے کبھی دنیاوی عیش و آرام نصیب نہیں ہوا۔ ملک اور قوم نے اس کی کافی قدر نہیں کی۔ لیکن ان میں سے کوئی بات بھی اسکی محنت، شوق اور دلچسپی کو کم نہ کرسکی۔

وہی ولیم جو در بدر[2] گاکر روزی کماتا تھا اور ستار اور چند باجوں کے سوا اس کے پاس نہ کوئی اثاثہ[3] تھا، نہ ہنر محض اپنی محنت اور ہمت سے دنیا کے چند بڑے سائنس دانوں میں گنا جاتا ہے۔

جادو کا لمپ

(امتیاز حسن فائز بنارسی)

(۲)

اب ہمارا سپاہی پہلے کی طرح مصیبت زدہ اور غریب نہیں ہے۔ بلکہ جادو کے لمپ کی برکت سے بہت مال دار ہوگیا ہے۔ اور امیرانہ ٹھاٹھ سے رہتا ہے۔ اس وقت وہ لندن کی سرائے پوپ جان کے ایک کمرہ میں بیٹھا ہے چاء پینے کے بعد اس نے لمپ سے سگار جلایا۔ اور فوراً بونا آموجود ہوا۔ سپاہی نے اس سے کہا۔ "بادشاہ نے میرے ساتھ بہت زیادتی کی ہے میں نے اس سے بدلہ لینے کی ایک ترکیب سوچی ہے۔ تم اس کی لڑکی کو رات کیوقت

---

[1] زیادہ۔ اور نئی۔ [2] دروازہ۔ دروازے۔ [3] اسباب۔ سامان۔

میرے غسل خانہ میں چھوڑ جاؤ اور صبح کو اس کے گھر پہنچا دو۔ تاکہ چارلس دوم کو معلوم ہو کہ میرا بدلہ کتنا سخت ہوتا ہے۔ بونے نے ایسا ہی کیا۔ اور شہزادی کو سوتے میں اٹھا لایا۔ غسل خانہ میں چھوڑ دیا۔ اور صبح کو اس کے گھر پہنچا دیا۔ جب وہ اٹھی تو سب حال ملکہ یعنی اپنی ماں سے بیان کیا۔ ملکہ نے کہا بیٹی! مجھے تو یہ خواب معلوم ہوتا ہے۔ مگر پھر تمھیں کوئی لے جائے تو جیتا جاتا اپنا موتیوں کا مالا توڑ دینا تاکہ پتہ رہے اور راستہ معلوم ہو جائے

دوسرے روز شام کو پھر سپاہی نے بونے کے ذریعے شہزادی کو بلانا چاہا۔ بونے نے منع بھی کیا کہ آج بلانے سے آپ پر کوئی آفت آئے گی مگر وہ نہ مانا۔ آخر پہلے کی طرح بونے نے شہزادی کو غسل خانہ میں لاکر بند کر دیا اور صبح کو محل میں پہنچا آیا۔

ملکہ نے سپاہیوں کو حکم دیدیا تھا کہ تڑکے ہی تلاش کرنا کہ موتی کہاں تک گئے ہیں جس کے گھر تک گئے ہوں اسے فوراً گرفتار کر لینا غرض سپاہیوں نے اسے گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا۔

بادشاہ کو اس بات کا پتہ چلا تو اس نے اسے پھانسی کا حکم دیدیا۔ پھانسی کی صبح کو اس کا ایک دوست اس سے ملنے آیا وہ جانے لگا تو سپاہی نے کہا "بھائی مہربانی کر کے میرے ہوٹل کے کمرے سے نیلی روشنی والا لمپ لادو۔ تھوڑی دیر میں اس نے لمپ لادیا۔ سپاہی نے اسے جیب میں رکھ لیا۔

آدمیوں کا مجمع ہے، وزیر اور امیر سب قرینے سے بیٹھے ہیں۔ سپاہی پھانسی کے تختے کے قریب کھڑا ہے۔ بادشاہ سے اجازت لے کر اس نے لمپ روشن کیا اور اس سے سگار جلایا۔ سگار جلاتے ہی بونا آموجود ہوا۔ اس نے سپاہی کی ہتھکڑی بیڑی کاٹ ڈالی اور حکم کا منتظر رہا۔ سپاہی نے کہا جتنے آدمی

... اور تھوڑی
... سا پانچ سو آدمیوں کے سر گردن سے الگ
... وہ بادشاہ کے پاس پہنچا
... سپاہی کے قدموں پر گر پڑا
اور رونے لگا۔ سپاہی نے اس کی جان بخشی
... اور دوسروں کے قتل سے بھی باز رہنے کو کہا
کچھ دنوں بعد سپاہی کی شادی شہزادی
سے ہوگئی۔ اور بادشاہ کے بڑھاپے کی وجہ
وہی بادشاہ بن گیا اور ہنسی خوشی زندگی بسر کرنے
لگا۔ (ترجمہ)

ڈھاکہ کا سلیم مسلم یتیم خانہ

پچھلے مہینے ہم چند لوگوں کو جامعہ کی طرف
سے بنگال کے پوربی حصہ (مشرقی بنگال) میں
جانے کا اتفاق ہوا۔ اس سلسلہ میں ایک
بہت ہی عجیب وغریب چیز دیکھنے میں آئی
یہ ڈھاکہ کا مسلم یتیم خانہ تھا۔ جو اس شہر کے مشہور
اور ہر دلعزیز نواب، سر سلیم اللہ خاں مرحوم کا قائم
کیا ہوا ہے۔ نواب صاحب مرحوم زندگی بھر اپنے
خرچ سے اسے چلاتے رہے۔ مگر جب ان کا
انتقال ہوگیا تو پھر ایسا ہمدرد اور خلوص رکھنے
والا یتیم خانہ کو نہ ملا اور یتیم خانہ صحیح معنوں میں
یتیم ہوگیا۔ کچھ دنوں بعد ڈھاکہ کے چند باعزت
لوگوں نے ایک مجلس بناکر یتیم خانہ کو اس کے
سپرد کر دیا۔ اس مجلس کے ممبر اسے اپنی پرانی
جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ یعنی مشہور تاریخی مسجد
سجادہ گورشہید کے پاس لے آئے۔ مگر اس نئی جگہ
آجانے سے یتیم خانہ میں کوئی خاص ترقی نہیں
ہوئی۔

آخر کار خوش قسمتی سے اسے ایک ایسا شخص
مل گیا جو اپنی ہمدردی اور خلوص میں نواب سر سلیم خاں
مرحوم سے کسی طرح کم نہیں۔ یعنی چودھری فریدالدین
احمد صاحب صدیقی۔ انھوں نے یتیم خانہ کے
کاموں کے لئے اپنے آپ کو بالکل تج دیا ہے۔
ان کی کوششوں سے اس کی گرتی ہوئی
حالت سنبھل ہی نہیں گئی ہے، بلکہ بہت ترقی
کر رہی ہے۔ چنانچہ دو نئی عمارتیں مستقل طور پر
اس نے اپنے لئے بنالی ہیں۔ ان میں سے ایک
نواب صاحب مرحوم کے باپ سر احسن اللہ

خاں کے نام پر اور دوسری موجودہ نواب سر حبیب اللہ خاں صاحب کے نام پر بنائی گئی ہے۔ ان کے علاوہ ایک عمارت یتیم لڑکیوں کے لئے عصمت النسا، وارڈ کے نام سے بھی ہے۔ جو ساڑھے پچپن ہزار کے خرچ کی بن کر تیار ہوئی ہے۔ ان تینوں عمارتوں میں کل ۱۷۰ بچوں اور بچیوں کی گنجائش ہے احاطہ کے اندر ہی بجد گورشہید بھی پڑتی ہے اور پانچوں وقت کی نماز کے کام آتی ہے۔ دوسری ضرورتوں کے لئے جب تک خاص عمارتوں کے بننے کا انتظام نہیں ہو سکتا کام نکالنے کے لئے ٹین کی عمارتیں بنالی گئی ہیں۔

اس وقت یتیم خانہ میں آسام اور بنگال کے ضلعوں اور شہروں کے مختلف بچے اور بچیاں موجود ہیں۔ مثلاً پٹنہ، میمن سنگھ، فرید پور، دیناج پور، نواکھالی وغیرہ۔ بعض ایسے خاندانوں کے بچے بھی اس یتیم خانہ میں موجود ہیں جن کو دیکھکر سخت عبرت ہوتی ہے۔ مثلاً ایک بچہ نواب شائستہ خاں مرحوم کے خاندان سے ہے۔ یہ وہی شائستہ خاں ہیں جو شاہجہاں کے ماموں تھے اور جنھوں نے بادشاہ اورنگزیب عالمگیر کے حکم سے بنگال کا پورا صوبہ فتح کر لیا تھا۔ آج ان کے خاندان کا ایک بچہ دوسروں کی دی ہوئی روٹیوں کا محتاج ہے۔

یتیم خانہ یتیموں کے لئے صرف رہنے کا کام نہیں دیتا بلکہ یہاں انھیں دین (مذہب) اور دنیا کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ ابتدائی تعلیم کا نصاب پورا کر کے یہ بچے مختلف مدرسوں اور اسکولوں میں چلے جاتے ہیں۔ اس وقت بھی یہاں کے بچے ترقی کر کر کے بنگال کے متعدد اسکولوں اور کالجوں میں تعلیم پارہے ہیں۔

سب سے بڑی خصوصیت اس یتیم خانہ کی یہ ہے کہ انھیں تعلیم کے ساتھ کوئی حرفہ (پیشہ) کا کام بھی سکھایا جاتا ہے۔ مثلاً کپڑا بننا۔ لڑکے مختلف قسم و نمونوں کے کپڑے، چادریں، تولئے، اور دوسری عام استعمال کی چیزیں تیار کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ بڑھئی اور لوہار کا کام بھی سکھایا جاتا ہے جس میں لڑکے لکڑی اور ٹین کی نہایت اچھی اچھی اور مفید چیزیں بناتے ہیں۔ پھر جلدیں بنانے کا کام ہے جس میں لڑکوں کو کتابوں کی جلدیں بنانا اور اسکولوں کے لئے کاپیاں تیار کرنا

سکھایا جاتا ہے۔ غرض اس بات کی پوری کوشش کی جاتی ہے کہ یہ یتیم اور لاوارث بچے بڑے ہوکر لوگوں پر بوجھ نہ بنیں۔ بلکہ ان میں اتنی قابلیت ہوجائے کہ اپنی روزی خود کما سکیں۔ آج کل عام طور پر یتیم خانے جذامی مریضوں کے ہسپتال کی طرح سمجھے جاتے ہیں مگر چودھری فریدالدین صاحب نے اپنے اچھے انتظام اور جان توڑ کوششوں سے اس یتیم خانہ کو ایسا بنا دیا ہے کہ یہاں کے بچے نہ خود اپنی اور نہ دوسروں کی نظروں میں حقیر نظر آئیں گے۔ بلکہ آئندہ عام لوگوں میں گھل مل کر وہ مسلمانوں کے لئے بہت مفید ثابت ہوں گے۔ ہماری دلی دعا ہے کہ خدا اسے دن دونی رات چوگنی ترقی دے۔ آمین۔

یتیم خانے سے متعلق تصاویر ٹائیٹل کے آخری صفحہ پر ملاحظہ ہوں۔

کفایت شعاری

(مسعود الحسن قدوائی۔ جماعت ہفتم حلیم مسلم ہائی اسکول کانپور)

بچو، آج ہم تمھیں ایک ایسی بات بتائیں گے جو آگے چل کر بہت فائدہ دے گی۔

اپنے گھر میں بڑے بوڑھوں کو کفایت شعاری کا لفظ بولتے ہوئے تو ضرور سنا ہوگا۔ لیکن کبھی سوچا بھی کہ اس کا مطلب کیا ہے۔ ضرورت کے مطابق خرچ کی عادت کفایت شعاری کہلاتی ہے، جو لوگ اپنا روزمرہ کا حساب درست رکھتے ہیں اور آمدنی سے ایک کوڑی زیادہ خرچ نہیں کرتے۔ دراصل وہی کفایت شعار ہیں۔ ایسے لوگ ہمیشہ خوش رہتے ہیں اور دنیا میں ترقی کرتے ہیں۔ لیکن جو آمدنی سے زیادہ خرچ کے عادی ہوتے ہیں اور بات بات پر روپیہ پھینکتے رہتے ہیں، انھیں کا نام فضول خرچ ہے۔ یہ لوگ ہمیشہ تکلیف اور مصیبت اٹھاتے رہتے ہیں۔ تم جس آدمی کو دیکھو کہ آمدنی سے زیادہ خرچ کر رہا ہے تو سمجھ لو کہ اس پر جلد تباہی آنے والی ہے۔ اور کوئی دن میں یہ ذلیل ہوکر رہے گا۔ کیونکہ جب خرچ آمدنی سے زیادہ ہوگا

توضرور اسے قرض لینا پڑے گا۔ اور قرض ہی
بربادی کی جڑ ہے۔

پیام بھائیو! اشخاص کی طرح قومیں بھی
فضول خرچ اور کفایت شعار ہوتی ہیں، دنیا میں جو
قومیں ترقی کرتی ہیں وہ فضول خرچی کے پاس بھی نہیں
جاتی ہیں۔ اور جن میں یہ بری عادت ہوتی ہے
وہ ہمیشہ تباہ و برباد رہتی ہیں۔

کفایت شعاری کے اصول سب آسان
اور ہر شخص کی سمجھ میں آنے والے ہیں۔ میں چند
موٹی موٹی باتیں لکھتا ہوں!۔

(۱) جو چیز خریدی جائے نقد خریدی جائے
اور ادھار سے ہر حال میں پرہیز کیا جائے۔

(۲) ہر مہینہ آمدنی میں سے کچھ نہ کچھ بچا کر جمع
کیا جائے۔

(۳) چٹورے پن سے بچا جائے۔

(۴) روزمرہ حساب لکھ لیا جائے اور آمدنی
سے زیادہ ہرگز خرچ نہ کیا جائے۔

(۵) جب کام میں روپیہ لگایا جائے، اسے
اچھی طرح سے سوچ سمجھ لیا جائے کہ آیا اس میں
نفع ہوگا یا نقصان۔

(۶) جیسی حیثیت ہو ویسی ہی وضع اختیار کی جائے

(۷) بلا ضرورت محض شان بڑھانے کے لئے
کوئی چیز نہ خریدی جائے۔

پیام بھائیو۔ اگر ہم ان عمدہ اصولوں پر
تھوڑا بہت بھی عمل کرتے گئے تو ایک نہ ایک دن
ضرور کامیاب ہوں گے۔

جمع کرنے میں تھوڑے بہت کا خیال نہ کرنا
چاہیئے۔ اگر ایک پیسہ ہو سکے تو وہی جمع کر دے۔
تھوڑا تھوڑا کر کے ایک دن بہت ہو جائے گا۔
تم نے فارسی کی یہ مثل تو سنی ہوگی کہ!۔

دانہ دانہ ہمی شود انبار

یعنی ایک ایک دانہ کر کے ڈھیر ہو جاتا ہے۔
اگر ایک ایک پیسہ جمع کر دگے تو ایک دن
بڑی رقم ہو جائے گی جو کسی وقت کام آئیگی

حکومت بنگال کے تین وزیر یتیم بچوں کے ساتھ
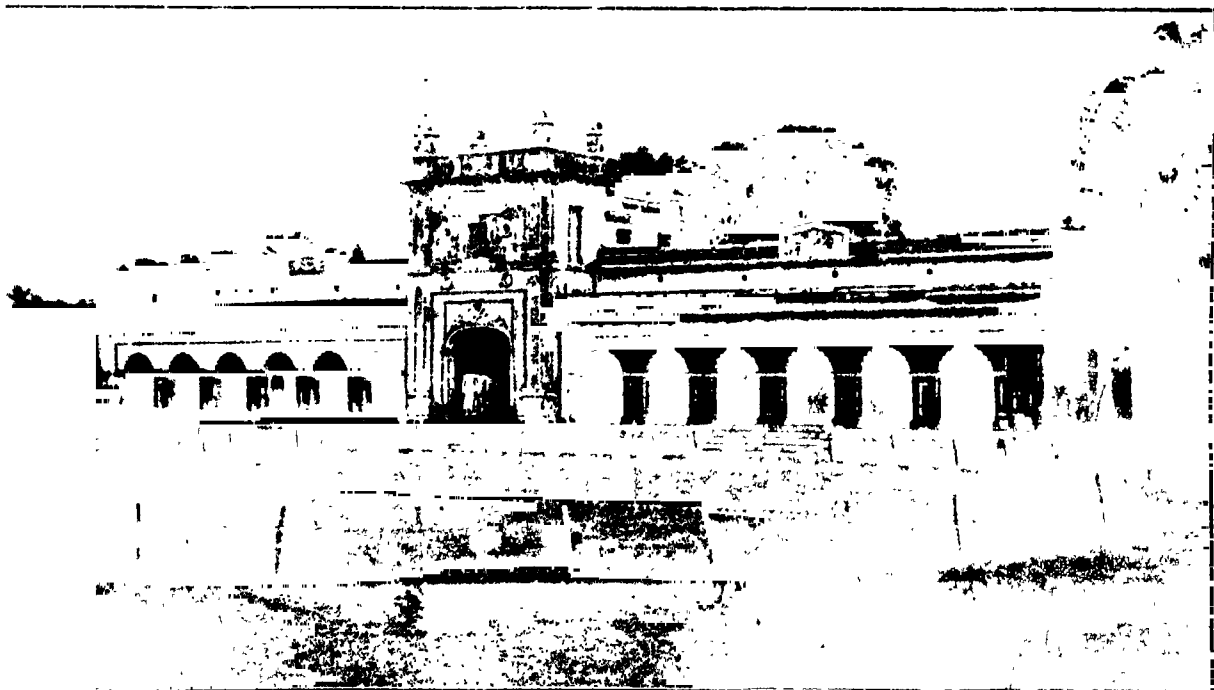
نواب حبیب‌الله وارڈ (مسلم یتیم خانہ ڈھاکہ)

جلد ۱۴ نمبر ۶

جامعہ ملیہ اسلامیہ کا پندرہ روزہ تعلیمی رسالہ

۲۱ مارچ سنہ ۳۳ ع

فہرست مضامین

ایڈیٹر: سعید انصاری

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۹۶۱ — فی پرچہ ۲ آنہ — چندہ سالانہ ۲ روپیہ ۸ آنہ

گلّی ڈنڈا
ایک مکالمہ نظم

مولانا محمد حسین صاحب محوی - لکھنوی

گوپال :۔ آؤ چلو میدان میں کھیلیں
سال گرہ کی کل چھٹی ہے
کیشو :۔ ہاں ہاں گوپال آؤ کھیلیں
جس میں دوڑیں، کودیں، بھاگیں

آج ہے کیشو، دن چھٹی کا
کل استاد نے سب سے کہا تھا
کھیل مگر ہو کوئی اچھا
کھیل مجھے بھاتا ہے ایسا

گوپال۔ چاہتا ہے میرا بھی یہی دل،
کیشو۔ لڑکے اور بھی آئے ہوں گے
گوپال۔ گلی ڈنڈا اچھل کر لیں،
کیشو۔ یہ تو بتاؤ، دونوں جانب
گوپال۔ ایک طرف تو ہونگے اشرف
تم ہو اچھے کھیلنے والے
کیشو۔ لے لو، لے لو، آگئے اشرف
گلی ڈنڈا اچھل کر کھیلیں
ہم کو بتانا قاعدے اس کے
حامد، محمود، اختر آئے
اقبال اور رشید بھی آئے
اشرف۔ کیا نہیں جانتے گر تم اس کے
ہے بہت آساں مجھ سے سیکھو
جو گلی کہ زمین سے اُٹھے،
چھو کے زمین جو گلی اُچھلے،
یوں مارو گلی کو جو مارو
سب لڑکے۔ آؤ چلو، دو آڑی لے لو

کیونکر بیٹھا جائے گا نچلا
اچھا خاصا مجمع ہوگا
رستے ہی میں گھر ہے اپنا
آخر آڑی کون بنے گا؟
ایک طرف کیشو! تم ہو نا
اشرف بھی ہے دوڑنے والا
خوب ہی پہنچے اشرف بھیا
چلو، بڑے آڑی تم بننا!
تاکہ نہ ہو کچھ کھیل میں جھگڑا
خوب بنا اب کھیل ہمارا
وقت بھی ہے یہ کیسا اچھا
کیا اب تک نہیں تم نے کھیلا
گر میں بتاؤں ہر ایک اس کا
ڈنڈے سے اس کو تین لگانا
اسکو لپک کر تم مت لینا
زمیں سے ہرگز لگے نہ ڈنڈا
دیر نہ ہو، اب وقت ہے تھوڑا

لو آ پہنچے اور بھی لڑکے
کیشو دوڑے، اشرف جھپٹے
دور گری وہ جا کر گلی ہُوہُو

لے لو بندھا وہ کھیل کا تانتا
وہ گوپال نے ڈنڈا مارا
لے لو وہ بنّن سرپٹ بھاگا

لگا وہ ڈنڈا، آئی وہ گلی۔
جھیلو بڑھ کر گلی کو تم !!!
وہ اٹھ بیٹھے جھاڑ کے کپڑے
کیشو کیسا شیر ہے، دیکھو
جانے نہ دے گا گلی کو اب

لینا، لینا جانے نہ دینا
کیشو گرے وہ دھم سے، ہا! ہا!
چوٹ لگی پر کچھ نہیں پروا
لو وہ اٹھا، وہ دوڑ کے لپکا
جیتے گا، بس آج یہ لڑکا

واہ رے لڑکو، خوب ہی کھیلے
شام ہوئی اب گھر کو چل دو،
کتنے دوڑے، کتنے بھاگے
بھاگو اپنے اپنے گھروں کو
دن بھر کھیلے ایسے تھکے ہیں
رات بھر ایسے سوئیں گے پڑ کر

خوب تماشا تم نے دکھایا
ختم کرو اب کھیل تم اپنا
خوب بہا جسموں سے پسینا
لو وہ اندھیرا شام کا چھایا
سارا دن ہے کھیل میں گزرا
کروٹ تک بھی کوئی نہ لے گا

صبح سویرے ہی اٹھنا ہے،
کل پھر ہے اسکول کو جانا

جزیرہ نما ملایا کے غیر ملکی باشندے

(از جناب عابد مسیح صاحب بی اے جھانسی)

جزیرہ نمائے ملایا میں رہنے والوں کی تین قسمیں ہیں (۱) پرانے باشندے (۲) آبادکار[۱] (۳) غیر ملکی باشندے[۲]۔

یہاں کے پرانے رہنے والے اب تک غیر مہذب ہیں اور جنگلوں میں رہتے سہتے ہیں آبادکاروں میں ملائی لوگوں کی اہمیت کا اندازہ کچھ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ یہ جزیرہ نما انھیں لوگوں کے نام سے مشہور ہو گیا ہے۔

اس وقت ملایا میں رہنے والوں کی تیسری قسم کے حالات کسی قدر تفصیل سے بیان کئے جاتے ہیں۔ اس قسم میں زیادہ تر وہ لوگ شامل ہیں جو دوسرے ملکوں کے رہنے والے ہیں اور اپنی کسی خاص غرض سے کچھ دنوں کے لئے ملایا میں آکر ٹھہر گئے ہیں۔ ان غیر ملکی لوگوں کی قسمیں نیچے بیان کی جاتی ہیں:۔

۱۔ یورپی۔ یہ لوگ براعظم یورپ کے مختلف ملکوں کے رہنے والے ہیں۔ ملایا میں ان کے ٹھہرنے کا سبب یا تو حکومت کے محکموں میں نوکری ہے۔ یا تجارت ہے، یا خاص قسم کی کھیتی باڑی ہے۔

۲۔ قرآنی۔ یورپ کے لوگوں اور خاص ملایا یا ایشیا کے دوسرے ملکوں کے لوگوں کے درمیان شادی بیاہ سے جو اولاد پیدا ہوئی ہے وہ قرآنی کہلاتی ہے۔ ان لوگوں کا بھی زیادہ تر اس ملک کی حکومت سے واسطہ ہے۔ مگر آہستہ آہستہ یہ لوگ دوسری قسم یعنی آبادکاروں میں شامل ہوتے جاتے ہیں۔

---

[۱] رہنے بسنے والے [۲] وہ لوگ جو دوسرے ملکوں کے رہنے والے ہیں لیکن ہمیشہ کے لئے اس ملک میں آکر بس گئے ہیں اور اسی ملک کو انھوں نے اپنا وطن بنالیا ہے۔ [۳] وہ لوگ جو دوسرے ملکوں کے رہنے والے ہیں لیکن اس ملک میں ہمیشہ رہنے کے لئے نہیں آئے ہیں بلکہ اپنی خاص ضرورتوں تجارت وغیرہ کی وجہ سے کچھ دنوں کیلئے رہ پڑے ہیں۔

۲- چینی - باہر سے آنے والے لوگوں میں چینیوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے - سنگاپور میں تو ان کی آبادی کل آبادی کی چوتھائی ہے - علاقہ سینا نگ میں ان کی آبادی آدھی کے قریب ہے - دوسرے علاقوں میں انکی آبادی ملائی لوگوں سے بھی بڑھی ہوئی ہے - پورے جزیرہ نمائے ملایا میں ان کی آبادی چھ لاکھ سے زیادہ ہے، یہ لوگ تجارت اور کھیتی باڑی کرتے ہیں - کان کھودنے کے کام میں اور بنج کے نوکروں کی حیثیت سے بھی یہ لوگ جابجا پائے جاتے ہیں حقیقت میں ملایا کی خوش حالی کا دار مدار انھیں لوگوں پر ہے - یہ لوگ کفایت شعار، محنتی اور اور ہمت والے ہوتے ہیں - علاقہ جوہو میں سرکاری مال گذاری کی نوے فی صدی یہی لوگ ادا کرتے ہیں -

۴- ہندوستانی - ملایا میں تین مختلف مقامات کے ہندوستانی پائے جاتے ہیں - یعنی

ا- مدراسی - یہ لوگ زیادہ تر سڑکوں پر قلیوں کی حیثیت سے کام کرتے ہیں - بعض ریل کے محکمے میں نوکر ہیں - کچھ مدراسی یورپ والوں کی کھیتی باڑی میں کام کرتے ہیں - ان لوگوں کی مادری زبان تامل ہے شمار میں یہ لوگ سوا لاکھ ہیں - (ب) بنگالی کچھ بنگالی بھی ملایا میں نوکری کے سلسلے میں پہونچ گئے ہیں - (ج) سنگالی - یہ لوگ سیلان یا لنکا کے رہنے والے ہیں - ان کی زبان سنگالی ہے جو بنگلہ، اردو، مرہٹی، گجراتی، وغیرہ کی طرح زندہ زبان سمجھی جاتی ہے -

۵- عرب : کچھ عرب بھی ملایا میں موجود ہیں شروع شروع میں یہ لوگ اپنا مذہب پھیلانے یہاں آئے تھے -

۶- یہودی - تعداد میں کچھ زیادہ نہیں ہیں تجارت کرتے ہیں -

۷- ارمنی : ملک ارمن کے رہنے والے عیسائی یہ لوگ بھی تجارت کرتے ہیں -

۸- اہل جاوا : ملائی لوگوں کی طرح یہ بھی مسلمان ہیں - جزیرہ نمائے ملایا سے ان کا ملک قریب ہونے کی وجہ سے یہ اکثر یہاں آتے جاتے ہیں - کچھ لوگ یہاں آکر آباد بھی ہوگئے ہیں -

غیر ملکوں میں ان آٹھ گروہوں کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی شامل ہیں - ان کی تعداد بہت کم ہے اسلئے ان کا ذکر نہیں کیا گیا -

عجائب خانہ سمندر

(سید محمد عسکری صاحب)

تم نے قدرت کے کارخانے دیکھے، سچ بتلاؤ، پریوں کی کہانیوں اور جھوٹے ناولوں میں کہیں بھی ایسے انوکھے اور دلچسپ اصول زندگی بتلائے گئے ہیں کہ ایک جانور جس کے آنکھ ہے، نہ کان، ہاتھ ہیں نہ پاؤں، کس طرح کھاتا، پیتا، سانس لیتا، اپنے لئے قلعہ[۱] نما گھر بناتا اور دشمنوں سے بچنے کا انتظام کرتا ہے۔ یہی نہیں، بچے بھی جنتا ہے۔ اور ان کی حفاظت بھی کرتا ہے اسپنج کے بچے جب چھوٹے ہوتے ہیں تو فالودے کے گولے کی طرح دکھائی دیتے ہیں۔ اور جب ان میں کافی طاقت آجاتی ہے تو ماں باپ کے جسم سے علیحدہ ہو کر اپنے لئے الگ گھر بنانا شروع کرتے ہیں۔ سوائے انسان کے تمھیں کسی اور جانور میں یہ بات نہیں دکھائی دے گی کہ ماں باپ کی چھوڑی ہوئی چیزوں سے اولاد فائدہ اٹھائے۔ یہ بے غیرتی تو صرف انسان کے لئے مخصوص ہے۔ یہ پانی کے جانور بھی ہماری طرح بغیر ہوا کے زندہ نہیں رہ سکتے۔ ان کے جسم میں اس کا انتظام ہے کہ ضرورت کے برابر ہوا کو پانی سے جدا کریں اسپنج گرم ملکوں کے دریا کا جانور ہے ٹھنڈے ملکوں میں کم زندہ رہتا ہے۔ اور کم تعداد میں پایا جاتا ہے۔ مگر گرم ممالک کے سمندروں میں تہ خانوں کے اندر اور چٹانوں کے آسرے میں پتھروں سے چمٹا ہوا ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں ہوتا ہے۔ اس کا کوئی خاص رنگ نہیں ہوتا۔ بلکہ اطراف کے پتھر وغیرہ کی مناسبت سے ہر رنگ اور وضع کا اسپنج دیکھا گیا ہے۔ اسپنج کو انسان کے کام کے قابل بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ اس غریب جانور کے جسم کو پتھر سے کاٹ کر جدا کر لیتے اور دبا دبا کر اس میں کا لعاب دار نشاستہ خارج

[۱] قلعہ کی طرح

کر دیتے ہیں۔ اور کچھ دنوں تک اس کوٹھی میں
گاڑ کر رکھ دیتے ہیں۔ مٹی میں سے نکالنے کے
بعد اس کو گرم پانی میں پکایا جاتا ہے۔ کہ رہا سہا
لعاب بھی نکل جائے اور اسپنج کام میں آنے
کے قابل بن جائے۔ انسان نے اپنے فائدے
کے لئے اپنے اطراف کی مخلوقات کا قتل عام
جائز کر رکھا ہے اور اسی کو اپنی انسانیت کا
کمال سمجھتا ہے +

ایک رومن کہانی

از دولت خانم بنت عبد اللہ ہارون

جب گریک بہادروں نے لڑائی میں
فتح پائی تو وہ واپس گریس کی طرف لوٹے۔ واپسی میں
کئی گریک بادشاہوں کو عجیب عجیب واقعات
پیش آئے۔ لیکن سب سے انوکھا واقعہ
پولسس اتھاکا کے بادشاہ کو پیش آیا۔

پولسس اپنے دوستوں کے ساتھ سب
سے پہلے ہی روانہ ہوگیا تاکہ جلد اپنی بیوی
پنیلوپ دھچہ سے جا ملے۔ دو چار روز ہی گذرے
تھے کہ ایک بڑا طوفان آگیا۔ اور ان کی کشتی
بھٹک گئی۔ آخر سامنے ایک چھوٹا سا جزیرہ
نظر آیا۔ اور پولسس اپنے دوستوں کے ساتھ
وہاں اتر گیا۔ چونکہ بادشاہ تھکا ہوا تھا، آرام
کرنے کے لئے لیٹ گیا۔ اور دوسروں کو حکم
دیا کہ جاکر معلوم کریں کہ یہ کون سی جگہ ہے اور
یہاں کوئی بستی ہے یا نہیں۔ یہ لوگ تھوڑی
دور گئے تھے کہ سامنے ایک خوب صورت
محل دکھائی دیا لیکن حیرت کی بات تھی کہ
کسی انسان کا پتہ نہ تھا۔ البتہ محل کے احاطہ
میں قسم قسم کے جانور پھر رہے تھے۔ بجائے اس
کے کہ یہ جانور ان کو نقصان پہنچائیں یا ڈر کے
بھاگ جائیں وہ ان کو دیکھ کر کھڑے ہوگئے۔
اور غمگین نگاہوں سے ان کی طرف دیکھنے لگے
ان میں ایک بوڑھا بھی تھا، جس کا نام یورلوس
تھا۔ اسے جانوروں کو ایسی حالت میں دیکھ کر
بہت تعجب ہوا۔ ابھی یہ لوگ کھڑے محل کی
طرف دیکھ رہے تھے۔ کہ محل میں سے گانے
کی آواز بلند ہوئی اور جنگل میں گونجنے لگی۔ آواز
اتنی میٹھی اور پیاری تھی کہ بادشاہ کے سب
مصاحب بے تحاشا محل کی طرف دوڑ پڑے

سوائے بوڑھے یورپ کے جسے جانوروں
کو دیکھ کر ہی کچھ شبہ ہو گیا تھا۔
لسے یاد آ گیا کہ کہیں یہ سرس جادوگرنی
نہ ہو جس کے متعلق اس نے سنا تھا کہ وہ تن تنہا
ایک جزیرہ میں رہتی تھی اور جو کوئی اس جزیرہ
کی طرف جاتا کبھی واپس نہ آتا۔ اسی خیال میں
وہ وہیں بیٹھ گیا کہ پھر محل کا دروازہ کھلا، اور
کوئی سات آٹھ جانور نکلے۔ اس نے حیرت
سے دیکھا۔ پھر لسے یقین ہو گیا کہ ضرور یہ سرس
جادوگرنی ہی ہے جو انسانوں کو جانوروں
کی شکل میں تبدیل کر دیتی ہے +

مامون خلیفہ اور ایک چور غلام

(مولانا محمد حسین صاحب محوی)

بغداد کا مشہور و نامور خلیفہ[۱] مامون الرشید
نہایت بُردبار[۲] اور نیک مزاج خلیفہ تھا۔ اس کا
ایک نوجوان غلام روز پانی پینے کا گلاس
چرا لے جاتا تھا۔ کئی بار ایسا ہی ہوا۔ آخر
مامون تاڑ گیا مگر سزا نہ دی۔ بلکہ موقع کا منتظر
رہا اور ایک روز موقع پا کر تنہائی میں اس سے کہا
" جب تم گلاس چرایا کرو تو ہمارے پاس
لے آیا کرو، ہم قیمت دے کر خرید لیا کریں گے"
غلام نے کہا۔ بہتر ہے اور ادھر اُدھر نظر
دوڑائی۔ اتفاق سے اس وقت سامنے
ہی ایک گلاس رکھا تھا۔ غلام نے اسکی
طرف اشارہ کر کے کہا۔ " اچھا حضور مجھ سے
یہ گلاس خرید لیں"

مامون: اچھا کس قیمت میں

غلام: دو دینار (اشرفیاں) ہیں۔

مامون: مگر اس شرط پر خریدیں گے کہ آئندہ تم
گلاس نہ چراؤ۔ ورنہ جرم ثابت ہے تم
کو سخت سزا دی جائے گی۔

غلام: بہتر ہے، آئندہ ایسا ہی ہوگا۔

مامون نے اسی وقت غلام کو دو دینار
دلوا دیئے۔ غلام پر بادشاہ کی بُردباری کا کچھ ایسا
اچھا اثر پڑا اور اس تدبیر نے وہ جادو کا کام
کیا کہ غلام سہم گیا۔ اس نے سمجھ لیا کہ بادشاہ نے
جو کچھ کہا ہے وہ کر دکھائے گا۔ اب خیر نہیں
غرض اپنی چوری کی عادت سے اسی وقت توبہ
کر لی اور اس روز سے شاہی محل کی کوئی چیز
چوری نہ گئی +

---

[۱] اسلام کے سب سے بڑے بادشاہ کو خلیفہ کہتے ہیں۔ [۲] غصہ کو ضبط کرنا۔ بُردبار۔ غصہ کو ضبط کرنے والا

اوکھلہ کی سیر

(عبدالحی - متعلم درجہ ششم - جامعہ - تعلیمی مرکز نمبر ۱)

چھٹی کا دن تھا، صبح کے کوئی ساڑھے آٹھ بجے تھے، میں ابھی سویا ہوا تھا کہ اتنے میں معلوم کس لڑکے نے آ کر مجھے جھنجوڑنا شروع کیا۔ میں نے چاہا کہ اٹھ کر ذرا اس کا دماغ درست کر دوں۔ مگر میں نے کہا لاؤ ذرا اِدھر اُدھر دیکھ تو لوں۔ اگر کسی نے دیکھ لیا اور ماسٹر صاحب سے شکایت کر دی تو بُرے پھنسیں گے۔ میں نے جو دوسری طرف نگاہ ڈالی تو کیا دیکھتا ہوں کہ ماسٹر صاحب مجھے گھور رہے ہیں۔ میں اسی وقت پھر لیٹ گیا۔ اتنے میں ایک اور صاحب نے آ کر جھنجوڑا۔ اور کہا کہ "کیا آپ کو خبر نہیں ماسٹر صاحب نے کل کیا کہا تھا"۔ مجھے اس وقت یاد نہیں تھا اس لئے میں نے ڈانٹ کر پوچھا "کیا کہا" اس نے جواب دیا" کیا آپ اوکھلہ نہیں

جانا چاہتے ہیں۔ میں نے جو یہ سنا تو میری خوشی کا کچھ ٹھکانا نہ رہا۔ اسی وقت بستر پر سے کودا سامان کے کمرے میں جا کر کپڑے بدلے اور تیار ہو کر اپنے پلنگ پر جا کر لیٹ گیا۔

چھوٹے لڑکوں کی خوشی کا تو کچھ حال ہی نہ پوچھیے۔ بعض دروازے پر کھڑے ہو گئے۔ تو بعض سڑک پر جا دھمکے۔ اتنے میں ایک لاری دور سے نظر پڑی۔ بس پھر کیا تھا ایک شور و غل مچ گیا۔ مگر جب قریب پہنچی تو معلوم ہوا کہ کھچا کھچ بھری ہے۔ سب اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ اس لاری کے گذرنے کے بعد ہماری لاریاں پوں پوں کی صدائیں لگاتی دروازے سے آ لگیں۔ بس پھر کیا تھا، کوئی یہاں چڑھا کوئی وہاں بیٹھا، کوئی کہتا "یہ میری جگہ ہے"، کوئی کہتا "یہ میری جگہ ہے"! جب سب آرام سے بیٹھ گئے تو میں بھی ایک کونے میں جا دبکا۔

بڑی دیر تک لاریاں کھڑی رہیں۔ تو لڑکوں کا بیٹھے بیٹھے جی اکتا گیا۔ کبھی یہ بچہ کہتا "اجی ڈرائیور صاحب موٹر جلدی چلائیے" کبھی وہ لڑکا کہتا "بھائی ڈرائیور صاحب جلدی چلاؤ" اس چیں پیں میں موٹر نے بھی صدا دی گھر . . . . . گھر . . . . . "اور وہاں سے تیر کی طرح اوکھلہ کا رخ کیا۔

اوکھلہ پہنچ کر ہم نے کھانا کھایا۔ پانی پیا اور دریا کی سیر کو چلے۔ جس وقت ہم لوگ اوکھلہ گئے اس زمانہ میں اوکھلہ کی نہر بالکل سوکھی تھی ہاں بعض بعض گڑھوں میں پانی بھرا تھا اور ان میں چھوٹی چھوٹی مچھلیاں اچھل اچھل کر سورج کے پتروں کو شرما رہی تھیں۔ ہمیں یعنی چھوٹے بچوں کو (جن میں میں بھی شامل ہوں) بہت اچھا معلوم ہوا اور وہیں تیرنے لگے

ہم لوگ جب پانی میں بھیگ جاتے تو نکل کر ریت میں جا لیٹتے۔ ریت میں لت پت ہو جاتے تو پھر پانی میں چلے جاتے اور نہا دھو کر صاف ستھرے ہو جاتے غرض اسی شغل میں شام ہو گئی۔

اسی شغل میں ہو گیا دن تمام
سمندر پہ لہرا گئی زلفِ شام

لاریاں تیار کھڑی تھیں، ان میں بیٹھ کر ہم سب لوگ بورڈنگ آئے، کھانا کھایا، نماز پڑھی اور بستر پر پڑ کر سو رہے۔ +

اُونٹ کی گردن لمبی کیوں ہوتی ہے؟

سیدابراہواؤد بی۔ ایس۔ سی (ٹانک)

بھائی جان نے چاکلیٹ کا پورا بکس ایک طاق پر رکھ دیا اور ہم سب سے کہہ دیا کہ اُچک اچک کر چاکلیٹ کی جتنی ڈلیاں نکال سکو اس میں سے نکال لو۔ سلیمان باجی قد میں ہم سب سے اونچی تھیں انھوں نے کھڑے ہو کر بہت اطمینان سے مٹھی بھر کر اچھی اچھی ڈلیاں چن لیں۔ وہ عجیب نظارہ تھا جب ہر ایک اچک اچک کر مٹھائی لے لے کر بھاگ رہا تھا۔ جو قد میں لمبے تھے وہ تو خوب مٹھیاں بھر بھر کر چاکلیٹ کی ڈلیاں لے رہے تھے۔ لیکن چھوٹے قد والوں کو باوجود اچکنے کے دو تین ہی ڈلیاں ہاتھ لگتی تھیں۔

بھائی جان، دلہن بھابی، امی خالہ اور اور سلطان باجی ہم لوگوں کے ہاتھ پیر مارنے پر کھل کھلا کر ہنس رہی تھیں۔ میں اپنی کیا کہوں، عمر میں سب سے بڑا گیارہ برس کا تھا لیکن قد میں سب سے چھوٹا تھا۔ میری چھوٹی بہن طاہرہ جو صرف آٹھ برس کی تھی قد میں مجھ سے ڈیڑھ بالشت نکلتی ہوئی تھی۔ مٹھی میں چاکلیٹ لئے مزے سے کھا رہی تھی۔ میں رہ رہ کر کوشش کرتا تھا کہ سب سے پہلے میں ہی طاق کے قریب پہونچوں۔ مگر ریل پیل میں دھکوں کے مارے کہیں کا کہیں پہونچ جاتا تھا۔ میرے چہرے پر اس وقت عجیب مایوسی تھی، دلہن بھابی میری اس بے کسی کو دیکھ کر میرے پاس آئیں، میرا ہاتھ پکڑ لیا اور سب کو ہٹا کر مجھے دیوار کے پاس کھڑا کر دیا۔ چاکلیٹ میرے سامنے رکھی تھی۔ مگر برا ہو اس ٹھنگنے قد کا کہ میرا ہاتھ نہ پہونچ سکا۔

بھائی جان سے میں نے کتنی خوشامد کی کہ ہمیں کرسی رکھ کر تھوڑی سی چاکلیٹ نکال لینے دیجئے۔ مگر وہ بولے کہ اگر تم اچک کر لے سکو لے لو۔ ورنہ اپنے چھوٹے قد پر بیٹھ کر روؤ۔ آخر کیا کرتے۔ ہر ایک ہنس ہنس کر اپنی اپنی چاکلیٹ ہاتھ پر رکھ رکھ کر ہماری طرف بڑھاتا تھا اور جب ہم لینے کو ہاتھ بڑھاتے تھے تو جھٹ منہ میں رکھ کر ہمارا مذاق اڑانے لگتا تھا۔ ہم پنجوں پر کھڑے ہو کر اچکے۔ انگور والی لومڑی کی طرح خوب خوب کودے۔ مگر ہاتھ نہ پہنچنا تھا۔ نہ پہونچا۔ آخر ہم جھینپ کر اپنا سا منہ لے کر اماں کے پاس دوڑے۔ اور

ہمارے پیچھے سب کو گو کرکے اور قہقہے لگا کر تالیاں بجانے لگے۔ اس دن سے "طاق پر کی چاکلیٹ" ہماری چڑ ہو گئی۔

ایک دن ہم نے ابا سے کہا کہ ہمیں ڈاکٹر سے قد بڑھانے والی کوئی دوا لا دیجئے۔ وہ ہنسنے لگے۔ بھائی جان بولے "لاؤ میں تمھارا قد بڑھا دوں"۔ وہ اور سلطان باجی مل گئے۔ ایک نے میرے ہاتھ پکڑ لیے دوسرے نے پاؤں۔ ایک طرف بھائی جان کھینچتے تھے اور دوسری طرف سے سلطان باجی کھینچتی تھیں۔ آخر ابا نے آکر رہائی دلائی۔ کہنے لگے "تم واقعی ٹھنگنے ہو۔ مگر بڑھ کر کچھ ٹھیک ہو جاؤ گے۔ اگر تم چاہتے ہو کہ لمبے ہو جاؤ تو میں تم کو ایک کسرت بتاتا ہوں۔ تم میز پر لیٹ کر ہاتھوں کو سینہ پر رکھ لو۔ اگلے جسم کو میز کے باہر نکالو۔ اور بلا کسی کی مدد کے بدن کو اکڑا کر سینے کو اوپر اٹھاؤ اور نیچے جتنا بھی لے جا سکو لے جاؤ۔

اس کسرت کو کرتے دو مہینے ہو گئے۔ مگر اُتنے کا اُتنا ہی رہا۔ آخر میں نے پھر ابا سے کہا "میرا یقین اس کسرت سے جاتا رہا۔ جب دو مہینے میں کوئی اثر نہ ہوا تو آگے کیا ہوگا" کہنے لگے۔

"تم نے اونٹ دیکھا ہے۔ اس کی گردن اور ٹانگیں کتنی لمبی ہوتی ہیں۔ کیا ہمیشہ سے اسکی ٹانگیں اور گردن ایسی ہی تھیں۔ تمھیں یہ سن کر تعجب ہوگا کہ کئی ہزار برس پہلے اونٹ کا اُتنا ہی قد تھا جتنا معمولی گائے بھینسوں کا ہوتا ہے۔ اور تھوڑا عرصہ گذرنے کے برابر تھا۔ اونٹ جب گائے کے برابر تھا یہ کھیتوں اور چراگاہوں میں چرا کرتا تھا۔ اتفاق سے کھیت سب جل گئے اور اس کی جگہ ریگستان ہو گیا۔ زمین پر چرنے کی کوئی چیز نہ تھی۔ چاروں طرف ریت ہی ریت تھی۔ کہیں کہیں لمبی جھاڑیاں اور کھجوریں اور ببول کے اونچے اونچے پیڑ تھے اور بس ضرورت ایجاد کی ماں ہے، اونٹ بیچارہ بھوکا مرنے لگا۔ آخر اس نے اپنی دونوں اگلی ٹانگوں سے اچک اچک کر اور اپنی گردن کو تان تان کر کچھ ڈالیاں توڑنی شروع کیں۔ ساری عمر ٹانگوں اور گردن پر زور دیتے اور کھینچتے گذر گئی۔ اس کے بچے ہوئے انھوں نے بھی یہی کسرت جاری رکھی ان کے بچے ہوئے وہ بھی یہی کرتے رہے۔ آخر ہزاروں برس کی محنت میں اونٹ بڑھنا

شروع ہوا۔ یہاں تک کہ آج ہم اس کی گردن اس قدر اونچی اور ٹانگیں ایسی لمبی لمبی دیکھتے ہیں۔ ہزاروں برس کوشش کرنے کے بعد اونٹ اسقدر لمبا ہو گیا۔ تم کم از کم کئی برس تو کوشش کرو تو دو ایک انچہ زیادہ بڑھ جاؤ گے لیکن اگر چاہو کہ چند دن میں سب کچھ ہو جائے تو نا ممکن ہے ◆

کامیاب دھوکہ

(بشیر محمد گجراتی)

۱۸۷۰ء کا ذکر ہے۔ فرانس اور پرشیا (Prussia) کے درمیان جنگ چھڑ گئی سرحد کے کسان بڑے خطرے میں تھے۔ ان میں بچاؤ کی طاقت کوئی نہ تھی۔ ان کے لئے صرف ایک امید باقی تھی۔ وہ "ویڈیٹر" کی پہاڑی تھی جو ان کی حفاظت کا آخری سہارا تھا پہاڑی ایک قلعہ کی طرح تمام گاؤں کو گھیرے ہوئے تھی۔ گاؤں میں ایک سرائے تھی۔ جس کی مالکہ مادام دائن تھی۔ وہ کھانے کے کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔ کہ ایک نوجوان، ایک چھوٹی سات سالہ گھونگر یالے بالوں والی لڑکی کو لئے سرائے میں داخل ہوا۔ آنے والا ایک تیس سالہ جوان فرانسیسی فوجی وردی پہنے تھا۔

عورت (سرائے کی مالکہ) بولی "فلپ تم آگئے"

فوجی نے صرف اتنا جواب دیا "ہاں۔ ہاں"

عورت نے پوچھا "تم کیوں آگئے؟"

فلپ نے جواب دیا "افسوس، ماں میں برباد ہو گیا۔ میں فوج سے بھاگ آیا ہوں۔ کیونکہ مجھے اپنی بیوی سلسٹی اور اس بچی کا بڑا فکر تھا۔ جب ہمارے گھر کو آگ لگا دی گئی۔ بیچاری سلسٹی جل کر مر گئی اور میں نے اس بچی کو آگ سے بچایا۔ اور فوج سے بھاگ آیا ہوں" وہ سسکیاں بھرنے لگا۔

چھوٹی لڑکی اپنے باپ کے گلے سے چمٹ گئی اور کہا "ابا تم کیوں رو رہے ہو؟ جب فوج والوں کو پتہ چلے گا کہ تم نے مجھے کس بہادری سے جلتی آگ سے نکالا تو وہ ضرور خوش ہوں گے۔ اور تم کو معاف کر دیں گے"۔

آہ پیاری بچی، تم ابھی بہت کمسن ہو۔ تم فوجی سزاؤں سے ناواقف ہو۔ فوج سے بھاگنے والوں کو جو سزائیں دی جاتی ہیں، ان کو سمجھنا

تمھاری عقل کا کام نہیں " وہ ابھی بات ختم نہ کرنے پایا تھا کہ دروازہ کھلا اور سرائے کی ملازمہ داخل ہوئی ۔

" مادام مسافر جو اوپر کے کمرے میں ٹھیرا ہوا تھا مر گیا ہے "

فلپ ماں کے چہرے کی طرف حیرانی سے دیکھنے لگا ۔ وہ تمام بات معلوم کرنا چاہتا تھا ۔ اس کی ماں اس کا مطلب تاڑ گئی اور اس نے کہا " وہ بھی تمھاری طرح ایک سپاہی تھا بالکل تمھارا ہم شکل اور ہم رنگ ۔ اسے بخار آ گیا تھا ۔ فوجی افسر اسے مردہ سمجھ کر چھوڑ کر چلے گئے ۔ لیکن وہ گرتے پڑتے یہاں پہونچا اور اب مر گیا ہے ۔ دنیا میں اس کا رونے والا کوئی نہیں اور وہ غربت میں چل بسا ہے "

ملازمہ نے مالکہ سے پوچھا " مادام میری بہن سخت بیمار ہے ۔ اگر آپ اجازت دیں ، تو میں جا کر اس سے مل آؤں ۔

مالکہ بولی " مریم تم جا سکتی ہو "

(باقی)

فقیر کی ایمانداری

جیواد صاحب

ایک ٹکسال میں اشرفیاں بنائی جا رہی تھیں ، بادشاہ نے صرافوں کو حکم دیا کہ اشرفیوں کو پرکھیں ۔ اور تول تول کر دیکھیں کہ سب برابر ہیں یا نہیں ۔ اگر سب وزن میں ٹھیک ہوں تو ان کو شاہی خزانہ میں داخل کر دیں " صراف اس کام میں مشغول تھے کہ ایک فقیر نے آکر آٹھ آنے کا سوال کیا ۔ سب نے اس کی طرف دیکھا مگر کسی نے بھی اس کا سوال پورا نہ کیا ۔

فقیر ایک طرف الگ کو بیٹھ گیا ۔ جب سب صراف اپنا کام ختم کر چکے اور اشرفیوں کو شاہی خزانے میں داخل کرنے کے لئے جانے لگے ۔ تو اتفاق سے ایک تھیلی جس میں پانسو اشرفیاں تھیں بھول گئے ۔ فقیر نے جب اس طرف نگاہ ڈالی تو تھیلی پڑی پائی ۔ اٹھا کر ایک کونے میں دبا دی ۔ تاکہ محفوظ رہے ۔ خزانہ میں جب پانسو اشرفیاں کم نکلیں تو ان میں سے ایک صراف

ٹکسال میں آیا اور تھیلی کو تلاش کیا۔ مگر جب اسے اشرفیاں نہ ملیں تو اس نے فقیر سے پوچھا کہ ہم اشرفیوں کی ایک تھیلی یہاں بھول گئے تھے، کیا تو نے دیکھی ہے، فقیر نے جواب دیا جی ہاں، صراف نے کڑک کر کہا کہ "لا ادھر دے" فقیر نے جہاں اشرفیاں دبا رکھی تھیں وہاں سے تھیلیا نکال کر صراف کے حوالے کر دی۔ صراف بہت متعجب ہوا اور پچاس اشرفیاں نکال کر فقیر کو اس کی ایمانداری کے صلہ میں دینے لگا۔

فقیر نے لینے سے انکار کیا۔ اس پر صراف بولا "یا تو تو صرف آٹھ آنے مانگتا تھا۔ یا اب پچاس اشرفیاں بھی منظور نہیں کرتا" فقیر نے جواب دیا "اگر تو مجھے آٹھ آنے دیدیتا تو یہ میرے سوال کا بدل تھا۔ اب جو تو پچاس اشرفیاں دیتا ہے وہ میری نیک نیتی اور ایمانداری کا بدلہ ہے۔ جو مذہب نے مجھ پر فرض کی ہے بس میں اپنے دین کو دنیا کے مال کے عوض بیچنا نہیں چاہتا" یہ ذکر بادشاہ کے کانوں تک بھی پہنچا۔ اس نے فقیر کو بلا بھیجا اور جب اسے یہ معلوم ہوا کہ وہ حساب جانتا ہے تو اسے اپنے توشہ خانہ کا امین بنا دیا +

جلد باز کسان

مسعود الحسن قدوائی

بہت دن کی بات ہے کہ کسی گاؤں میں ایک کسان رہتا تھا کھیتی باڑی کے سوا اس کے پاس بکریوں کا بھی ایک بڑا گلہ تھا۔

ایک دن بیٹھے بیٹھے اس کے جی میں آیا کہ بکریاں بہت بڑھ گئی ہیں لاؤ انھیں پاس کے بازار میں لے جا کر بیچ ڈالوں کچھ روپیہ ہی ہاتھ آجائے گا۔ جس سے بیسں کام نکلیں گے۔ ورنہ اگر کہیں بیماری کا پھیرا ہو گیا تو معاملہ ہی صاف ہے۔

رات اسی ادھیڑبن میں گذری۔ صبح ہوئی تو باڑہ کو کھول کر بکریاں باہر نکالیں۔ آگے انھیں کیا اور پیچھے خود گھوڑے پر سوار ہو کر چلنا شروع کیا۔

راستہ اچھا خاصہ تھا کوئی چھ سات گھنٹے کے بعد بازار نظر آیا۔ بازار پہونچ کر دلالوں سے ملا۔ بھاؤ تاؤ ہوا۔ اور آخر کار ایک ہزار پر معاملہ

طے ہو گیا

بکریاں خریدار کے سپرد کیں اور خود گھوڑے پر بیٹھ مکان کی طرف روانہ ہوگیا۔ تھوڑی دور کے بعد ایک سرائے نظر آئی۔ کسان کو کچھ پیاس معلوم ہو رہی تھی۔ سرائے دیکھ کر اتر پڑا۔ گھوڑا میاں بھٹیارہ کے سپرد کیا۔ اور خود اندر جاکر پانی پینے لگا۔ پانی پی چکا تو باہر آیا اور اپنا گھوڑا مانگا۔ بھٹیارہ نے گھوڑا حاضر کیا لیکن اس کے ساتھ یہ بھی کہا کہ میاں اس کے پیر میں ایک کیل چبھ گئی ہے۔ اسے نکال دیجئے تو آگے بڑھئے۔ ایسا نہ ہو کہ راستہ میں پریشانی اٹھانی پڑے۔ لیکن کسان نے اس کا ذرا بھی خیال نہ کیا۔ اور یہ کہہ کر گھوڑے پر بیٹھ گیا کہ مجھے جلدی مکان پہنچنا ہے کیل نکلواؤنگا تو دیر لگے گی اب وہیں گھر پر پہونچکر دیکھا جائے گا۔

آدمی بے چارہ کیا کرتا یہ کہہ کر چپ ہو رہا کہ اچھا میاں تمھاری خوشی جو چاہے کرو میں نے تو ایک ضروری بات سمجھادی۔ آگے تمھاری مرضی۔ لیکن یاد رکھو آگے پچھتانا پڑیگا مگر کسان اس کے بعد بھی نہ رُکا اور گھوڑے پر بیٹھ چل کھڑا ہوا۔

ابھی مشکل سے ایک میل گیا ہوگا کہ گھوڑا بالکل بیکار ہو گیا۔ بہتیری کوشش کی۔ لیکن کوئی تدبیر نہ بن آئی۔ گانوں ابھی کئی میل دور تھا شام ہو چکی تھی۔ کسان بہت گھبرایا۔ لیکن کیا کرتا مجبوراً پیدل چلنا شروع کیا۔ ذرا دیر میں بالکل اندھیرا ہو گیا۔ راستہ ابھی کافی تھا۔ چند قدم مشکل سے چلا ہوگا کہ ایک طرف درختوں کی آڑ سے چند آدمی آتے دکھائی دیئے۔ بات کی بات میں وہ بالکل قریب آگئے۔ ایک نے بڑھ کر کسان کے ہاتھ پکڑ لئے دوسرے نے کمر پکڑی تیسرے نے گلا دبایا۔ چوتھے نے روپیوں کی تھیلی پر قبضہ کیا۔ غرض کہ ذرا دیر میں سارا سامان چھن کر ڈاکوؤں کے پاس پہونچ گیا۔ ڈاکو یہ سب لے پھر درختوں کے جھنڈ میں غائب ہو گئے اور بے چارہ کسان روتا پیٹتا خالی ہاتھ واپس آیا۔

طابع و ناشر ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم اے ۔ پی ایچ ڈی ۔
مطبوعہ جامعہ برقی پریس دہلی

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۹۶۱

چندہ سالانہ ۲ روپے ۸ آنہ

فہرست مضامین

شکریہ

کسی پچھلے پرچہ میں ہم نے پیام بھائیوں سے پیام تعلیم کو کامیاب بنانے اور اس کیلئے نئے خریدار بنانے کی درخواست کی تھی۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ بعض بھائیوں نے ہماری درخواست پر توجہ فرمائی۔ ہم ان کا دلی شکریہ ادا کرتے ہیں کیا اچھا ہو کہ دوسرے بھائی بھی اپنے پرچہ کو کامیاب بنانے کی کوشش کریں۔

افسوس ہے کہ اس مرتبہ بعض مضمون بہت دیر میں پہنچے، اس لئے شائع نہیں ہو سکے۔ ورنہ وہ اس پرچہ کے لئے بہت موزوں ہوتے۔ انشاء اللہ اگلے پرچہ میں ہم شائع کر دیں گے۔

عید

(مولانا محمد حسین صاحب محوی)

ننھے بچو عید آئی، عیش مسرت گھر گھر آئی
شکر خدا کا لازم ہے اب،
جس نے تمھیں یہ عید دکھائی

کھیلو، کودو، بولو چالو گھر سے نکلو، دیکھو بھالو
اگلے برس پھر آئے گا یہ دن
خوب سی خوشیاں آج منالو

آؤ چلو تو سیر کر آئیں چل کر کچھ بازار سے لائیں
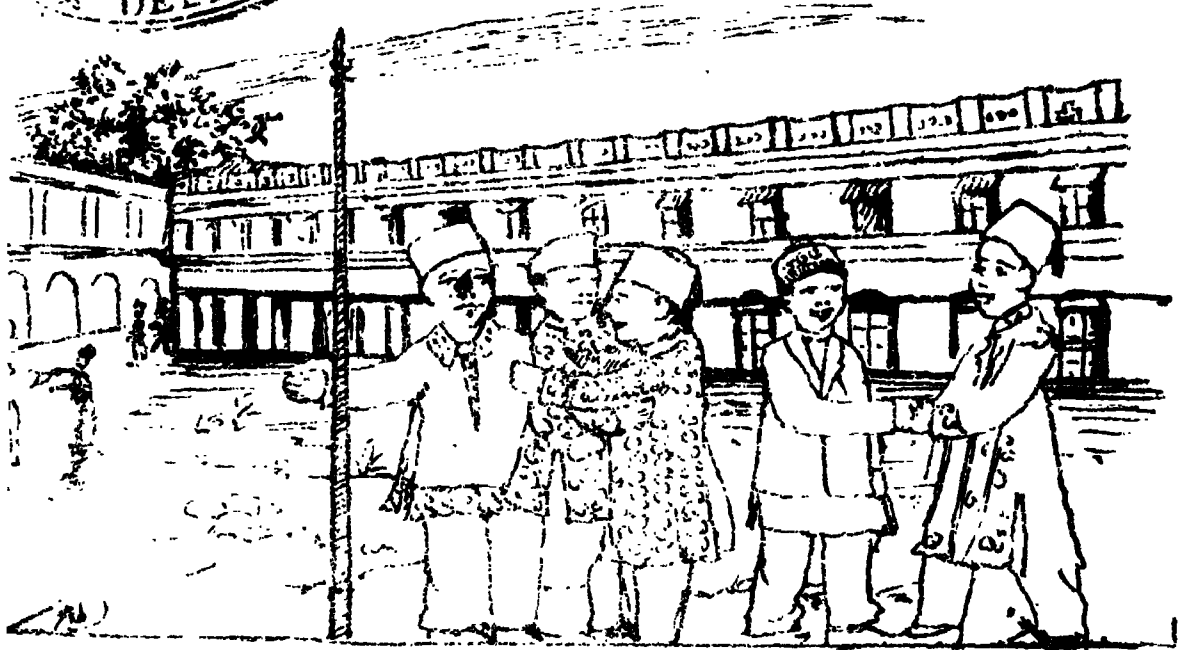
اچھی اچھی چیزیں ہونگی،
لاکر گھر میں ڈھونڈ کے کھائیں

ننھے منے کھلونے آئے جن کو دیکھ کے جی للچائے
دو چار ایسے چن کر لانا
چھوٹا بھائی بھی خوش ہو جائے

نوشہ اور قرلشیہ دونوں مانگیں گے گڑیاں ہی اگر

دیکھنا کتنا خوش ہوتی ہیں،
لے کے تمہارے ہاتھ سے دونو

گڑیاں سب مل جائیں گی   بانچھیں ہی بس کھل جائیں گی
آج ہی زیور بن جائے گا
پوشاکیں بھی سل جائیں گی

حامد اور محمود بھی اٹھے   آج تو خوش خوش کتنی سویرے
اپنی ماں سے ہے فرمائش
کپڑے پہناؤ اچھے اچھے

ابا جان کو ساتھ وہ لیں گے   چلئے بازار ان سے کہیں گے
پیسے جو اماں نے دیئے ہیں
ان کی چیزیں دلوا دیں گے

(۲)

یہ تو سب کچھ ٹھیک ہے بچو   خوشی مناؤ جیسی چاہو،
پر اک بات بتائیں ہم بھی
سن کے اگر تم اسکو مانو

تم نے جو مانی بات ہماری   ہوگی عزت جگ میں تمہاری
قدر کرو ان دو چیزوں کی
وقت عزیز اور عمر ہے پیاری

برا ہے یوں ہی وقت گزرنا   تمکو ابھی ہے بہت کچھ کرنا
عزت، شہرت دولت پانا
علم، ادب، ہنر سے سنورنا

پیارے بچو! راج دلارو   اپنی ماں اور باپ کے پیارو
جی کی ٹھنڈک، گھر کے اجالو
دل کا سکھ اور آنکھ کے تارو
وقت اور عمر ہی نعمت دونو   بیکار ان کو جانے مت دو
کام ان دونوں سے کچھ لو تم
پڑھو لکھو اور دل خوش رکھو

ہمارے ایک معزز مضمون نگار جناب سید مسعود علی صاحب کے نانا سخت بیمار ہیں۔ ان کی خواہش کے مطابق پیام بھائیوں سے درخواست ہے کہ ان کی تندرستی کے لئے دعا کریں۔

عجائب خانۂ سمندر

(سید محمد عسکری صاحب جعفری)

۱۔ سمندر اور انسان کی ضرورتیں

اس عجائب خانے میں قدرت نے نہ صرف انسان کے دیکھنے اور سمجھنے کے لئے عجیب وغریب جاندار اور بے جان چیزیں مہیا کر رکھی ہیں، بلکہ ہمارے کھانے پینے، پہننے، اوڑھنے اور زیب وزینت کے لئے بڑا قیمتی سامان فراہم کیا ہے۔ ہر سال سمندر سے کروڑوں روپے کی مالیت کی مچھلیاں، جھینگے اور نمک نکلتا ہے۔ اور انسانوں کے کھانے میں آتا ہے۔ لاکھوں روپے کے پوستین یعنی ٹھنڈے ملکوں کے سمندروں میں رہنے والے جانوروں کی پشمینہ دار کھال انسان کے کام آتی ہے۔ اور اسی طرح لاکھوں ہی روپے کا موتی اور عنبر نکالا جاتا ہے۔ پشمینہ دار جانور اور مچھلی کا بیان آگے آئے گا۔ عنبر اور موتی کے عجائبات کا اس وقت ذکر کیا جاتا ہے:-

۲۔ سیپ اور موتی۔ کاہل پالپ

(مرجان) اور اسپنج کے بیان میں تم نے پڑھا ہوگا کہ قدرت نے ان جانوروں کو یہ قوت عطا فرمائی ہے کہ پانی میں سے مادہ حاصل کرکے اپنی حفاظت کے لئے خول دار ڈھانچے یعنی اپنے رہنے کے مکان بنالیں۔ بعینہ یہی کیفیت سیپ اور موتی پیدا کرنیوالے گھونگے کی ہے، موتی کے استعمال سے تو تم یقینی واقف ہوگے کہ اس کے بڑے بڑے قیمتی ہار، بندے، چھلے، کانوں کے بالے، بازو بند، تلج اور گھڑیوں کے توڑے وغیرہ بنتے ہیں۔ سیپ سے قباؤں، کوٹوں، اور قمیصوں کے بٹن بنائے جاتے ہیں۔ قلم

دوات، قلم تراش کے دستے، کاغذ تراش
تصویروں کے چوکھٹے، سگریٹ اور سگار
دان وغیرہ بنتے ہیں۔ اور سیپ کی بڑی بڑی
کوڑیوں سے خوب صورت تابیں، کٹورے
پیالیاں اور طشتریاں تراشی جاتی ہیں۔ اگلے
زمانہ میں چھوٹی چھوٹی کوڑیاں پیسوں کا بھی
کام دیتی تھیں۔

گھونگا بھی اپنے جسم کے ارد گرد نہایت
مضبوط خول بنا لیتا ہے۔ اور اس خول کی دو
قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک تو کوڑی کے مانند
اکہرا ہوتا ہے دوسرا دوہرا۔ اور دونوں خول
اس طرح بنے ہوتے ہیں کہ گھونگا اندر بیٹھ کر
دروازے کے پٹوں کی طرح دونوں خول بند
کرسکتا ہے۔ باہر سے دیکھنے کو یہ خول (یعنی
سیپ) کتنا ہی کھردرا اور ناہموار ہے مگر اندر
کی طرف نہایت صاف، چمکدار اور خوبصورت
ہوتا ہے۔ اور اس کے دونوں کواڑ ایسے مضبوط
جمے ہوتے ہیں کہ آسانی سے نہیں کھولے
جا سکتے۔ اور اس طرح پر اس ڈھانچے کے
اندر یہ گھونگا قلعہ بند زندگی گزارنا چاہتا ہے۔
مگر بھوکے دریائی جانوروں سے یہاں بھی چین نہیں
لینے دیتے۔ کبھی اسپنج حملہ کر دیتا ہے، کبھی
اسٹار فش۔ اسپنج کے حملہ کا طریقہ یہ ہوتا ہے
کہ وہ گھونگے کے خول میں سوراخ کرکے اندر
پہونچنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کا بچاؤ
گھونگا اس طرح کرتا ہے کہ اسپنج کے بنائے
ہوئے سوراخوں کو بند اور اپنے خول کو مضبوط
کرلے۔ تم جانتے ہو لڑائی کے دو سرے ہوتے
ہیں، کبھی اسپنج کامیاب ہو جاتا ہے۔ اور
کبھی گھونگا بازی لے جاتا ہے۔ اسپنج کی
کامیابی گھونگے کی موت ہوتی ہے۔ وہ اسے
سیپ سے نکال کر کھا جاتا ہے۔ گھونگا
بازی لے گیا تو اپنے خول کے سوراخوں کو
اس تیزی اور پھرتی سے بند کرتا ہے کہ اسپنج
صاحب کو بھاگتے ہی بن پڑتی ہے۔

کبھی کبھی اسٹار فش سالم سیپ کو نگل
لیتی اور گھونگے کو مجبور کر دیتی ہے کہ سیپ
کے کواڑ کھول دے۔ اس کے علاوہ بہت
سی مچھلیاں اور بھی ایسی ہیں جو سیپ میں
آسانی سے سوراخ کرکے گھونگے کے لعابدار
جسم کو چوس لیتی ہیں۔ بڑے بڑے کیکڑے
بھی اپنے زبردست جبڑوں سے سیپ کو

کچل ڈالتے ہیں۔ بہرحال انسان کے سوا
باقی تمام حیوانوں میں زندگی کا یہ رنگ ہے کہ
ایک دوسرے کو مارنے اور اپنی جانیں
بچانے میں ساری عمر صرف کر دیا کرتے ہیں

کامیاب دھوکہ

(رشید محمد ۔ گجراتی)

جب مریم کمرے سے چلی گئی تو فلپ
کھڑکی کی طرف بڑھا۔ لیکن فوراً پیچھے ہٹ
گیا۔ اس کے چہرے کا رنگ زرد ہو گیا اور
اس کے لب خشک اور بالکل سفید تھے۔

" ماں وہ مجھے پکڑنے آرہے ہیں۔
افسوس میں تباہ ہو گیا وہ مجھے واپس لے
جائیں گے اور سزا دیں گے "

بدنصیب ماں نے جواب دیا "نہیں
وہ تمھیں پکڑ نہیں سکتے میں تم کو بچا لوں گی
یا کہیں چھپا دوں گی۔ مجھے بہت سے طریقے
یاد ہیں۔ تم فوراً مردہ[۵۱] سپاہی کو اوپر جاکر
اپنی وردی پہنا دو۔ اور خود دوسرے کپڑے
پہن لو "

تھوڑی دیر میں لباس تبدیل ہو گئے
بوڑھی عورت مردہ سپاہی کے سرہانے
بیٹھکر رونے لگی اور کہتی جاتی تھی " اے
میرے جواں مرگ[۵۲] بیٹے، میرے پیارے
بیٹے "

دروازہ زور سے کھلا۔ فوج کا کپتان
آگے بڑھا۔ اور فلپ کی طرف جاکر بولا "
میں تم کو بادشاہ کے نام پر فوج سے بھاگنے
کے جرم میں گرفتار کرتا ہوں "

" آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میرا نام ارنسٹ
ہے۔ میں فوج میں ملازم نہیں " فلپ نے جواب دیا۔
ایک دوسرا سپاہی بولا " فلپ تو چار
پائی پر مرا پڑا ہے "

تمام سپاہی فلپ اور مردہ سپاہی کی
ملتی جلتی شکل کو دیکھ کر حیران تھے۔ وہ سمجھ نہ سکے
کہ اصلی فلپ کون سا ہے۔

تھوڑی دیر سوچنے کے بعد کپتان بولا۔
" میں نے اصلی فلپ کے معلوم کرنے کا ایک
طریقہ سوچا ہے۔ کوئی جاکر چھوٹی لڑکی کو جو ہمیں
سیڑھیوں پر ملی تھی، بلا لائے۔ ہم اس سے

[۵۱] مرا ہوا۔ [۵۲] جواں مرگ ۔ یعنی وہ شخص جو جوانی میں مر گیا ہو۔

معلوم کر لیں کہ اس کا باپ کون ہے "

فلپ اس سوال سے گھبرا گیا لیکن سانس روکے کھڑا رہا۔ ایک سپاہی لڑکی کو بلا لایا اور اس سے پوچھا۔ پیاری لڑکی بتاؤ کہ تمھارا باپ کون سا ہے ' وہ جو کھڑا ہے یا جو چارپائی پر مردہ پڑا ہے "

لڑکی ذرا رکی لیکن پھر نہایت دلیری سے آگے بڑھی اور چارپائی کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگی " میرا باپ یہ سو رہا ہے "

کپتان نے پھر پوچھا " کون سا؟ دوبارہ بتاؤ "

" میرا باپ وہی ہے جو مر چکا ہے۔ میرے پیارے ابا! کیا تم میری بات سن رہے ہو۔ میں تمہاری پیاری بیٹی میری ہوں " لڑکی نہایت درد سے رونے لگی۔ شہادت کافی مل گئی اور یقین کے قابل تھی +

" تمھارے مردہ باپ کی یاد میں میں تمھارا ایک بوسہ لیتا ہوں۔ پیاری بچی وہ ہماری فوج کا ایک جوان تھا " اس نے لڑکی کا منہ چوما اور پیار کیا۔ پھر وہ فلپ سے مخاطب ہوا۔

" میں آپ سے گستاخی کی معافی چاہتا ہوں آئندہ آپ کو تکلیف نہ دی جائے گی۔

سپاہیو! چلو "

فوجی افسر اور سپاہی چلے گئے۔

" میری پیاری بچی میری! " باپ نے تیرائی سے کہا۔

" پیارے! با خدا کا شکر ہے کہ میں تم کو بچانے میں کامیاب ہوئی۔ اب ہم دونوں آزادی سے دادی اماں کے پاس رہیں گے

ملایا کے پرانے رہنے والے

(حامد مسیح صاحب بی اے جالندھری)

ہم ان لوگوں کا کچھ حال بیان کر چکے ہیں جو دوسرے ملکوں سے جا کر جزیرہ نما ملایا میں

اگری وغیرہ کرتے ہیں۔ اب ہم وہاں کے
جنگلی باشندوں کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ ملایا
کے اصل باشندے یعنی سب سے پرانے رہنے
والے جنگلی ہیں۔ یہ اندر کے جنگلوں اور پہاڑوں
میں رہتے ہیں۔ شہروں اور گانؤں کے رہنے
والوں سے ان لوگوں کو کچھ مطلب نہیں۔
ان جنگلی لوگوں کے تین قبیلے یا تین
گروہ ہیں۔ یہ سب ایک سے نہیں ہیں
بلکہ ان کی شکل صورت اور رہنے سہنے کے
ڈھنگ الگ الگ ہیں۔ ان کے نام سنو،
(۱) سیمانگ (۲) سکائی (۳) جاکن۔
۱۔ سیمانگ گروہ کے لوگ تہذیب میں
سب سے پیچھے ہیں۔ یہ لوگ زیادہ تر علاقہ
پیراک اور دریائے پیراک کے مغرب کیطرف
رہتے ہیں۔ ان کا رنگ کالا اور قد چھوٹا ہوتا
ہے۔ ان کے بال حبش کے آدمیوں کی طرح
اُلجھے ہوئے سے ہوتے ہیں۔ ان کی لمبائی
صرف چار فٹ آٹھ انچ ہوتی ہے۔ یہ لوگ برابر
جنگل میں رہتے ہیں۔ بہت ضرورت ہوئی تو پیڑوں
کی ڈالیاں توڑ کر ان سے جھونپڑے سے اپنے
رہنے کے لئے بنالیتے ہیں۔ ورنہ ویسے ہی ادھر
اُدھر غاروں وغیرہ میں جا گھستے ہیں۔
سیمانگ مکان بنانا بالکل نہیں جانتے۔ یہ لوگ
ننگے رہتے ہیں اور کھیتی کرنا نہیں جانتے۔
پھل پھلاری۔ پیڑوں کی جڑیں، مچھلیاں
وغیرہ جو کچھ ہاتھ آگیا اس سے پیٹ بھر لیتے
ہیں۔ یہ لوگ تیر کمان بنانا جانتے ہیں اور زہریلے
تیر چلا کر کبھی کبھی جانوروں کا شکار کر لیتے ہیں۔
۲۔ سکائی۔ ملی جلی نسل کے ہیں۔ جو
جگھیں شمالی پیراک اور جنوبی پاہنگ کے
بیچ میں ہیں۔ یہ لوگ وہاں رہتے ہیں سیمانگ
کے مقابلہ میں یہ لوگ ذرا لمبے اور صاف رنگ
کے ہوتے ہیں۔ ان کے بال لمبے لمبے اور لہرائے
ہوئے ہوتے ہیں۔ سکائی بانسوں کے جھونپڑے
بنا کر ان میں رہتے ہیں۔ یہ چاول مکئی کی کاشت
کرتے ہیں۔ ان لوگوں کی عادت ہے کہ
تھوڑا سا جنگل صاف کر کے اس میں رہتے
ہیں اور اگر ان کا کوئی آدمی مر جائے تو فوراً
پرانی جگہ چھوڑ دیتے ہیں اور نیا جنگل کاٹ کر
اس میں جھونپڑے بناتے ہیں۔ ان لوگوں
کی وجہ سے ملایا کے بعض عمدہ عمدہ جنگل خراب
ہوتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ بانسوں کے تیر کمان

بنانا اور زہر بجھے تیروں سے جانوروں کا شکار کرنا بھی جانتے ہیں۔ سکائی تھوڑی بہت تجارت بھی کرتے ہیں۔ یہ لوگ اپنی جنگلی پیداوار چیزیں اور ملائی لوگوں کو دیتے ہیں۔ پھر یہ ملائی لوگ جنگلی پیداوار کے بدلے میں ان لوگوں کو نمک اور تمباکو وغیرہ دیتے ہیں۔ سکائی اور جانوروں کا گوشت تو کھاتے ہیں لیکن گائے کا گوشت نہیں کھاتے۔

تیسرے گروہ یعنی جاکن کا حال بیان کرنے سے پہلے ہم یہ بتانا ضروری سمجھتے ہیں کہ بعض سیمانگ اور بعض سکائی شکل صورت میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کسی زمانے میں یہ دونوں گروہ آپس میں شادی بیاہ کر لیتے تھے۔ اس وقت تو سکائی گروہ کے لوگ سیمانگ کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ سکائی اور سیمانگ دونوں گروہوں کے مذہب کا حال بھی سن لو۔ یہ لوگ دو طور کی روحوں کے قائل ہیں۔ یہ سمجھتے ہیں کچھ روحیں اچھی ہیں جوان کو فائدہ پہونچاتی ہیں اور کچھ روحیں بُری ہیں جوان کو نقصان پہونچاتی ہیں۔ یہ دونوں گروہ جزیرہ نما ملایا کے دوسرے رہنے والوں سے خاص کر ملائی لوگوں سے بہت ڈرتے ہیں۔ شمار میں سیمانگ سے سکائی لوگ کچھ زیادہ ہیں۔ لیکن ملا کر ان دونوں کا شمار بیس ہزار سے زیادہ نہیں ہے۔

جاکن۔ یہ لوگ جوہور کے علاقے کے اندر اور ان جنگلوں میں رہتے ہیں جو پاہنگ کے علاقے کے پورب اور دکھن کی طرف ہیں۔ ان لوگوں کے بال ملائی لوگوں کی طرح سیدھے اور روکھے ہوتے ہیں۔ جاکن گروہ نے ملائی لوگوں کی زبان اور ان کے رہنے سہنے کے ڈھنگ اختیار کر لئے ہیں۔ یہ لوگ قریب قریب سب باتوں میں اُن ملائی لوگوں سے ملتے جلتے ہیں، جو کنارے سے دور اندر کی طرف رہتے ہیں۔

(از بہزاد صاحب)

"آسمان صاف ہے۔ آج عید کا چاند ضرور نظر آئے گا۔" ہر شخص کی زبان سے یہی الفاظ سنائی دے رہے تھے۔ ہر ایک نہایت بے صبری سے سورج غروب ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ جوں جوں سورج ڈوبتا جاتا تھا، لوگوں کی نظریں آسمان کی طرف اٹھتی جاتی تھیں۔

کھلے میدان میں لاتعداد مخلوق جمع تھی، امیر غریب، چھوٹا بڑا، سب کی نگاہیں آسمان پر، عید کا چاند تلاش کر رہی تھیں۔ یکایک "وہ رہا!" کی آواز گونج گئی۔ ہر انسان انگلی اٹھائے ایک دوسرے کو عید کا چاند دکھا رہا تھا۔

ایک ایک کر کے ہر شخص خوشی خوشی اپنے اپنے گھر کو روانہ ہوا۔

رات کافی جا چکی تھی۔ لیکن ہر طرف چہل پہل دن کی سی تھی۔ زرینہ، غریب بیوہ زرینہ پھٹی چادر ڈالے اپنی کچی جھونپڑی سے نکلی۔ بھوک کی شدت سے وہ چل نہ سکتی تھی۔ سردی کی وجہ سے اس کا تمام جسم سن ہو گیا تھا۔ اس کی پانچ سالہ لڑکی اسکی گود میں بے ہوش تھی۔ دو دن سے کچھ کھانے کو نہ ملا تھا۔ آج اس کی ماں پہلی مرتبہ اپنی بھوکی بچی کی خاطر بھیک مانگنے نکلی تھی وہ ایک

عالی شان عمارت کے دروازہ میں داخل ہوئی اور خاموش کھڑی ہوگئی۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کہے۔ اس نے کبھی بھیک نہ مانگی تھی۔ وہ اسی طرح خاموش کھڑی ان لوگوں کو دیکھتی رہی۔ جو سامنے میز پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ چھوٹے چھوٹے بچے ادھر اُدھر بھاگے بھاگے پھر رہے تھے۔ ہر بچہ اپنے اپنے کپڑے ایک دوسرے کو دکھا دکھا کر خوش ہو رہا تھا۔ ایک پلاؤ کتا دم ہلاتا ہوا میز کے چاروں طرف گھوم رہا تھا۔ لوگ کبھی روٹی کا ٹکڑا کبھی گوشت کی بوٹی اس کی طرف پھینکتے تھے۔ وہ دوڑ کر لے لیتا نگل جاتا۔ یکایک ایک کمزور آواز اس 'عشرت کدہ'[۱] میں سنائی دی۔ سب کی نظریں دروازہ کی طرف پھر گئیں زرینہ کھڑی کچھ کہہ رہی تھی — "دروازہ بند کرو" یہ آواز تھی، جو وہاں سے آئی اور منٹوں میں کتے سے بدتر زرینہ مکان سے باہر کردی گئی

یہ ہے مہذب انسانوں کی حالت۔ عید کے چاند نے یہ حالت دیکھی، وہ شرمندہ ہوکر درختوں اور پہاڑوں کے پیچھے غائب ہوگیا۔ کیوں؟ پیام بھائیو! وہ نہیں چاہتا کہ تم اسے دیکھ کر خوشی مناؤ۔ وہ چاہتا ہے کہ تم پڑھ لکھ کر قابل ہو تاکہ دنیا کو اس مصیبت سے نجات دلا سکو۔ کیا تم عید کے چاند کی بات مانوگے؟

دادی کا دل

(بدرالدین صاحب حسینی، بی اے جامعہ استاذ ندوہ لکھنؤ)

شام کا وقت ہے۔ سورج کی کرنوں کی پھیکی اور زرد روشنی مکانوں کی دیواروں اور عمارتوں کے میناروں پر پڑ رہی ہے۔ ہوا بھی ٹھنڈی چل رہی ہے۔ جو لوگ صرف پاجامہ اور قمیص پہنے بازار میں گھوم رہے ہیں انھیں سردی سی محسوس ہو رہی ہے۔ اسوقت مشہور چینی حکیم کوپن کی پالکی ڈاکٹر دولن دین کے دفتر کے پاس آکر رکی ہے۔ بات یہ ہے کہ ڈاکٹر دولن دین کا سات برس کا بچہ سخت بیمار ہے۔ یہ حکیم صاحب اسی کو دیکھنے آئے ہیں۔ جس وقت حکیم صاحب بچہ کو دیکھنے گھر میں گھسے ڈاکٹر کے دروازے کے قریب تماشہ دیکھنے والوں کا اچھا خاصہ ہجوم ہوگیا۔ یہ آوارہ قسم کے لوگ تھے، دن بھر بازار میں اِدھر ادھر

[۱] عیش و آرام کا گھر

گھومتے رہتے تھے اور جہاں کہیں کوئی خاص بات ہوجاتی تھی تو گویا انھیں دل چسپی کا سامان ہاتھ آجاتا تھا۔

مجمع میں سے ایک شخص کہنے لگا "دیکھا! دولن دین اور اس کی بیوی دونوں ڈاکٹری کرتے ہیں۔ لوگوں کو ان پر بڑا بھروسہ ہے۔ ڈاکٹری بھی خوب چل رہی ہے۔ مگر اب خود ان کے گھر میں بچہ بیمار ہے تو علاج کے لئے دوسروں کو بلاتے ہیں۔ کس قدر احمقوں کی سی حرکت ہے۔ اس کے بعد کون ان پر اعتماد اور بھروسہ کرے گا"۔ دوسرا کہنے لگا ہاں بھئی تم ڈاکٹری کی باتیں کیا جانو۔ ڈاکٹر دوسروں کا علاج تو کر سکتا ہے، مگر اپنا علاج نہیں کر سکتا بے چارے کو دوسروں کا دروازہ دیکھنا پڑتا ہے اس پر مجمع میں خوب قہقہہ لگا۔ مگر ان بیوقوفوں کو گھر کی حالت کی کیا خبر۔ بات اصل یہ ہے کہ اس بچہ کو جس کا نام دیار تھا سخت بخار چڑھا ہوا تھا۔ دولن دین اور اس کی بیوی نے مرض اچھی طرح پہچان لیا تھا۔ نسخہ بھی لکھدیا گیا تھا ڈاکٹری علاج کے مطابق مرض دور کرنے کے لئے برف سر پر رکھنا تجویز ہوا تھا۔ مگر دیار کی دادی اماں ابھی زندہ تھیں اور بچہ سے بے انتہا محبت کرتی تھیں۔ انھوں نے جو یہ سنا کہ بچہ کا بخار برف سے اتارا جا رہا ہے تو بہت جھلائیں۔ کیونکہ انھوں نے اپنی زندگی میں ایسا علاج نہیں دیکھا تھا۔ غصہ میں بڑبڑانے لگیں اور دولن دین سے کہا "کیا تم اس کی ننھی سی جان لے لوگے؟"

ماں کا غصہ دیکھکر دولن دین نے برف استعمال کرنے کی وجہ بیان کی اور کہا "یہ بہت ہی اچھی ترکیب ہے۔ جب میں ڈاکٹری پڑھتا تھا تو اسے کئی دفعہ آزمایا تھا۔ اور اب بھی جب کوئی اس قسم کا مریض ہوتا ہے تو اسی طریقہ سے اس کا علاج کرتا ہوں، اس میں ذرا بھی خطرہ نہیں"۔ مگر بڑی بی نے بیٹے کو ملامت کرتے ہوئے کہا "میں تمھاری بات نہیں مانتی۔ اگر تم اس طرح علاج کروگے تو مجھے ڈر ہے کہ نہ جانے کتنے لوگوں کی جانیں لے لوگے۔ میں نے کبھی نہیں سنا کہ بخار برف سے دور کیا جاتا ہے، تم چھوڑ دو میں اس کا علاج کرالونگی۔

معمّا

نیچے ایک دلچسپ معمّا لکھا جاتا ہے۔ یکم مئی تک اس کا جواب آجانا چاہیے۔ جن صاحب کا حل صحیح ہوگا، ان کی خدمت میں ایک خوب صورت سی کتاب پیش کی جائے گی۔

(معین الدین احمد متعلم ۳ د عثمانیہ ہوسٹل علی گڑھ)

ایک لڑکا جا رہا تھا اپنے گھر
لے لیا بچہ کو اپنی گود میں
تو مرا اپنا ہی بیٹا ہے، مگر،
کوئی اب اتنا تو مجھ کو دے بتا

سامنے انسان اک آیا نظر
اور لگا کہنے کہ لے نورِ نظر
تجھ پہ قرباں میں نہیں تیرا پدر
کیا تعلق ان کا ہے باہم دگر

(احسان اللہ خاں
متعلم جامعہ)

ایک رومن کہانی

(آنسہ دولت خانم)

(۲)
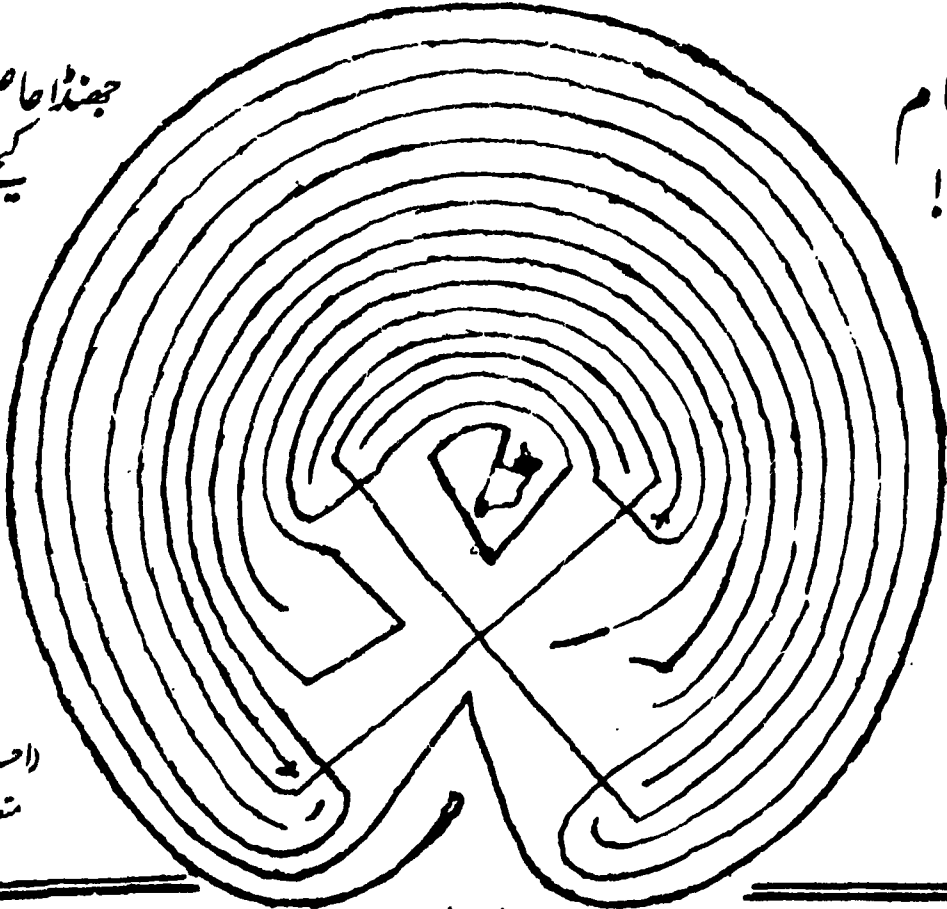
اب گانے کی آواز بھی بند ہوگئی تھی یور لوچس ہانپتا ہوا پولس کے پاس گیا اور اسے سارا قصہ کہہ سنایا کہ اس کے مصاحب جانوروں کی شکل میں تبدیل ہوگئے ہیں اور وہ خود اپنی خیر چاہتا ہے تو یہاں سے نکل جائے۔ لیکن پولس نے کہا میں اپنے دوستوں کو ایسی حالت میں چھوڑ کر ایک قدم بھی اٹھا نہیں سکتا۔ یور لوچس نے بہت سمجھایا لیکن پھر بھی پولس نہ مانا۔ اور اسے وہیں چھوڑ کر خود آگے بڑھا کہ اسے مرکیوری جو کہ یک خداؤں کا قاصد تھا ملا اور وہیں خدا کی طرف سے ایک جادو کی لکڑی پیش کی۔ اس میں یہ خوبی تھی کہ اگر شاہ اس لکڑی کو پکڑے رہے گا تو سرس کا جادو اس پر نہ چلے گا۔ شاہ نے شکریہ ادا کیا اور محل کی طرف بڑھا کہ اسے گانے کی آواز آئی۔ شاہ بے خود ہوگیا اور چاہتا تھا کہ لکڑی وہیں چھوڑ کر آگے بڑھے کہ پھر اسے اس کی خاصیت یاد آگئی اور لکڑی کو مضبوط پکڑے ہوئے محل میں داخل ہوا سامنے ایک بہت بڑا ہال تھا بیچ میں ایک جگمگاتا ہوا تخت رکھا تھا۔ جس پر سرس بیٹھی ہوئی تھی شاہ کو دیکھکر اٹھی اور گاتے ہوئے آگے بڑھی اور پولس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ پھر اسے ایک دوسرے کمرے میں لے گئی جہاں طرح طرح کے لذیذ و نفیس کھانے چنے ہوئے تھے۔ سرس نے اپنا گانا جاری رکھتے ہوئے، شاہ کو کھانے کا اشارہ کیا۔ پولس نے لکڑی ہاتھ میں پکڑے ہوئے کھانا کھایا۔ اب سرس چپ ہوئی اور اپنی جادو کی لکڑی پولس کے سر پر پھرائی۔ اور کہا "پولس جاؤ، آج سے تم شیر ہو" لیکن پولس پر کچھ اثر نہ ہوا۔ اب سرس غصہ میں بھر گئی اور چاہا کہ پولس کو قتل کردے۔ لیکن پولس پہلے ہی سے تیار تھا۔ تلوار لئے سرس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس سے کہا کہ سب جانوروں کو جلد انسان بنا دے۔ سرس نے پہلے تو انکار کیا لیکن پولس نے جب تلوار اس کی گردن پر رکھدی تو اس نے سب جانوروں کو اندر بلا کر ان کی اصلی

صورت میں تبدیل کر دیا اور خود غائب ہو گئی اس کے بعد پھر کسی نے سرس کا نام نہ سنا ٭

یہ ہے ایک پرانی رومن کہانی ۔ جو اگلے زمانے میں ہر ایک رومن بچے کو بہادر بنانے کی غرض سے، یاد کرائی جاتی تھی تاکہ وہ بھی بڑا ہو کر اسی طرح بہادر بنے ۔ اور اپنے دوستوں کی جان بچائے ٭

رؤف بے

پیام بھائیو! تم نے مصطفیٰ کمال پاشا اور غازی انور پاشا کا نام تو ضرور سنا ہوگا۔ اور تم میں سے بہت کچھ لوگوں نے ان کے حالات بھی پڑھے ہوں گے۔ ترکی کے یہ ایسے ہی بڑے آدمی ہیں جیسے ہمارے یہاں گاندھی جی اور مولانا محمد علیؒ ۔ ہمارے مدرسہ جامعہ ملیہ میں آج کل ایک ترک "رؤف بے" آئے ہوئے ہیں ۔ انھوں نے بھی انور پاشا اور کمال پاشا کی طرح اپنے ملک اور قوم کے لئے بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں اور مصیبتیں جھیلیں ہیں ۔ یہ ترکی حکومت کے وزیر اعظم بھی رہ چکے ہیں، لیکن اب کچھ عرصے سے ترکی سے باہر رہتے ہیں ۔ ہمارے امیر جامعہ (Chacellor) ڈاکٹر انصاری صاحب آپ کے دوست ہیں، انھیں کے بلانے پر آپ جامعہ آئے ہیں ۔ آؤ ہم تمھیں ان کے کچھ حالات سنائیں :-

آپ طرابلس میں پیدا ہوئے تھے ۔ پورا نام حسین رؤف ہے، اور "بے" جو اصل میں بیگ ہے، ترکی کا ایک خطاب ہے، جو وہاں بڑے لوگوں کو دیا جاتا ہے۔

لڑائی کا شوقین تو ترکی کا ہر بچہ ہوتا ہے، مگر رؤف بے کو سمندر کی لڑائی کا خاص شوق تھا ۔ ۱۱ برس کی عمر تک تو آپ نے عام تعلیم حاصل کی مگر بارھویں سال میں قدم رکھتے ہی ایک جنگی مدرسہ میں داخل ہو گئے ۔ جہاں جہاز

چلانا سکھایا جاتا تھا۔ آپ شروع ہی سے بہت
ذہین اور ہوشیار ہیں، بہت جلد جہازرانی
میں مشق پیدا کرلی۔ حکومت نے آپ کی
پھرتی اور چالاکی دیکھ کر، ٹیمن جانیوالی فوج کا
سمندری افسر مقرر کر دیا۔ آپ کو تعجب ہوگا
کہ اس وقت ان کی عمر اٹھارہ سال کی تھی۔

آپ ایک مدت تک مختلف جہازوں
میں فوجی خدمات انجام دیتے رہے۔ لیکن
کاموں کو ایسے سلیقہ اور ہوشیاری سے
کرتے تھے کہ تھوڑے ہی دنوں میں اپنے
ساتھیوں میں سب سے نمبر لے گئے۔

یورپ کے دوسرے ملکوں نے جب
ایسی کشتیاں تیار کیں جو سمندر میں پانی کے
نیچے نیچے چلتی تھیں، تو ترکی حکومت نے اس
سے واقف ہونے کے لئے رؤف بے کو امریکہ
بھیجا۔ کہ وہ وہاں جاکر ان کشتیوں کا پورا پورا
حال معلوم کریں۔

امریکہ سے واپس آکر آپ کو مختلف جہازوں
کی افسری دی گئی۔ آپ نے ہر جہاز میں
بہت محنت سے کام کیا۔ اس کے بعد ۱۹۱۱ء
میں آپ ایک مشہور جہاز کے کپتان مقرر
ہوئے۔ اس جہاز کا نام حمیدیہ تھا۔ طرابلس
کی لڑائی میں ترکی کی بحری طاقت بڑی کمزور
تھی۔ اور دشمن کی فوجیں خوب مضبوط تھیں
اور ان کے پاس پانی کے بہت سے جہاز
تھے۔ اس لڑائی میں شرکت کرنا بڑی جان
جوکھوں کا کام تھا۔ مگر رؤف بے نہایت
بہادری سے اس میں شریک ہوئے۔ اور
دشمنوں کی بہتات کے باوجود بڑی ہوشیاری
کے ساتھ فوجوں کی مدد کی۔ دشمنوں نے سمندر
کے تمام راستے بند کر رکھے تھے۔ لیکن
انھوں نے دشمنوں کو خوب دھوکے دیئے
اور ان کو نقصان پہنچایا۔

یوں تو ہر لڑائی میں آپ بڑے بڑے
کام کرتے تھے۔ لیکن ایک جنگ میں جو
۱۹۱۲ء میں ہوئی تھی، آپ نے ایسی چالاکی
اور ہوشیاری کے ساتھ اپنے کو بچایا اور دشمن
کو نقصان پہنچایا کہ لوگ انھیں جادوگر سمجھنے
لگے۔ کہاں حمیدیہ، کہاں یونان کے بڑے
بڑے بے شمار جنگی جہاز۔ مگر اس ایک
جہاز نے یونانیوں کا ناک میں دم کر دیا تھا۔
حمیدیہ نے اس موقع پر سات جنگی جہازوں

کو سمندر میں ڈبو دیا۔ دشمن کے سامان کو بہت سی جگہ آگ لگا دی۔ یونانی کھسیانے ہو ہو کر حمیدیہ کا پیچھا کرتے تھے۔ مگر رؤف بے ہر مرتبہ صاف نکل جاتے تھے۔

حمیدیہ جہاز کے ان کرشموں کی تمام دنیا میں ایک دھوم مچ گئی تھی، مگر یورپ والے کبھی یقین ہی نہیں کرتے تھے کہ اس کا کپتان رؤف بے ہے۔ وہ کہتے تھے، کہ کوئی ترک ایسا چالاک اور ہوشیار کپتان ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ کوئی ہمارا ہی بھائی بند ہے لیکن اس واقعہ کا انکار، سورج کی روشنی کا انکار تھا۔

جنگ عظیم میں بھی آپ نہایت بےخوفی کے ساتھ لڑے اور قوم اور ملک کے فائدہ کی خاطر بارہا اپنی جان کو خطرہ میں ڈالا۔ اور اپنی جان پر کھیل کر ترکی کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو بال بال بچا لیا۔

رؤف بے صرف ایک لڑاکا ہی نہیں ہیں، بلکہ امن پسندی اور بیچ بچاؤ کرانے میں بھی آپ ہمیشہ آگے رہے ہیں۔ حکومت ترکی نے ایک دفعہ آپ کو صلح کرانے کے لئے روس بھیجا۔ ایک دفعہ کوہ قاف کی ریاستوں سے دوستی کرنے کے لئے بھی ترکی کی طرف سے آپ ہی صلح کانفرنس میں شریک ہوئے۔

ترکی میں جب نئی طرح کی حکومت کی بنیاد پڑی تو انگورہ کی مجلس ملیہ کے سدر سب سے پہلے آپ ہی بنائے گئے اور اس کے بعد آپ کو سب سے بڑے وزیر کی جگہ دی گئی اب موقع آیا تھا کہ یہ اپنی محنتوں اور قربانیوں کا کوئی پھل پاتے۔ مگر چند ہی مہینے بعد کمال پاشا سے اَن بن ہو گئی۔ اور آپ ان کا ساتھ نہیں دے سکے۔ اس لئے خود ہی اپنے عہدہ سے علیحدہ ہو گئے۔

ملک میں آپ کا بہت اثر تھا، تمام ملک آپ سے محبت کرتا تھا۔ اس وقت اگر آپ چاہتے تو اپنے ساتھیوں کو لے کر کمال پاشا سے لڑ سکتے تھے۔ اور اس طرح بالکل ممکن تھا کہ آج ترکی کے صدر کمال پاشا کے بجائے رؤف بے ہوتے۔ لیکن آپ نے اس خیال سے کہ ہمارے لڑنے بھڑنے سے ملک والوں پر برا اثر پڑے گا، اور اگر کہیں

لڑائی ہوئی تو ملک کی آزادی خطرہ میں پڑ جائے گی۔ خاموشی اختیار کی اور وطن کو الوداع کہہ کر یورپ چلے گئے۔ اب کوئی چھ سال سے فرانس میں رہتے ہیں۔ جاگیر جائداد تو کچھ ہے نہیں بہت ہی معمولی زندگی گزارتے ہیں۔ لیکن ہر وقت نہایت خوش اور بشاش رہتے ہیں کبھی پچھلی باتوں کا غم نہیں کرتے۔

آپ سمجھتے ہوں گے کہ رؤوف بے کمال پاشا سے ناراض ہیں اس لئے ان کی برائی کرتے ہوں گے۔ مگر نہیں ایسی بات نہیں ہے۔ خفگی کے باوجود کبھی بھی کمال پاشا کو برا بھلا نہیں کہتے۔ بلکہ الٹی تعریف کرتے ہیں۔ کوئی شخص ان کی باتوں سے پتہ نہیں چلا سکتا کہ کمال پاشا کی بعض باتوں کے وہ سخت مخالف ہیں ٭

عبدالملک۔ متعلم جامعہ۔ دہلی

سائیکل کا پنکچر

(مضمون اگلے صفحے پر ملاحظہ ہو)

(سید ابو طاہر زادہ - بی - ایس سی)

سائیکل کا شوق تھا کہ خدا کی پناہ۔ کوئی مجھکو کھانا نہ دیتا، پانی نہ پلاتا مگر دن بھر سائیکل پر گھمائے پھرتا تو میرا جی خوش ہوتا۔ اپریل کی دھوپ، مئی جون کی لو، برسات کا موسلا دھار مینہ اور دسمبر کی کڑکڑاتی ہوئی سردی میرے لئے کوئی چیز ہی نہیں، سائیکل تھی اور میں تھا۔ آہ، چیلیں اور کوے کتنی آزادی سے ہوا میں تیرتے رہتے ہیں، انگریز کیسی بہادری سے ہوائی جہاز میں اڑتے رہتے ہیں، چچا جان موٹر کے لچکدار پہیوں پر گھومتے پھرتے ہیں، مگر ابا جان کو ضد تھی تو میری سائیکل سے۔ جس پر بیٹھ کر میں بھی تھوڑی دیر کے لئے اپنے آپ کو کبھی تو چیل سمجھ لیتا تھا کبھی ہوائی جہاز کا انجینر کہ لیتا تھا اور کبھی رولس رائیس کا ڈرائیور۔

سائیکل چلانے کا لطف مجھے ہموار سڑکوں پر نہیں آتا تھا۔ جب کبھی موقع مل جاتا تھا تو میں کٹھ ٹیلے پر چلا جاتا تھا۔ وہ شہر کا سب سے اونچا مقام تھا اور وہاں آمد و رفت بہت ہی کم رہتی تھی۔ وہاں سے ایک اتار جو شروع ہوتا تھا تو تقریباً آدھے میل پر جاکر ختم ہوتا تھا۔ ایسا ہموار اور سیدھا اتار تھا کہ اگر اس کے شروع ہونے کے مقام سے ایک پیسہ لڑھکا دیا جاتا تو وہ اخیر تک یوں ہی لڑھکتا ہوا چلا جاتا۔ جس وقت میں اس مقام پر پہنچتا تو اپنے سینے پر اپنے دونوں ہاتھوں کی قینچی بنا لیتا۔ اور اپنے دونوں پیروں کو پیڈل پر سے ہٹا کر اس طرح پھیلا لیتا تھا جس طرح کسی اڑتی ہوئی چیل کے پر پھیلے ہوئے ہوں۔ میری سائیکل کے پہیے کو لتار کے اتار سے اس تیزی سے پھسلتے ہوئے چلتے تھے، جس طرح پونا کی دکن کوئین گاڑی۔ یا بحر ہند میں تیرتا ہوا ایمڈن، یا کراچی سے ڈاک لیجانیوالا ہوائی جہاز۔ یا سویٹزرلینڈ کی پھسلواں اور چکنی برف پر اسکیٹنگ کرنے والے آدمی۔ یا ہوا کے سمندر میں اڑتے ہوئے آزاد پرندے۔ میرے چہرے پر ہوا کے جھونکوں کے تھپڑ لگتے تھے۔ میرے کانوں میں زن زن کی

آواز آتی تھی اور میرے بڑے بڑے انگریزی بال ہوا میں لہراتے تھے۔ جن کی حرکت کو دیکھ کر ایسا ہی معلوم ہوتا تھا کہ کھٹ کھٹ بڑھئی کی چوٹی ہل رہی ہے یا سمندر کے جہازوں کے بادبان اڑ رہے ہیں۔ سر سر سر۔ زن زن زن۔ شن۔ شن۔ پھیپھڑوں میں ہوا بھر گئی ہے۔ سانس روک لی ہے۔ چہرہ سرخ ہو گیا ہے۔ دل زور زور سے دھڑک رہا ہے۔ سارا بدن سائیکل کی گدی پر تلا ہوا ہے، ہاتھ سینے پر چپکے ہوئے ہیں۔ پیر پروں کی طرح سے حرکت کر رہے ہیں۔ اور میں اڑتا ہوا جا رہا ہوں۔ سچ مانئے۔ ہوا میں بالکل چیل کی طرح آزاد اور خوش۔ اماں کی چیخ پکار، ابا کی ڈانٹ ڈپٹ، استاد کی مار دھاڑ۔ چھوٹے بہن بھائیوں کی چیں چاں۔ اور بچوں کی غوں غاں سے دماغ بالکل خالی۔ ہے۔ اے اللہ یہ اتار کسی طرح نہ ختم ہو۔ میں اسی طرح اڑتا رہوں، پھسلتا رہوں، زن زناتا رہوں۔ تیرتا رہوں۔ چلتا رہوں اور حرکت کرتا رہوں۔ ارے میرے اللہ، بچانا! — ایک دناٹا ہوا۔ سائیکل اچھلی۔ اور میں ایک ایسے مرغاب کی طرح، جسکو اڑتے میں بندوق کی گولی ماری گئی ہو پھڑ پھڑاتا ہوا نیچے گر گیا۔

(۲)

میرا ہوائی جہاز ٹوٹ گیا تھا میرے کپڑے پھٹ گئے تھے، میرے ہاتھ پیر لہو لہان ہو گئے تھے اور میں کچھ دیر کے لئے بے ہوش ہو گیا تھا۔ قریب کے بنگلے کی ایک ہمدرد میم صاحب مجھ کو اٹھوا کر لائیں۔ اور میری مرہم پٹی کی۔ اس کے بعد میں گھر پر پہنچوا دیا گیا۔ دس پندرہ روز کے لئے پلنگ ہی پر پڑا رہا۔ اس کے بعد مجھکو صحت ہوئی سائیکل پر چڑھنے کی ممانعت کر دی گئی اور میرا گھر سے نکلنا بالکل بند کر دیا گیا۔

ایک روز میں نے اپنی اس ٹوٹی ہوئی سائیکل کو جاکر دیکھا تو معلوم ہوا کہ میری سائیکل کے ٹیوب میں ایک بہت بڑا پنکچر ہو گیا تھا جسے انگریزی میں Burst برسٹ کہتے ہیں۔ اور یہی وجہ تھی کہ مجھے ایک دناٹے کی آواز آئی تھی۔ اب مجھکو اس پنکچر کی وجہ دریافت کرنے کا خیال ہوا۔ آخر

میرے اس نئے ٹیوب میں پنکچر ہونے کی کیا وجہ تھی اور اس میں سے پٹاخے کی سی آواز کے پیدا ہونے کا کیا سبب تھا۔ کیا تم بتا سکتے ہو؟

میری سائیکل کے ٹیوب میں ہوا بھری ہوئی تھی۔ بھری ہوئی اس طرح تھی کہ اس کو پمپ کے ذریعہ سے اندر ٹھونسا گیا تھا۔ اسی طرح جس طرح کسی تھیلی میں زور دے دے کر آٹا بھرا جائے۔ جب میری سائیکل کے پہیے جلدی جلدی حرکت کر رہے تھے تو کولتار کی گرم سڑک کی وجہ سے میری ربڑ کے ٹائر اور ٹیوب گرم ہو گئے تھے۔ تم جانتے ہو کہ رگڑ کھانے سے اور جلد جلد حرکت کرنے سے ہر چیز گرم ہو جاتی ہے۔ گھوڑوں کے لوہے کے نعل بعض اوقات اتنے گرم ہو جاتے ہیں کہ ان سے چنگاریاں نکلنے لگتی ہیں، جن کو تم نے اکثر دیکھا ہوگا۔ جب ربڑ کے ٹائر گرم ہوئے تو انھوں نے اپنے اندر بھری ہوئی ہوا کو بھی گرم کر دیا۔ بالکل اسی طرح جس طرح گرم پتیلی اپنے اندر بھرے ہوئے پانی کو کھولا دیتی ہے۔ اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے جب پانی زیادہ کھولتا ہے تو اُبلنے لگتا ہے اسی طرح جب ٹیوب زیادہ گرم ہوا اور ہوا زیادہ جوش میں آئی تو اس نے پھیلنا چاہا گویا ہوا ایک ایسی قیدی تھی جو اپنے قید خانہ میں رہنا پسند نہیں کرتی تھی۔ اس نے غصہ میں آکر زور کیا اور ٹیوب کی دیواروں پر اسی طرح دھکے مارا جس طرح تم بند دروازے پر زور لگاتے ہو۔ ہوا کا زور اتنا تھا کہ ٹیوب اس کو نہ روک سکا۔ اسکی دیوار دنا سے کے ساتھ پھٹی اور ہوا ہنستی ہوئی نکل گئی۔ ٹیوب پچک گیا، پہیہ فوراً رک گیا اور میں سیٹ (گدی) کے اوپر سے اچھل کر نیچے گر گیا۔

اس ہفتہ جامعہ میں بہت ہی افسوسناک واقعہ پیش آیا۔ یعنی جناب سید نذیر نیازی صاحب کے والد نے یکایک دل کی حرکت بند ہو جانے کی وجہ سے چاندرات کو انتقال فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ہمیں جناب نیازی صاحب، جناب نصیر صاحب اور دوسرے عزیزوں سے دلی ہمدردی ہے۔ خدا مرنے والے (مرحوم) کو جنت میں جگہ دے اور ان کے عزیزوں کو صبر عطا فرمائے۔

میں کیا کروں گا

(سید نصیر احمد صاحب بی اے جامعی)

راہ جو سیدھی ملے اس پر چلوں گا بے خطر
راستے جتنے بُرے ہیں ان ہی میں کتراؤں گا

قوم کی اور ملک کی خدمت کروں گا شوق سے
مشکلیں جتنی پڑیں ہرگز نہ میں گھبراؤں گا

ایسی صحبت میں رہوں گا تاکہ حاصل ہو کمال
جو بُرے ہیں ان کی صحبت میں نہ ہرگز جاؤں گا

دوسروں کے آسرے پر میں رہوں ہوگا نہ یہ
زورِ بازو سے کما کر جو ملے گا کھاؤں گا

میرے ماں اور باپ نے پالا محبت سے مجھے
ان کی خدمت میں کروں گا جب بڑا ہو جاؤں گا

چغلی اور غیبت سے میں کرتا رہوں گا اجتناب[1]
بات ہوگی گر کوئی تو برملا[2] کہہ جاؤں گا

کھیل میں مجھکو ہزیمت[3] ہو اگرچہ بار بار
پست ہمت میں نہ ہوں گا اور نہیں شرماؤں گا

پھول والوں کی سیل[4]

(بشیر علی - اینگلو عربک ہائی اسکول دہلی)
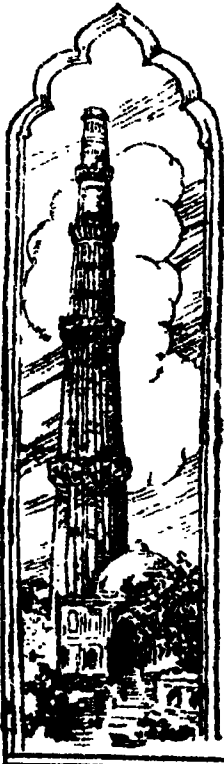
جولائی اور اگست کے زمانہ میں برسات کا موسم بہار پر ہوتا ہے۔ بادل ہر وقت آسمان پر چھائے رہتے ہیں۔ دلی کے سیلانی اور شوقین لوگ اس زمانہ میں قطب صاحب، (مہرولی) میں جاکر رہتے اور زندگی کا لطف اٹھاتے ہیں۔ اسی موسم میں ایک میلہ "پھول والوں کی سیر" کے نام سے قطب صاحب میں بہت شان و شوکت سے ہوتا ہے یہ مغل بادشاہ حضرت شاہ عالم کے زمانہ سے اب تک جاری ہے مجھے بھی اس سال اس میں جانے کا

[1] پرہیز۔ [2] ظاہر، کھلم کھلا۔ [3] شکست۔ ہار۔ [4] دہلی میں عام طور پر سیر کو سیل کہتے ہیں۔

اتفاق ہوا۔

ہر سال جمعرات کے روز یہ میلہ ہوتا ہے اور جب اس کی تاریخ مقرر ہو جاتی ہے تو دلی شہر میں عام اطلاع کرا دی جاتی ہے۔ تاکہ ہر شخص اس میں شریک ہو سکے۔ قطب صاحب دلی سے کوئی گیارہ میل دور ہوگا۔ میلہ کے دن اتنی لمبی سڑک پر لوگوں کا ہجوم رہتا ہے۔ یکوں۔ تانگوں۔ موٹروں اور موٹر لاریوں کا تانتا بندہ جاتا ہے۔ غریب جنھیں یکہ تانگہ کا کرایہ تک میسر نہیں، شوق میں پیدل ہی چل کھڑے ہوتے ہیں۔ غرض دوسرے سیلانیوں کی طرح ہم بھی قطب صاحب پہنچے۔ اس روز وہاں عجیب سماں تھا کہیں آم کے درختوں کے جھنڈ تھے۔ کہیں جامنوں کے گچھے ہوا میں جھول رہے تھے۔ کہیں کوئل کوکو کر رہی تھی اور پپیہا الاپ رہا تھا۔ کہیں جھولے والے جھول رہے تھے۔ اور پینگیں بڑھا رہے تھے۔ کہیں کچھ زندہ دل آدمی بیٹھے خوش گپیاں کر رہے تھے۔ کہیں سے سریلے گانوں کی آوازیں آ رہی تھیں کہیں باجہ بج رہا تھا۔ کچھ تیراک شمسی تالاب میں غوطہ لگا کر اپنے فن کا کمال دکھا رہے تھے۔

جھرنے پر کچھ عجیب ہی لطف تھا۔

کوئی ساڑھے چار بجے پنکھے کا جلوس شاہی جھرنے سے شروع ہوا۔ اور مینا بازار (جہاں بادشاہی زمانے میں جواہرات فروخت ہوتے تھے) ہوتا ہوا، درگاہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر رات کے دو بجے پہنچا۔ بھیڑ کا یہ حال تھا کہ کھوے سے کھوا چھلتا تھا۔

میں نے ایک بڑے میاں سے اس میلہ کی تاریخ پوچھی۔ ایک ٹھنڈا سانس بھر کر فرمایا "میاں صاحبزادے! اس کا قصہ یہ ہے کہ ایک دن شاہ عالم (مغل بادشاہ) برسات کے موسم میں اپنے مصاحبوں کیساتھ سیر کو نکلے۔ قلعہ معلی (دہلی کا لال قلعہ) پر گھٹا چھائی ہوئی تھی اور ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی تھی بادشاہ سلامت نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ برسات کا لطف قطب صاحب چل کر اٹھانا چاہیئے۔

اعلیٰ حضرت کا یہ فرمانا تھا کہ تیاریاں ہونے لگیں اور حضور اپنے وزیروں اور امیروں سمیت

قطب صاحب پہونچے۔ برسات کی بہار دیکھ کر طبیعت میں امنگ پیدا ہوئی اور فرمایا کہ رعایا بھی اس کا لطف اٹھائے۔ حکم ہوتے ہی رعایا پر ایک لاکھ روپیہ تقسیم کر دیا گیا۔ اس وقت سے یہ میلہ اب تک جاری ہے۔ اب گورنمنٹ بھی اس میلہ کے سلسلہ میں سالانہ کچھ دیتی ہے +

لال خاں

لال خاں جیسے ہی مکان میں داخل ہوئے بیوی نے کہا "آج تو میرا جی گوبھی کھانے کو ہو رہا ہے" لال خاں نے جواب دیا "گلابو کی اماں! یہ کون سی بڑی بات ہے" ابھی لال گوبھی لائے دیتے ہیں۔ لاؤ تو ہماری لال پگڑی اور ہاں ذرا ہمارا لال ڈنڈا بھی لیتی آنا۔ ارے تو یہ سنتی جاؤ، کھونٹی پر لال اچکن ٹنگی ہے، ہاں ہاں جاؤ۔ ارے ذرا ٹھہرو، او گلابو کی اماں! اچھا جاؤ۔ کوئی بات نہیں۔ ابے نظامی! سنتا نہیں، جاکر ہماری لال واسکٹ لا، وہی لال پھولے کی جو کل ہم نے کلن درزی سے سلوائی ہے ارے۔ سن، بھاگ کر جا۔ ہاں ایک بات اور سن۔ ہماری گھڑی بھی لیتا آ۔ جو ہم نے پرسوں گنگولی بابو کی دوکان سے خریدی تھی۔ ابے کھڑا کیا منہ تک رہا ہے، بھاگ کر جا۔ کوئی کمبخت جلدی کام نہیں کریں گے۔ بیٹے جمو! تو تو ذرا جا۔ ہماری لال پنجابی جوتی اٹھا لا جو ہم نے پرسوں رمضان کی عید پر خریدی تھی۔ اور ہاں جاپان کی بنی ہوئی لال جرابیں بھی۔ ارے ہاں جمو! اچھا جا۔ ارے لونڈے منیرا! تو کیا منہ تک رہا ہے کمبخت جلدی اٹھ۔ جاکر ہمارا لال اطلس کا بٹوہ لیکر جلدی آ۔ وہی جسے گلابو کی اماں نے اپنی آنکھوں پر چشمہ لگا کر سیا تھا بن ذرا سنبھال کر لائیو اس میں کچھ کم دو تین پیسے ہیں

اتنے میں گلابو کی اماں بڑبڑاتی ہوئی آئیں "بازار کیا جا رہے ہیں گویا لندھن (لندن) خرید لائیں گے۔ تم رہنے بھی دو۔"

لال خاں :۔ (اچکن پہنتے ہوئے) کیوں بڑبڑا رہی ہو، تمھیں خبر نہیں ہم بازار جا رہے ہیں۔ سب نالائق ہیں کوئی ہماری چیزیں ٹھیک سے لا کر نہیں دیتا۔ اتنی دیر سے ہم چیخ رہے ہیں۔

گلابو کی اماں :- تم ہی کیوں نہیں لے آتے۔ ہم سے تو جلدی کام نہیں ہو سکتا۔ ایک طوفان برپا کر رکھا ہے۔ میں ایسی گوبھی کھانے سے باز آئی۔ پتہ نہیں بازار جا کر کیا غضب کریں گے۔

لال خاں: میں میں کیوں خفا ہوئی جا رہی ہو۔ نہیں بلی تو نہیں چھینک گئی۔ تم کو خبر نہیں ہم گوبھی خریدنے جا رہے ہیں۔

بڑے میاں گورے چٹے لال لال تھے اور دوسرے انھیں لال کپڑوں سے بھی بہت ہی رغبت تھی۔ اسی واسطے لوگ انھیں لال خاں کہتے تھے۔ اب لال خاں لال کپڑے اور لال جوتے پہنے ہوئے بازار پہنچے۔ ایک گوبھی والے کے پاس جا کر کہنے لگے۔

لال خاں۔ بھئی گوبھی والے مجھے ایک اچھی سی۔ مگر تازی ہو۔ لال گوبھی دیدے۔ گلابو کی اماں کا جی چاہا ہے۔ ارے میاں جلدی کر شام ہو رہی ہے گلابو کی اماں سخت انتظار کر رہی ہوں گی۔

گوبھی والا۔ ہنس کر۔ لال خاں! تمھارا دماغ بھی ٹھیک ہے یا نہیں؟ پہلے اپنے دماغ کا علاج کرائیے!

لال خاں۔ (لال پیلے ہو کر) بے وقوف نالائق تجھے شرم نہیں آتی۔ تیری دوکان پر ہم گوبھی خریدنے آئے اور تو ہماری بے عزتی کرتا ہے۔ ہم صرف گلابو کی اماں کی خاطر گوبھی خریدنے آئے ورنہ تیری دوکان پر آنے کی ہمیں کیا غرض پڑی تھی۔

گوبھی والا (غصہ میں کھڑا ہو کر) بڈھے تجھے شرم نہیں آتی۔ تو نے اپنے پڑدادا کے زمانے میں بھی لال گوبھی دیکھی تھی؟

لال خاں (اپنا ڈنڈا سنبھال کر) میں ابھی اسی لال ڈنڈے سے تیرا سر توڑ دوں گا۔ کمبخت تیری اتنی ہمت ہوئی کہ میرے دادا کا نام لیتا ہے۔ یہ کہہ کر ایک ڈنڈا گوبھی والے کے سر پر مارا۔ بیچارا گوبھی والا خون میں شرابور ہو گیا۔ لیکن اس نے بھی ایک اینٹ اٹھا کر لال خاں کے سر پر ماری۔ لال خاں بھی خون میں نہا گئے۔ لوگوں نے دونوں کو علیحدہ کیا۔ لال خاں بڑبڑاتے ہوئے گھر پہنچے۔ اور دروازے سے ہی چیخ کر کہنے لگے "او گلابو کی اماں! کہاں مر گئیں، ہم تو خون میں نہا کر آئے ہیں" یہ کہکر دروازے پر دھڑ سے گرے۔

بچّوں کا قاعدہ

بچوں کو قاعدہ پڑھاتے وقت مندرجہ ذیل دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

۱۔ کام کس طرح شروع کریں کہ بچہ ابتدائی کام کو ماحول سے مطابق دیکھے۔

۲۔ حروف علت کا استعمال۔

۳۔ ہم آواز حروف کی مشکلات۔

۴۔ کام کو آخر تک دلچسپ رکھنا۔

جناب مولوی عبدالغفار صاحب نگران تعلیمی مرکز نمبر ا۔ آج چھ سال سے جماعت اول کے بچوں کو اردو پڑھارہے ہیں اور بچوں کی تعلیم میں مہارت تامہ رکھتے ہیں موصوف نے مندرجہ بالا دشواریوں کو سامنے رکھتے ہوئے بچوں کا قاعدہ لکھا ہے۔ یہ قاعدہ جامعہ ملیہ میں دو سال کے تجربہ کے بعد اب شائع ہوا ہے قیمت ۴/

رہنمائے قاعدہ

بچوں کا قاعدہ پڑھانے میں جس ترتیب سے کام لیا گیا ہے، وہ سب اس میں درج ہیں۔ ایک معلم جسے بچوں کی تعلیم سے دلچسپی ہو رہنمائے قاعدہ کا مطالعہ اسے بہت مفید ثابت ہوگا۔ قیمت ۲/

مکتبہ جامعہ قرولباغ دہلی

خوشی کے موقع پر

بچوں کے لئے سب سے اچھا تحفہ کتاب ہے

یہ خوبصورت کتابیں مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ نے بچوں کے لئے خاص طور پر تیار کرائی ہیں۔ اور ہندوستان کے اکثر مدارس میں داخل ہیں۔

تاریخ اسلام کا جدید نصاب

ہمارے نبی	جماعت دوم کے لئے	قیمت ۳ر
نبیوں کے قصے	" سوم "	" ۵ر
سرکار دو عالم	" چہارم "	" ۸ر
خلفائے اربعہ	" پنجم "	" ۱۰ر

چند اور اچھی کتابیں

ہمارے رسول ۵ر — آنحضرت۔ ۴ر
اسلامی عقائد ۱۰ر — اچھی باتیں ۴ر

بچوں کے لئے ڈرامے

بچوں کا انصاف۔ ۴ر — شریر لڑکا ۴ر
اسکول کی زندگی۔ ۴ر — دیانت ۲ر

مکتبہ جامعہ۔ قرولباغ۔ دھلی

جلد ۱۴ نمبر ۸

جامعہ ملیہ اسلامیہ کا پندرہ روزہ تعلیمی رسالہ

۲۱ اپریل سنہ ۳۶ء

فہرست مضامین

ایڈیٹر:— سعید انصاری

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۹۶۱

چندہ سالانہ ۲ روپیہ ۸ آنہ

بچّوں کا قاعدہ

بچّوں کو اردو کا قاعدہ پڑھاتے وقت مندرجہ ذیل دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

۱۔ کام کس طرح شروع کریں کہ بچہ ابتدائی کام کو ماحول سے مطابق دیکھے۔
۲۔ حروف علت کا استعمال۔
۳۔ ہم آواز حروف کی مشکلات۔
۴۔ کام کو آخر تک دلچسپ رکھنا۔

جناب مولوی عبدالغفار صاحب نگران تعلیمی مرکز نمبر ۱ آج چھ سال سے صرف اول جماعت کے بچّوں کو اردو پڑھاتے ہیں۔ اور بچّوں کی تعلیم میں مہارت تامہ رکھتے ہیں موصوف نے مندرجہ بالا دشواریوں کو سامنے رکھتے ہوئے بچّوں کا قاعدہ لکھا ہے۔ یہ قاعدہ جامعہ ملیہ میں دو سال کے تجربے کے بعد اب شائع ہوا ہے قیمت ۴ر

رہنمائے قاعدہ

"بچّوں کا قاعدہ" پڑھانے میں جس ترتیب سے کام لیا گیا ہے۔ وہ سب اسمیں درج ہے۔ ایک معلّم جسے بچّوں کی تعلیم سے دلچسپی ہو۔ رہنمائے قاعدہ کا مطالعہ اسے بہت مفید ثابت ہوگا۔ قیمت ۲ر

گھر کی چڑیاں

ننھی چڑیاں جو گھر میں آتی ہیں
کس مزے سے یہ چہچہاتی ہیں

ہے پھدکنا کہ ناچنا ان کا
چہچہاتی ہیں، یا یہ گاتی ہیں

لڑتی ہیں جب یہ مل کے آپس میں
سر پہ گھر بھر کو بس اٹھاتی ہیں

کیا پیارا سماں وہ ہوتا ہے،
پر پھُلا کر یہ جب نہاتی ہیں

پھول کر گیند سی ہیں بن جاتی،
جب نہا کر یہ پر پھلاتی ہیں

بیٹھ کر کھونٹیوں پہ، چھینکوں پر
اپنی چوں چوں ہمیں سناتی ہیں

اِن سے اپنے گھروں کی رونق ہے
کیا خوشی سے یہ گیت گاتی ہیں

یونہی ہر وقت خوش رہیں ہم بھی۔
رہ کے خوش یہ ہمیں بتاتی ہیں

اپنی پیاری پھدک سے چوں چوں سے
روتے انسان کو ہنساتی ہیں

رہتی ہے کیا چہل پہل ان سے
کیا پھدکتی ہیں غل مچاتی ہیں

ہو کے خوش، الگنی پہ بیٹھ کے کیا
پر کھجاتی ہیں، دُم ہلاتی ہیں

کوئی ان کو پکڑ نہیں سکتا۔
اڑ کے یہ دور بھاگ جاتی ہیں

کیسا سناٹا گھر پہ چھاتا ہے
کہیں! اڑ کر چلی جو جاتی ہیں

جب بسیرے کا وقت ہوتا ہے
ایک طوفان سا اٹھاتی ہیں

شام کو جمع ہو کے پیڑوں پر — کس قدر شور و غل مچاتی ہیں
رات اور نیند آتی ہے جس دم — چپکی پیڑوں پہ بیٹھ جاتی ہیں
پھر پروں میں چھپا کے چونچوں کو — خواب راحت کے لطف اٹھاتی ہیں
اٹھ کے پھر صبح کو سویرے سے — شکر خالق کے گیت گاتی ہیں

گھونسلا ان کا گھر ہے چھوٹا سا — اس میں سکھ اور چین پاتی ہیں
انڈے دینے پہ جب یہ آتی ہیں — تنکے چن چن کے تب یہ لاتی ہیں
چھت میں، دیوار اور کانس میں — کہیں چھوٹا سا گھر بناتی ہیں
صحن، دالان، کوٹھری، کمرہ — ہو جہاں کچھ پڑا یہ لاتی ہیں
اڑی جاتی ہیں چونچ میں لیکر — دانہ دنکا کہیں جو پاتی ہیں
لاکے پھر اپنے ننھے بچوں کو — پیار اور چاؤ سے کھلاتی ہیں
کرکے چوں چوں لپکتے ہیں بچے — دانہ لے کے جب یہ آتی ہیں
دیکھے ان کی خوشی کوئی اس وقت — دانہ بچوں کو جب بھراتی ہیں
اپنی ایک ایک ادا سے، حرکت سے — ہم کو کوشش کے گر سکھاتی ہیں
ان کا بچہ کوئی پکڑ لے، تو ہائے — بلبلاتی ہیں، تلملاتی ہیں
ہو کے بے چین اور خفا پھر دل — اپنا غصہ ہمیں دکھاتی ہیں
ان کا بچہ نہ چھوڑیئے جب تک — چین دم بھر نہیں یہ پاتی ہیں
چھوڑ دو، چھوڑ دو، خدا کے لئے — یہی چلاتی، گڑگڑاتی ہیں
نہ ستاؤ تم ان کے بچوں کو، — تم کو بچو! یہ کب ستاتی ہیں
نہ دکھاؤ دل ان کا ننھا سا — کب تمھارا یہ دل دکھاتی ہیں

جیسے ہم تم ہیں، یہ بھی پیارے ہیں
اپنے ماں باپ کے دلارے ہیں

(مولوی محمد حسین صاحب محوی)

عجائب خانۂ سمندر

موتی کیسے بنتا ہے؟۔ گھونگے میں سیپ کے علاوہ موتی بھی پائے جاتے ہیں اور تعجب کی بات یہ ہے کہ موتی انھیں مقامات کے گھونگوں میں زیادہ ہوتے ہیں جہاں اُن کی اتنی کثرت ہو کہ سمندر کی تہ میں ان کے رہنے کے لئے کافی جگہ نہ رہے۔ اکثر ان کی اس بہتات کے سبب سے ان کے ارد گرد پانی اتنی زیادتی اور آسانی کے ساتھ نہیں پہنچ سکتا۔ جتنی کہ ان کو زندہ رہنے کے لئے ضرورت ہے۔ اس حالت میں کھلے مقام کی تلاش میں گھونگے اِدھر اُدھر حرکت کرنا شروع کرتے ہیں۔ اور ریتی پر ان کے جسموں کے رگڑے جانے سے باریک باریک ریت کے ذرے سیپوں میں داخل ہو کر ان کے جسموں کو تکلیف پہنچانے لگتے ہیں۔ گھونگا ان کنکروں کے چاروں طرف ایک لعاب دار چیز لپیٹ دیتا ہے، جو آہستہ آہستہ اس کے خول کے مانند سخت ہو جاتی ہے، یہی موتی ہے۔

سیپ گھونگے کے علاوہ بعض اور مچھلیوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ جو سیپ دار مچھلیاں کہلاتی ہیں۔ یورپ اور امریکہ میں گھونگے کی بعض قسموں کو مچھلیوں کی طرح پکا کر کھاتے ہیں۔ ان میں اور مزلس مچھلی ہیں جو سیپ پائی جاتی ہے وہ بھی گھنڈیاں وغیرہ بنانے کے کام آسکتی ہے۔ گھونگا عموماً گرم ملکوں کے سمندروں میں ہوتا ہے، مثلاً آسٹریلیا کے شمالی اور شمال مشرقی علاقے، خلیج فارس

جزیرہ سیلون اور جزائر سوتھ سی۔ پہلے پہل انسان گھونگے کی تلاش موتیوں کے لئے کیا کرتا تھا اور ہزاروں سیپوں کے ضائع کرنے کے بعد چند موتی ہاتھ آتے تھے۔ آخر موتی والے گھونگے دنیا میں کم ہوتے گئے اور سیپ کا استعمال اور اس کی ضرورتیں بڑھتی گئیں۔ اب آجکل امریکہ، آسٹریلیا اور جاپان سے جو جہاز گھونگوں کی تلاش میں ہر سال نکلتے ہیں ان کا مقصد سمندر سے موتی نکالنا نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کو سیپ کی جستجو ہوتی ہے۔ اور اس جستجو میں تھوڑے بہت موتی بھی ان کے ہاتھ لگ جاتے ہیں۔

غوطہ زن:۔ سمندر سے اسپنج اور گھونگے نکال لانا ایک فن ہے۔ اور جو لوگ اس پیشہ کو انجام دیتے ہیں، وہ غوطہ زن کہلاتے ہیں۔ اگلے زمانے میں ان غوطہ زنوں کے کام کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ پاؤں میں ایک بڑا پتھر باندھ، چھری ہاتھ میں لے ایک بڑی رسی کا سرا کمر میں کس کر ننگے دھڑنگے پانی میں کود پڑے، سمندر کی تہ میں پہنچے، اور جلد جلد گھونگے، یا اسپنج کاٹنا شروع کر دیا۔ ایک دو منٹ میں جو کچھ ہاتھ لگا لے کر اور پاؤں سے بندھا ہوا پتھر علیحدہ کر کے کمر کی رسی کو حرکت دی، اوپر جو شخص رسی تھامے کھڑا ہوتا تھا وہ اس حرکت سے سمجھ جاتا کہ غوطہ زن باہر آنا چاہتا ہے۔ اور اشارہ پاتے ہی وہ اسے اوپر کھینچ لیتا۔ ان غوطہ زنوں کو ہر غوطے میں موت کا مقابلہ کرنا پڑتا تھا، دریائی جانوروں کا الگ ڈر، رسی کے ٹوٹ جانے کا جدا خوف، اور اوپر سے رسی کھینچنے والے کی غفلت یا بے پروائی کا اندیشہ تو ان سب سے علاوہ تھا۔ مگر آجکل غوطہ زنی اس طریقہ پر نہیں ہوا کرتی۔ بلکہ اس کے لئے خاص لباس بنائے گئے ہیں۔ یہ لباس ربڑ، ریشم اور اون ملا کر بنائے جاتے ہیں۔ اور ایسے مضبوط ہوتے ہیں کہ درندے جانوروں کے دانت اس میں آسانی سے کام نہیں کر سکتے۔ غوطہ زن کی کمر میں ایک رسی بندھی رہتی ہے، اس کا دوسرا سرا جہاز پر ایک چرخ میں لپٹا رہتا ہے۔ عموماً یہ چرخ بجلی کی قوت سے حرکت کرتا رہتا ہے اور اس تیزی سے کہ غوطہ زن سمندر کی تہ سے سطح تک چند ہی سکنڈ میں کھینچ لیا جاسکتا ہے۔

یہ رسی کسی معمولی سن یا سوت کی بٹی ہوئی
نہیں ہوتی بلکہ اون، ربڑ، اور ریشم سے
تیار کی جاتی ہے۔ اور اس کی بناوٹ میں
المونیم کے باریک تار دیئے جاتے ہیں۔ غوطہ
زن کے لباس پر پیٹھ اور سینہ کی طرف دو
بڑی بڑی جست کی تختیاں لگا دی جاتی ہیں
ان سے دو فائدے ہیں، اول تو ان کے
وزنی ہونے کی وجہ سے غوطہ زن پانی کی
ابھارنے والی قوت کے باوجود جتنی دیر چاہے
پانی میں رہ سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ درندہ
جانوروں کے حملے سے بچانے میں یہ زرہ کا کام
دیتی ہیں اور اسی غرض سے غوطہ زن کی جوتیوں
پر بھی جست منڈھا جاتا ہے۔ سر پر جو خود
ہوتا ہے اس میں ایک لمبی سی نلی لگی رہتی
ہے جس کے ذریعے سے اوپر کی تازہ ہوا
ہر لمحہ منہ تک پہنچائی جاتی ہے۔ کہ وہ جتنی
دیر پانی میں رہے سانس لیتا رہے۔ خود میں
آنکھوں کے مقام پر ایک لوہے کے جال
سے محفوظ کئے ہوئے شیشے لگے رہتے ہیں
تاکہ باہر کی چیز آسانی سے دیکھی جا سکے +

(سید محمد عسکری صاحب)

یہ تو میری بوٹی ہے

محمودہ، میں، ناصری اور ہمایوں فر تخت
پر ہاتھ دھو کر بیٹھے۔ گلچمن نے دستر خوان بچھا
ہر ایک کے سامنے ایک ایک خالی پلیٹ
رکھی اور بیچ میں ایک بڑی قاب رکھدی
جس میں بھبھکتا ہوا گرما گرم مرغ پلاؤ، چوٹی تک
بھرا ہوا تھا۔ ہمارے سامنے دو پیالوں میں
بورانی بھی رکھی ہوئی تھی۔ چمچے ہر ایک کے
پاس تھے۔ ——— مرغ پلاؤ کی گرم گرم
بھاپ ہمارے نتھنوں میں سے جا کر دل کو
بے تاب کئے دیتی تھی۔ اور منہ سے پانی
کی کلیاں چھوٹ رہی تھیں۔ مگر گلچمن کا
حکم نہ تھا کہ ہم کھانا شروع کریں۔ بڑی آپ
کا انتظار تھا کہ وہ بھی ہمارے ساتھ کھانے میں
شریک ہو جائیں۔ محمودہ خاموش بیٹھی تھی
مگر ناصری اور ہمایوں فر کے دموں پر بنی ہوئی
تھی۔ رہ رہ کر چلا رہے تھے، بسور رہے تھے
زانو بدل رہے تھے۔ آخر بڑی آپ نے مجبور
ہو کر اپنے وظیفہ پڑھنے کے تخت ہی پر سے

چلا کر کہا۔ یا کہ تم لوگ کھاؤ۔ میں نماز پڑھ کر
کھاؤں گی۔ ——— میں نے ابھی چمچہ
سنبھالا ہی تھا کہ میاں ناصری نے اپنی
ٹمٹماتی ہوئی آنکھوں سے پلیٹ کی تہ میں
غوطہ مارا۔ اور مرغ کی ایک ٹانگ پر، جو
چاولوں کے اندر دفن تھی، چمچہ ہاتھ سے
پھینک کر اس طرح جھپٹا مارا جس طرح چیل مرغی
کے بچے پر جھپٹتی ہے۔ مگر فوراً ہی حضرت
کو معلوم ہو گیا کہ یہ مرغ کی ٹانگ تو بچھو
کی طرح ڈنک مارتی ہے اور چاول سانپ
کی طرح کاٹتے ہیں۔ آپ نے گھبرا کر اپنا
ہاتھ اس طرح کھینچا گویا بھڑوں کے چھتے میں
ہاتھ ڈال دیا تھا۔ دیکھا تو ہاتھ کئی جگہ سے جل
گیا تھا ——— ہم لوگوں نے جو قہقہہ
لگایا تو آپ بڑے شرمائے۔ مگر تھے پکنا
گھڑا۔ کوئی اور ہوتا تو دسترخوان چھوڑ کر چلا جاتا
شاید اس مرغے کی ایک ہی ٹانگ تھی
جو محمودہ بی کے حصے میں آئی۔ ہمایوں فر نے
اپنے چمچے کو چاولوں میں اس طرح ڈالا تھا۔
جیسے زمین کھودنے والا مزدور اپنا پھاوڑا
چکنی مٹی کے ٹیلے پر مارتا ہے۔ جس کی وجہ سے
چاول چاروں طرف چھٹک گئے تھے۔ اور
وہ ٹانگ لڑھک کر محمودہ کی پلیٹ کی طرف
گر گئی تھی۔ میں نے چمچے سے اٹھا کر اسی کی
پلیٹ میں ڈال دی۔ کیونکہ میں خصوصیت
سے لڑکیوں کا بہت خیال رکھا کرتا تھا۔ ہمایوں فر
صاحب کو لگا ناگوار۔

"یہ ٹانگ میرے چمچے سے گری ہے"
انھوں نے نتھنے پھلا کر کہا۔

"اس پر پہلی نظر تو میری پڑی تھی"۔
ناصری صاحب نے بوٹی پچوڑتے ہوئے فرمایا۔

"بھئی لے لو جس کا جی چاہے" محمودہ نے
جھنجلا کر کہا۔ "مجھے ہڈی بوٹی کا جھگڑا اچھا نہیں
لگتا"۔

"اچھا تم ہی کھاؤ" دونوں نے یکزبان
ہو کر کہا۔

لیکن تھوڑی ہی دیر میں ناصری صاحب
کی نیت پھر پلٹی اور انھوں "محمودہ کھٹمل!"
چلا کر اس طرح کہا کہ ہم سب گھبرا کر اس کی
طرف جھکے۔ آپ کو ملا موقع، اور چوہی بلی
کی طرح آپ نے ہاتھ بڑھا محمودہ کی پلیٹ
سے ٹانگ اٹھا ہی تو لی۔ مجھکو آیا غصہ۔ میں نے

چھپٹ کر چاہا کہ ان کے ہاتھ سے چھینوں، مگر
وہ اسے شکاری جانور کی طرح اپنے منہ میں رکھ
کر نگلنے دانت مارنے ——— ٹانگ
تو پھر ٹانگ ہی تھی۔ اس کے اندر گرم
بھاپ ابھی تک بھری ہوئی تھی۔ تمام
گلے، زبان اور تالو میں پھنکنے لگے، اور اُوْ، اُوْ،
کرکے آپ نے اس کو اپنی ہی پلیٹ میں
اُگل بھی دیا — اُف، پانی۔ پانی کہہ کر آپ
نے ایک پیاسے بیل کی طرح ڈکار ماری اور
شرم سے منہ چھپاکر بلا کچھ کھائے ہوئے اپنے
دونوں ہاتھوں کو مرغے کے پروں کی طرح
پھٹ پھٹاتے ہوئے، دسترخوان پر سے اٹھ
کر بھاگے — ہم لوگوں نے خوب خوب
تالیاں بجائیں۔ محمودہ تو ہنستے ہنستے
لوٹ گئی۔

اب سنئے، ہم دونوں اس تماشہ کے
دیکھنے میں رہے۔ میاں ہمایوں فر اپنی چالاکی
کر گئے۔ انھوں نے تمام بھری قاب میں سے
مرغی کے پنجوں کی طرح کرید کرید کر ایک ایک
بوٹی نکال کر منہ میں رکھ لی اور جس طرح سارس
مچھلیاں نگلتا ہے، یا بندر امرود کھاتا ہے!
اسی طرح سارا مرغ بلا چبائے ہوئے اپنی
توند میں جھونک گئے۔ اوپر سے پانی کے
گلاس اس طرح اُنڈیلے جیسے ان کے پیٹ
میں آگ لگی ہوئی تھی۔ اور اس کو بجھانے کے
لئے ایک انجن کی ضرورت تھی۔ ادم کرکے
انھوں نے لمبی ڈکار لی، پیٹ کو گھوڑے
کی پیٹھ کی طرح سہلایا۔ اور ایک گھاگھس
مرغی کی طرح ہل ہل کرتے ہوئے دسترخوان پر
سے اٹھے۔ میرا تو خیال تھا کہ خالی پلیٹیں بھی چبا
جائیں گے۔ مگر احسان کیا۔ پلنگ پر آپ
اس طرح جاکر لیٹے جیسے کسی نے گاؤتکیہ رکھ دیا
تھوڑی ہی دیر میں آپ کا پیٹ نقارہ ہوگیا۔
اور بھری ہوئی مشک کی طرح پھول گیا۔ وہ
مرغ جو بلا چبائے ہوئے کھایا تھا، اس نے
آنتوں میں ٹھونگیں مارنا شروع کیں، چاولوں
نے زور لگانا شروع کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اٹھا درد،
اب تو کرتا اٹھاکر پیٹ کو مداری کے طبلے
کی طرح بجاتے ہیں، ربر کی طرح دباتے ہیں
روئی کی طرح مسلتے ہیں، مگر وہ درد کم نہیں
ہوتا۔ جناب ان کے پیٹ کے اندر مرغ
گکڑوں کوں بول رہا تھا۔

ادھر وہ پڑے تھے اور ادھر ناصری صاحب منہ کھولے، زبان نکالے ٗسو ٗسو کر رہے تھے۔ چلے ہوئے ہاتھ کو بھی پکڑے ہوئے تھے۔ میں نے دونوں سے جا کر کہدیا کہ بھئی، تمھاری خطا نہیں ہے۔ یہ سب کارستانی اس شریر مرغے کی ہے جس نے پکنے کے بعد بھی ایسے ایسے تماشے دکھائے ✦

(سید ابوطاہر داؤد صاحب)

ملایا کے آبادکار

جزیرہ نمائے ملایا کے پرانے رہنے والے جنگلوں میں رہتے ہیں۔ ان لوگوں کا بیان تم سن چکے ہو۔ جو لوگ تجارت وغیرہ کے مطلب سے ملایا میں رہنے سہنے لگے ہیں، ان کا حال بھی ہم تم کو بتا چکے ہیں۔ اب ان لوگوں کا کچھ حال سنو جو باہر سے آ کر ملایا میں رہنے سہنے لگے ہیں اور وہیں کے باشندے ہو گئے۔ یہ لوگ آبادکار کہلاتے ہیں۔ اب ملایا ہی ان آبادکاروں کا وطن ہے۔

آبادکار بہت مدت سے ملایا میں رہتے سہتے ہیں۔ ان کے دو حصے کئے جا سکتے ہیں (۱) سیامی جو ملایا کے شمالی حصے میں رہتے ہیں (۲) ملائی جو ملایا کے جنوبی حصے میں رہتے ہیں ✦

جو لوگ ملک سیام سے آ کر ملایا میں آباد ہو گئے ہیں۔ وہ اب تک سیامی کہلاتے ہیں ان میں کچھ تو وہ لوگ ہیں جو خالص سیامی نسل کے ہیں۔ کچھ وہ لوگ ہیں جو سیام والوں اور چین والوں کی ملی جلی نسل ہیں۔ سیامی زبان میں ان لوگوں کا نام "لک چین" ہے۔ سیامی زبان میں بچے کو "لک" کہتے ہیں۔ اب تم سمجھ گئے ہو گے کہ "لک چین" سے چینی بچہ مراد ہے۔ ان لوگوں کا یہ نام اس وجہ سے پڑا ہے کہ ان کے باپ اکثر چینی اور مائیں سیامی ہوتی ہیں ✦

ایک اور ملی جلی نسل کا نام "سم سم" ہے ان لوگوں کے خون میں سیامی اور ملائی خون کا میل ہے۔ یہ لوگ کیداہ کے علاقے میں رہتے ہیں۔ کیداہ کا علاقہ ملایا کے شمالی حصے میں ہے ✦

ملائی لوگ جزیرہ نمائے ملایا کے جنوبی حصے میں رہتے ہیں۔ دراصل انھیں کے سبب سے اس جزیرہ نما کا نام ملایا ہوگیا ہے۔ ملائی لوگوں کی صورت منگولیا کے رہنے والوں سے ملتی جلتی ہے۔ اس لئے بعض عالموں کا خیال ہے کہ ملائی دراصل منگولیا کے رہنے والے ہیں۔ جو جنوب کی طرف چلتے چلتے ملایا میں آکر آباد ہوگئے ہیں۔ دوسرے عالم یہ کہتے ہیں کہ ملائی لوگ سمندر کے کنارے کے قریب رہنا پسند کرتے ہیں اور یہ لوگ جہاز چلانے اور کشتی کھینے کے کام میں بہت ہوشیار ہوتے ہیں اس لئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ملائی لوگ دراصل جزیروں کے رہنے والے ہیں۔ ان عالموں کا مطلب یہ ہے کہ ملائی ایشیا نہیں بلکہ آسٹریلیا کے قریب کے رہنے والے ہیں +

خود ملائی لوگ کہتے ہیں کہ ہم سماترا سے آئے ہیں۔ ملائی لوگوں کی زبان کو بھی ملائی کہتے ہیں۔ ملائی زبان کے حروف ہماری اردو کے حروف سے بہت ملتے جلتے ہیں۔ اکثر حروف ان دونوں زبانوں میں ایک ہیں۔ صرف چند حروف بدلے ہوئے ہیں۔ لکھاوٹ ایک سی ہے لیکن لفظ بدلے ہوئے ہیں جس طرح اردو کل ہندوستان میں بولی اور سمجھی جاتی ہے اسی طرح ملائی زبان کل ملایا میں اور آس پاس کے جزیروں میں بھی پھیلی ہوئی ہے۔

ملائی زبان پہلے لکھی نہیں جاتی تھی۔ کوئی پانسو برس سے ملائی لوگ مسلمان ہیں جس وقت یہ لوگ مسلمان ہوئے اس وقت سے ملائی زبان کا لکھا جانا شروع ہوا۔ جن حروف میں ہماری اردو اور فارسی اور سندھی اور ملائی وغیرہ یہ سب زبانیں لکھی جاتی ہیں، ان حروف کو عربی رسم الخط کہتے ہیں +

(عابد سمیع صاحب)

"مکرمی و محترمی جناب ...."

ایک معمولی حیثیت کا کلرک اپنے افسر کو عید کی مبارکباد لکھ رہا تھا۔ ایک حقیر اور غریب آدمی کی طرف سے مبارکباد قبول فرمائیے۔ خدا کرے آپ کو ایسی ہزاروں خوشیاں نصیب ہوں اور میں ...."

لیمپ میں تیل کم ہو گیا تھا جس کی وجہ سے روشنی مدھم ہو گئی تھی۔ ایک پتنگا لیمپ کے اردگرد چکر کاٹ رہا تھا۔ ایک کمرہ چھوڑ کر دوسرے کمرے میں چوکیدار کل عید کے لئے اپنے جوتے صاف کر رہا تھا۔ اس کی آواز یہاں تک پہنچ رہی تھی۔

"میں اس بدمعاش کو اور کیا لکھوں" کلرک نے سر اوپر اٹھا کر کہا۔

چھت پر اس نے ایک سیاہ دائرہ دیکھا۔ یہ کسی چیز کا سایہ (عکس) تھا۔ دیواریں جن پر برسیں ہوئی سفیدی کی گئی تھی، میلی اور گرد سے اَٹی ہوئی تھیں۔ کمرے میں تنہائی اور اداسی برس رہی تھی۔ یہ منظر بہت ہولناک تھا۔ اس کو بہت رنج ہوا۔ نہ صرف اپنے پر بلکہ اس پتنگے پر بھی۔ وہ اٹھا اور چوکیدار کے کمرہ میں جا پہنچا۔ چوکیدار بوٹ صاف کر چکا تھا اور اس وقت کھڑکی میں کھڑا باہر دیکھ رہا تھا۔

"اُدھر دیکھئے لوگ کتنے خوش خوش جا رہے ہیں" چوکیدار نے کلرک سے کہا۔

کلرک نے بغیر کچھ کہے دوسری کھڑکی کھولی۔ تھوڑی دیر تک باہر کی طرف دیکھتا رہا۔ ایک ٹھنڈی سانس لی اور کہنا شروع کیا

"کتنے لوگ ہیں! سب اپنے اپنے کام پر
جا رہے ہیں، کوئی درزی کے پاس، کوئی
دھوبی کے یہاں، کوئی کہیں، کوئی کہیں۔
بعض لوگ آپس میں چھیڑ چھاڑ بھی کر رہے
ہیں۔ قہقہوں کی آواز دور تک پہنچتی ہے۔
چہروں پر مسرت ہے، خوشی ہے۔ صرف
میں ہی بدقسمت اور بے کس انسان ہوں
غریبوں کے لئے دنیا تنگ ہے۔ میرے لئے
عید کیسی؟"

"لیکن آپ نے اس وقت کا کام
اپنے ذمہ کیوں لیا ہے؟" چوکیدار نے کہا،
آپ بھی آج انھیں لوگوں کے ساتھ چل دیجئے لیکن
لالچ بری بلا ہے۔ چند روپیوں کے لئے
آپ نے اپنی خوشی کو قربان کر دیا۔"

"کیا بکتے ہو!" کلرک نے غصہ سے کہا۔
کیا تم سمجھتے ہو یہ لالچ ہے؟ لالچ نہیں۔ بلکہ
مفلسی ہے۔ غریبی ہے!! میں اگر اس وقت
یہاں نہ ہوتا جب بھی مجھے کوئی خوشی نہ ہوتی
دیکھنا ذرا اس آدمی کو موٹر میں کیا ڈٹ کے
بیٹھا ہے۔"

لیکن افسوس نہ کیجئے، ہمت کیجئے،
ایک دن آپ بھی ترقی کرتے کرتے بڑے
آدمی ہو جائیں گے۔ پھر موٹر خریدنا کیا مشکل
ہے۔"

"ناممکن ہے، ناممکن!! میں تو ایک معمولی
آدمی ہوں، پڑھا لکھا بھی نہیں۔" "لیکن ہمارا
افسر کون سا بڑا تعلیم یافتہ ہے؟" "آجکل تو
نوکری سفارش اور روپے سے ہے۔" چوکیدار
نے کہا۔

کلرک نے کھڑکی بند کر دی اور دوسرے
کمرے میں ٹہلنا شروع کر دیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا
جیسے وہ اپنے خیالات میں محو ہو۔ تھوڑی دیر
میں اس نے اپنے آپ سے کہنا شروع کیا۔

"میں دفتر چھوڑ کر آخر چلا کیوں نہ جاؤں؟
ہو گا کیا!...... لیکن جاؤں کہاں! میرا
مکان تو دفتر سے بھی خراب ہے اور کہیں
جا نہیں سکتا۔ مجھے خوشی بھی تو حاصل نہیں
ہو سکتی۔ میری جیب میں ایک پیسہ نہیں۔"

وہ کمرے میں ایک دیوار سے لگ کر
کھڑا ہو گیا۔ نئی زندگی کے خیال نے اس کے
دل اور دماغ پر قبضہ کر لیا۔ نئے جوتے، نیا
لباس، نیا مکان اور موٹر کے خیالات اس کے دل

میں کٹنے لگے۔ یہ چیزیں اگر حاصل ہو سکتی تھیں
تو وہ بچپن کی زندگی چاہتا تھا۔ ان دنوں کیا
آرام تھا۔ مزے تھے۔ عیش تھا۔ کسی قسم کی فکر
نہ تھی۔

"کیا میں چوری کروں ۔۔۔ لیکن اس
کے لئے بھی ہمت کی ضرورت ہے۔"

بازاروں میں اب شور و غل کم ہو گیا
تھا۔ رات زیادہ ہو گئی تھی۔ وہ اپنی کرسی
پر بیٹھ گیا اور خیالات میں غرق ہو گیا۔ اس
غریب پتنگے کو ابھی تک آرام کی جگہ نہ ملی تھی
اور وہ اسی طرح ادھر اُدھر اڑ رہا تھا۔

کلرک اس رحم کے قابل زندگی سے بچنے
کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے اس خط کو دیکھا
جو وہ پہلے لکھ رہا تھا۔ یہ خط ایسے افسر کو لکھا تھا
جس سے وہ ڈرتا بھی تھا اور نفرت بھی کرتا تھا۔
جس نے باوجود انتہائی کوشش کے اس کی
تنخواہ میں پانچ سال سے ایک پیسہ کا بھی اضافہ
نہیں کیا تھا۔ وہ غصہ سے دانت پیسنے لگا۔
یکایک اس کی نظر پتنگے پر پڑی۔ اس نے کہا
"کہاں ادھر سے اُدھر اڑ رہے ہو۔ میں ابھی
تمھیں اس کا مزہ چکھاتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس
نے زور سے اپنا ہاتھ پتنگے پر مارا۔ پتنگا میز
پر گر گیا اور تڑپنے لگا۔ اس نے اس کو لیمپ
کی چمنی میں ڈال دیا۔ جس سے روشنی بھڑک
اٹھی۔ لیکن تھوڑی دیر بعد پھر مدھم پڑ گئی۔

کلرک کو اس سے تسکین ہو گئی اور وہ
اطمینان سے اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

نصیر احمد صاحب جامعی بی اے

مزے مزے کی باتیں

حجاج ایک بڑا ظالم حاکم گزرا ہے جس
سے وہ خفا ہو جاتا تھا بس فوراً اس کی گردن
اڑا دیتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ ٹہلتا ہوا ایک گاؤں
میں پہنچا۔ اتفاق سے وہ اس وقت اکیلا تھا۔
راستے میں اسے ایک گنوار ملا۔ حجاج نے
اس سے پوچھا "تمھارے افسر کیسے ہیں؟" بڈھے
گنوار نے جواب دیا "بڑے خراب!" پھر
اس نے پوچھا "اچھا! حجاج کے متعلق تمھاری
کیا رائے ہے؟" بڈھے نے کہا "اس شیطان
کے متعلق کیا پوچھتے ہو وہ تو سب سے زیادہ شریر

ہے ؟

حجاج۔ تم جانتے ہو میں کون ہوں ؟"

بڈھا۔ نہیں۔

حجاج۔ میں حجاج ہوں۔

بڈھا۔ تم جانتے ہو میں کون ہوں۔

حجاج۔ نہیں۔

بڈھا۔ میں ایک پاگل آدمی ہوں۔ جب مجھ پر دورہ پڑتا ہے تو میں ایسی ہی بہکی بہکی باتیں کرتا ہوں۔

یہ سن کے حجاج بہت ہنسا۔ اس نے بڈھے کو انعام دیا اور ہنسی خوشی رخصت کیا۔

۲

حجاج ہی کا ایک اور واقعہ ہے، یہ تو معلوم ہی ہے کہ وہ زیادہ ظلم کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ ایک بہت بڑے مجمع میں کھڑا ہوا تقریر کر رہا تھا۔ جب تک حجاج حاکم نہیں ہوا تھا۔ سال میں ایک مرتبہ وہاں طاعون ضرور آیا کرتا تھا۔ لیکن اس سال جب کہ وہ حاکم مقرر ہوا، طاعون نہیں آیا۔ اس پر حجاج بہت خوش ہوا۔ اور اپنی تقریر میں کہا "اے لوگو! تمھیں چاہیے کہ میری پیروی کرو، میرا حکم مانو، میرا کہنا سنو۔ اس لیے کہ میں خدا کا پیارا بندہ ہوں۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ تمھیں معلوم ہے پہلے یہاں طاعون آیا کرتا تھا۔ لیکن جب سے میں یہاں کا حاکم ہوکر آیا ہوں، طاعون بند ہوگیا ہے۔ اگر خدا مجھے پسند نہ کرتا تو طاعون کیوں نہ آتا؟

لوگوں نے چپ چاپ حجاج کی یہ تقریر سن لی۔ لیکن ایک بدو کھڑا ہوا اور اس نے کہا " خدا اپنے بندوں پر دوہری مصیبت نہیں ڈالتا۔ تم خود طاعون سے کیا کم ہو؟ جب تم نہیں تھے طاعون آتا تھا۔ اب تم ہو اس لئے طاعون کی ضرورت ہی کیا ہے"!

حجاج چپ ہوگیا۔ کچھ نہیں بولا۔!

۳

کہتے ہیں کہ حکیم لقمان ایک آدمی کے غلام تھے۔ ایک روز ان کے مالک نے انھیں بلایا اور کہا " یہ بکری لے جاؤ، اسے ذبح کرو، اور اس میں سب سے زیادہ بری چیز جو ہو لے آؤ"۔

حکیم لقمان گئے اور دل اور زبان لے آئے مالک نے پھر دوسری بکری دی اور کہا

کہ ملتے ذبح کرو، اور جو چیز سب سے اچھی ہو
وہ لے آؤ۔

اب کی بھی حکیم لقمان دل اور زبان
لے آئے۔

مالک نے پوچھا "اس کا کیا مطلب"
جب میں نے بری چیز مانگی تب بھی تم دل
اور زبان لائے اور جب اچھی چیز مانگی جب
بھی تم دل اور زبان لائے"

لقمان نے جواب دیا یہ دونوں چیزیں
سب سے زیادہ بری اور سب سے زیادہ اچھی
ہیں۔ اگر آدمی ان پر قبضہ کرے تو سب سے
اچھا وہی ہے۔ اور اگر یہ چیزیں آدمی پر
قابو پالیں تو اس سے برا کوئی نہیں +

رئیس احمد صاحب جعفری

ایمان داری

سچائی اور نیکی سے زندگی بسر کرنا
ایمانداری ہے۔ ایماندار لوگوں کے نام
ہمیشہ مشہور رہتے ہیں۔ اور ان کی مثال اکثر
موقعوں پر پیش کی جاتی ہے۔

ایمان داری سے لوگ نیچے رتبے
سے اونچے رتبہ پر پہنچ جاتے ہیں۔ ایمان
دار کو اگر کسی وقت تکلیف بھی اٹھانی پڑے
اور وہ پریشان ہو جائے تو بھی کبھی نہ کسی
دن اس کی تعریف ہوتی ہے اور اس کا
رتبہ بلند ہو جاتا ہے۔ ایمان دار آدمی
نیک، رحمدل، اور با اخلاق ہوتا ہے
اور اس کی سب تعریف کرتے ہیں۔

ایمانداری ایک ایسی قیمتی چیز ہے کہ اس
سے دین اور دنیا دونوں میں فائدہ ہوتا ہے
سب کو ایماندار بننا چاہیے۔ ایماندار
کو خدا بہت پسند کرتا ہے۔ اسکی ایمانداری
آخرت کے دن کام آئے گی۔ ہم پر
کیسی ہی مصیبت کیوں نہ ہو لیکن ہم کو
ایمانداری سے کام لینا اور سچ بولنا چاہیے
ایمانداری سے ہر شخص کی عزت ہوتی
ہے +

پیام بھائیو! ہمیں چاہیے کہ ہمیشہ
ایمانداری سے کام لیں +

احمد طارق عمر۔ گونڈہ۔

غلام اور مہمان نوازی

ایک امیر جو بڑا سخی تھا اپنے کھیتوں اور باغوں کو دیکھنے کے لئے گھر سے نکلا۔

اس نے ایک آم کا باغ دیکھا جو کسی اور آدمی کی ملکیت تھا۔ ایک غلام اس باغ میں اسکی نگہبانی کر رہا تھا۔ اس غلام کے آگے تین روٹیاں رکھی تھیں۔ امیر کے وہاں پہنچنے کے بعد ہی ایک بھوکا کتا کہیں سے چلا آیا اور اس غلام کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ غلام نے ایک روٹی اس کتے کو ڈالی جو اس نے کھالی اور پھر غلام کا منہ تکنے لگا۔ غلام نے دوسری روٹی اسے دی وہ بھی اس نے کھالی اور پھر دم ہلانا اور غلام کو تکنا شروع کر دیا۔ غلام نے کتے کو تیسری روٹی بھی دیدی جس سے کتے کا پیٹ بھر گیا اور وہ ایک طرف کو جا بیٹھا۔

امیر غلام کی جانب بڑھا اور اس سے پوچھا کہ تجھکو کتنی روٹیاں تیرے مالک کی طرف سے روزانہ ملتی ہیں، اس نے کہا، یہی تین، جو آپ نے دیکھیں! امیر نے کہا مجھے تعجب ہے کہ تو نے ساری روٹیاں کتے کو کھلا دیں اور خود بھوکا رہا۔ اس کا کیا سبب ہے کہ تو نے اپنی جان سے زیادہ کتے کو سمجھا؟

غلام نے کہا "اے امیر تجھے معلوم ہے کہ اس جنگل میں کتے نہیں رہتے۔ خبر نہیں یہ کتا کتنی دور سے آیا اور کتنے دن کا بھوکا تھا۔ جو میرے ہاتھ میں روٹیاں دیکھ دیکھ کر میرے سامنے اس امید پر آ کھڑا ہوا کہ میں اسکی مراد پوری کروں۔ میں نے سمجھ لیا کہ آج میں بھوکا رہوں اور اس مہمان کو جو اتفاقاً میرے پاس اپنی تمنا لے کر آیا ہے، اپنی خوراک کھلا دوں۔ بہت برے ہیں وہ لوگ جو اپنے مہمان کو اپنے اوپر ترجیح نہ دیں +

یہ سن کر امیر نے اپنے دل میں کہا "یہ غلام مجھ سے زیادہ سخی ہے جو تنگ دستی میں سخاوت کرتا ہے۔ اور غلام سے اس باغ کے مالک کا پتہ لے کر اس کے گھر پہنچا اور اس سے یہ باغ اور غلام دونوں کو منہ مانگی قیمت پر خرید لیا۔ پھر وہ باغ اس غلام کے نام ہبہ کر کے غلام کو آزاد کر دیا۔

جیواد صاحب

بیوقوف جولاہے

ایک گاؤں میں دو جولاہے رہتے تھے۔ ایک کا نام تھا بدھوا دوسرے کا تھا کلو۔ یہ دونوں حد سے زیادہ بیوقوف تھے۔ ایک دن دونوں گاؤں سے باہر کسی کام کے لئے جا رہے تھے راستہ میں بہت سے گنّوں کے کھیت پڑے۔ گنّوں کو دیکھ کر کلو کے منہ میں پانی بھر آیا۔ اور کہنے لگا۔ بھائی بدھوا کیا ہی اچھا ہو جو ہم دونوں گاؤں کے مکھیا سے تھوڑی سی زمین لے کر شرکت میں گنّے بوئیں!

یہ سن کر بدھو چلّا اٹھا اور کہنے لگا واللہ کیا اچھی بات کہی۔ مگر جب گنّے خوب بڑے ہو کر کھانے کے قابل ہو جائیں گے تو میں توڑوں گا "چٹ" اور کلو نے کہا میں توڑوں گا "چٹ پٹ"!

بدھو نے یہ سن کر کہا "ابے گدھے کے بچے! ہم نے تو ایک توڑا۔ اور تو نے دو توڑ لئے۔ جانتا ہے ابھی لاٹھیوں کے مارے سر پھوڑ دوں گا"۔ یہ کہہ کر ایک لٹھ اس کے سر پر رسید کیا۔ اور کلو نے بھی ایک لٹھ اس کی پیٹھ پر مارا۔ اب تو دونوں میں خوب لڑائی ہوئی۔ اتنے میں ایک بڈھا اس راستے سے گذرا۔ اور ان دونوں کو لڑتے دیکھ کر اس کا سبب پوچھا۔ بدھو نے تمام قصہ سنایا۔

بڈھا یہ قصہ سن کر ہنس پڑا اور جدھر جاتا تھا ادھر چلا گیا۔

محمد منظم۔ جیراجپوری
(جماعت ثانوی اول جامعہ ملیہ)

لطیفہ

ایک لڑکا اپنے دوستوں سے کہنے لگا کہ "بھئی میں اور میری ماں دونوں نجومی[1] ہیں"۔ دوستوں نے پوچھا "وہ کس طرح؟" لڑکے نے کہا کہ جب آسمان پر اَبر چھاتا ہے تو میں کہتا ہوں: "بارش ہوگی" اور ماں کہتی ہے کہ "بارش نہیں ہوگی"۔ غرض ہم دونوں میں سے کسی ایک کی بات ضرور پوری ہو جاتی ہے +

عبدالسمیع۔ جماعت ابتدائی ششم۔ جامعہ ملیہ

---

[1] نجومی: ہونے والی باتوں کا بتا دینے والا۔

اردو پرائمری اور مڈل اسکولوں کے طلبہ کو خوشخطی سکھانے والی کاپیاں

آسان خوش خطی

یہ کاپیاں اس خیال کو مدّ نظر رکھکر تیار کرائی گئی ہیں کہ بچّے بغیر استاد کی مدد کے نہایت آسانی سے مشق کر سکیں اور اپنا خط اچھا کریں۔

خوش خطی کے یہ حصّے بہت مفید ثابت ہوئے ہیں۔

حصہ اول۔ الف سے ے تک کی مشق بطرز جدید	قیمت	۱/
" دوم۔ تختیاں، بطرز جدید	"	"
" سوم۔ مرکب الفاظ، جوڑ اور شوشوں کی مشق	"	"
" چہارم۔ دلچسپ اور اخلاقی اشعار کی مشق	"	"

مکتبہ جامعہ قرولباغ دہلی

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۹۶۱

چندہ سالانہ ۲ روپیہ ۸ آنہ

پرائمری اور مڈل اسکولوں کے لئے

آسان خوش خطی

یہ کاپیاں اس خیال کو مدنظر رکھ کر تیار کرائی گئی ہیں کہ بچے بغیر استاد کی مدد کے نہایت آسانی سے مشق کر سکیں اور اپنا خط اچھا کر لیں۔

خوش خطی کے یہ حصے بہت مفید ثابت ہوئے ہیں۔

حصہ اول۔ الف سے ے تک کی مشق۔ بطرز جدید قیمت ۱ر

〃 دوم تختیاں۔ بطرز جدید 〃 〃

〃 سوم مرکب الفاظ، جوڑ اور شوشوں کی مشق 〃 〃

〃 چہارم۔ دلچسپ اور اخلاقی اشعار کی مشق 〃 〃

مکتبہ جامعہ قرول باغ۔ دہلی
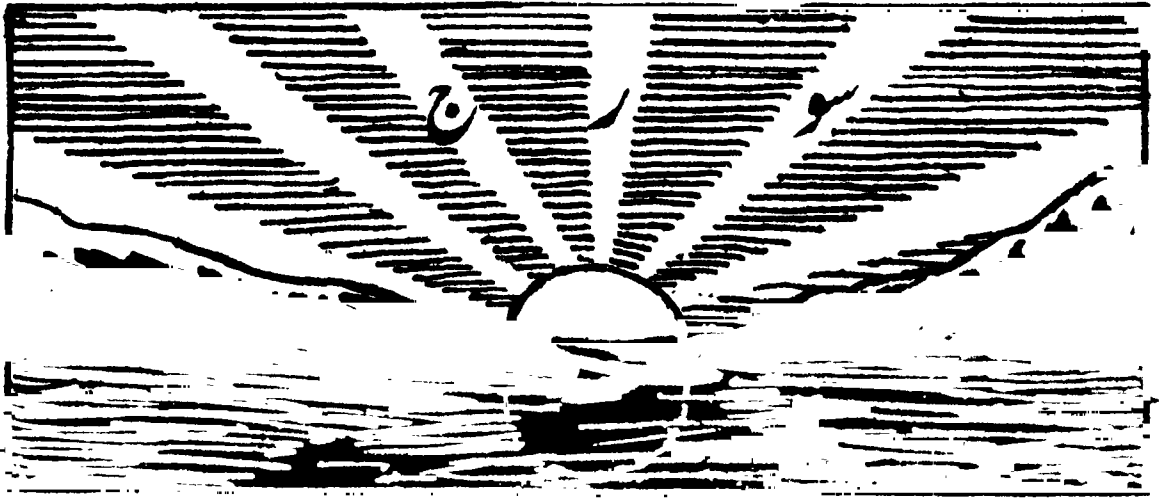
چمک اپنی سب کو دکھا دینے والا
زمانے کو روشن بنا دینے والا

وہ پورب میں دیکھو نظر آ رہا ہے
اجالا جہاں میں وہ پھیلا رہا ہے

وہ دیکھو سیاہی کو اس نے مٹایا
ذرا دیکھو وہ رات کو دن بنایا

ہمیشہ سے ہے بس یہی کام اس کا
کہ سورج ہے اے دوستو نام اس کا

غضب کی چمک ہے، بلا کی دمک ہے
ٹھہرتی نہیں آنکھ، کیا اس میں شک ہے

دمکتا ہے بس آنکھ کی طرح چہرا
بندھا اس کے سر پر ہے کرنوں کا سہرا

مگر آسماں پر جو چھاتے ہیں بادل
تو سب شان اس کی چھپاتے ہیں بادل

سبق اس سے محنت کا حاصل کرو تم
ارادہ جو ہو اس کو کامل کرو تم

(از محمد عبد اللہ شرقی)

عجائب خانہ سمندر

اس طرح پر سمندری خزانوں سے رنگ برنگ کے کارل (مرجان) موتی، سیپ، اسپنج، پشمینہ اور جانوروں کا گوشت انسان ہر سال نکالتا اور صرف کر لیتا ہے۔ اس کے علاوہ ویل مچھلی میں سے تیل، چربی اور سطح پر بہتا ہوا دریائی عنبر بھی بکثرت حاصل کیا جاتا ہے۔ عنبر دراصل ایک درخت کا گوند ہے۔ دنیا میں آج سے لاکھوں برس پہلے عنبر کے درختوں کے بڑے بڑے جنگل تھے۔ یہ کسی نہ کسی سبب سے دریا کی تہ میں اتر گئے۔ یہ انھیں درختوں کا عنبر ہے جو سمندر کی سطح پر بہتا دکھائی دیتا ہے اس کے حاصل کرنے کے لئے بہت دور دور تک سمندر میں جال بچھائے جاتے ہیں اور کبھی کبھی ڈرِج کے ذریعہ سمندر کی تہ کھرچ کر باہر لائی جاتی ہے۔ اور اس میں سے عنبر چن لیا جاتا ہے۔ یہ ایک قیمتی چیز ہے مشرقی ملکوں میں تو عموماً دوا کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ مگر مغربی ممالک میں اس کی مالائیں سگرٹ، سگاردان اور بازو بند وغیرہ تراشے جاتے ہیں۔

پانی کے نیچے کی لڑائیاں

۱- حیوانوں کی زندگی کا مقصد :- تم نے کبھی غور کیا ہے کہ تمام دن میں کیا خیالات تمھارے دل میں آتے رہتے ہیں اور ان میں کھانا کھانے کا خیال کتنی مرتبہ دماغ میں گزرتا ہے یہ تو نہیں کہ تم چوبیس گھنٹے کھانے ہی کی فکر میں رہتے ہو۔ اگر کھانے کا خیال آتا بھی ہو تو دن بھر میں تین چار مرتبہ - اور ہر مرتبہ گھنٹے آدھے گھنٹے میں تم پیٹ بھر کے کھا لیتے ہو، ان اوقات کے علاوہ تمھیں اپنے سبق یاد

کی فکر رہتی ہوگی۔ کھیل کود کا خیال آتا ہوگا دوست احباب کی یاد آتی ہوگی۔ غرض ہزاروں مختلف خیالات تمھارے دل میں گزرتے ہوں گے، انھیں پر کیا موقوف ہے، تمام انسانوں کی یہی کیفیت ہے کہ انھیں دن بھر میں دو تین مرتبہ کھانا کھانے کی خواہش ہوتی ہے۔ اس کے برعکس جانوروں کو دیکھو پالتو جانوروں کے سوا باقی کل وحشی جانور جتنی دیر جاگتے رہتے ہیں، کھاتے پیتے رہتے ہیں اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کھانے کی خواہش کے علاوہ ان کے دل میں اگر کوئی اور خیال گزرتا بھی ہے تو صرف اپنے یا اپنے بچوں کی حفاظت کا خیال ہوتا ہے۔ فطرت نے ان کے دماغ کو اس قابل بنایا ہی نہیں کہ تمھاری طرح پڑھنے لکھنے، ترقی کرنے، اور کھیلنے کودنے کے خیالات ذہن میں لاسکیں۔ اگر ان کا دماغ اس طرح سے کام کرسکتا تو آج وہ بھی انسانوں کے مانند بڑے بڑے مکانوں میں رہتے، اچھی اچھی موٹروں میں بیٹھتے اور ریلوں اور ہوائی جہازوں میں سفر کرتے۔ حیوانات کی زندگی پر جب عقلمندوں نے غور کیا تو ان کو عمر بھر صرف اس خیال میں منہمک پایا کہ اپنا پیٹ کس طرح بھریں اپنی جان کیسے بچائیں۔ اور اپنے لئے شکار کس طرح حاصل کریں۔ یعنی دوسروں کی جان کیسے لیں۔ اسی ذہنیت کی مناسبت سے قدرت نے ان کے جسم بھی بنادیئے ہیں۔ کسی کو زبردست ہاتھ پاؤں دیئے۔ کسی کو تیز دانت، کسی کو مضبوط کلہ جبڑا عطا کیا۔ شیر کو دیکھو چیرنے پھاڑنے میں کتنا تیز دست واقع ہوا ہے۔ اگر انسان کے سر پر اس کا پنجہ پڑجائے تو سر اور گردن دونوں سینے میں اتر آئیں۔ ہاتھی کی حالت پر غور کرو، اس کا ایک پیر انسان کی ہڈی پسلی ایک کرنے کے لئے کافی ہے۔ جن چھوٹے جانوروں کو بڑا جسم، غیر معمولی طاقت، لمبے ناخن اور تیز دانت قدرت سے نہیں ملے ہیں۔ ان کو ہلاک کرنے کی قوت دوسری شکلوں میں عطا ہوئی ہے۔ بچھوؤں کا خیال کرو اس کے ڈنک بھی بھالوں سے کم نہیں۔ سانپ کو کس نے نہیں دیکھا۔ بس کی گانٹھ اور زہر کی پڑیا ہوتا ہے +

(از سید محمد عسکری صاحب)

تمھارے زینے میں کتنی سیڑھیاں ہیں

میں اپنے پڑھنے کے کمرے میں میز پر سر جھکائے بیٹھا ہوا تھا اور میرے سامنے رسالوں سے نکالی ہوئی بہت سی تصویریں رکھی ہوئی تھیں جن کو چھانٹ چھانٹ کر میں نے علیحدہ رکھا تھا۔ تاکہ ان میں فریم لگوا کر اپنے کمرے کی دیواروں پر لگادوں۔ ماموں جان داخل ہوئے۔ میں ادب کے لحاظ سے فوراً کھڑا ہوگیا۔ انھوں نے مسکراتے ہوئے آکر میرا کان پکڑا۔ اور کہا۔ "ادھر دیکھو" میں نے ان کے کہنے کے مطابق ادھر دیکھا۔ انھوں نے اتنے ہی میں میری میز پر سے چند تصویریں اٹھا کر اپنی جیب میں ڈال لیں اور منہ موڑ کر جانے کا ارادہ کیا۔

"میری تصویریں۔ ماموں" میں نے گڑگڑاتے ہوئے کہا۔

"کون سی تصویریں" ماموں نے کھڑے ہوکر پلٹتے ہوئے کہا۔

"تمھاری تصویریں سب کتنی تھیں" انھوں نے میز کے قریب آتے ہوئے کہا۔

میں نے میز کی تصویریں الٹ پلٹ کر دیکھیں لیکن مجھکو یہ پتہ نہ چلا کہ کون کون سی تصویریں غائب ہیں۔ نہ یہی میں نے گنا تھا کہ میرے پاس سب تصویریں کتنی تھیں۔ اس لئے میں نے ان سے صاف کہدیا کہ "مجھے نہیں معلوم"

"ہا ہا" انھوں نے ایک لمبا قہقہہ لگایا "بے وقوف۔ کس کی تصویریں" انھوں نے بعد کو کہا۔

"میری! ماموں اور کس کی" میں نے جواب دیا۔

"واہ۔ اگر تمھاری ہوتیں تو تم کو فوراً یاد آجاتا کہ فلاں فلاں تصویر غائب ہے"

"تو اس سے کیا ہوتا ہے" میں نے ہٹ دھرمی کرتے ہوئے کہا۔

"کیوں نہیں، ہر چیز کو غور سے دیکھا کرو اور اس کو یاد رکھا کرو۔ ورنہ دھوکہ اٹھاؤ گے۔" انھوں نے تصویریں واپس کرتے ہوئے کہا۔ "میں نے تمھارے حافظہ کا امتحان

لیا تھا مگر تم بہت کچے نکلے ۔ انھوں نے
طعنہ دیا۔ " اچھا اور کوئی سوال کیجئے " میں
نے شرماتے ہوئے کہا۔

ادھر میرے منہ سے یہ الفاظ نکلے اور
ادھر انھوں نے لپک کر میری آنکھوں پر
ہاتھ رکھ لیا۔ اور اس کے بعد کہنے لگے ۔
بتاؤ میں کس رنگ کی ٹوپی پہنے ہوں "

" کالی ! — اے نہیں سفید۔ جی نہیں
کالی۔ کالی ہی ہے " میں نے آخر کے فقرے
پر زور دیتے ہوئے کہا۔ یہ سنتے ہی انھوں
نے میری آنکھوں کے اوپر سے ہاتھ ہٹالئے
آپ سے کیا عرض کروں کہ مجھے کتنی بڑی
ندامت اٹھانا پڑی ہے — ماموں ٹوپی
پہن کر آئے ہی نہ تھے ۔ میں بھی اندھا تھا
کہ تصویروں کے لئے ان سے جھگڑتا رہا
لیکن ان کے سر کی طرف نہ خیال کیا۔

" بس ! آپ کی کے آنکھیں ہیں جناب "
انھوں نے میرا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔

" اچھا اب کی میں ضرور بتاؤں گا " میں نے
یقین سے کہا۔ " اچھا ٹھہر جائیے ۔ پہلے میں
کمرے کی سب چیزوں کو غور سے دیکھ لوں
اس کے بعد پوچھئے گا " یہ کہتے ہوئے
میں نے بہت غور سے اپنے چاروں طرف
نگاہ دوڑائی اور اس کے بعد ان سے سوال
کرنے کی درخواست کی ۔

" کھونٹی کے اوپر تمھارے موزے کی
کے جوڑیاں لٹکی ہوئی ہیں ؟ "

" تین ، تین " میں نے نعرہ مارتے ہوئے
کہا۔

" اچھا دیکھو "

میں نے جاکر دیکھا تو وہاں صرف ایک
جوڑی ٹنگی ہوئی تھی ۔ مگر ایک ہفتہ پہلے میں نے
تین جوڑیاں نکالی تھیں۔ میں نے سوچنا
شروع کیا اور اور بعد کو یاد آیا کہ دو جوڑیاں
میں نے اپنے چچازاد بھائیوں کو دے دی
تھیں۔

" تمھارے پشت کی کھڑکی میں کے سلاخیں
لگی ہوئی ہیں " انھوں نے ہنستے ہوئے
اور سوال کیا۔

خاموش ۔

" تمھاری میز کے کے پاؤں ہیں ؟ "

" چار "

غلط۔ دیکھو تین ہیں۔ ایک میں خالی بانس لگا ہے۔ افسوس ہے۔ تم اس میز کو چھ ماہ سے استعمال کر رہے ہو۔

"اچھا بتاؤ، تمھارے زینے میں کل کتنی سیڑھیاں ہیں"

خاموش۔

"مرغی کے پیر میں کے ناخون ہوتے ہیں"

"چار"

"واہ"

"جی نہیں، تین"

"ہا ہا" انھوں نے قہقہہ لگایا۔ "جناب چار ہی ناخون ہوتے ہیں۔ مگر آپ کو اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہیں۔ جائیے۔ آپ نرے وہ ہی ہیں۔ میں آپ سے نہیں بولتا کتابیں آپ کو کوئی فائدہ نہ دیں گی۔

یہ کہتے ہوئے ماموں میرے کمرے سے چلے گئے۔ اس دن سے میں ہر چیز کو بہت غور سے دیکھتا ہوں اور اپنے دماغ میں محفوظ رکھتا ہوں۔

سید ابو طاہر داؤد

امید

رات اندھیری ہے اور میرا نصیب اس سے زیادہ تاریک[۵۱]۔ میرے اللہ! تو نے مجھے دولت مند اور خوش حال خاندان میں پیدا کیا۔ یہ وہ خاندان تھا جس پر لوگ رشک کیا کرتے تھے۔ میں اسی برباد خاندان کا ایک ٹمٹماتا ہوا دیا ہوں۔ میری اور میرے خاندان والوں کی پچھلی زندگی کیسی اچھی تھی میرا جی کیسا ہر وقت خوش رہتا تھا۔

مگر اب اس بدنصیب خاندان پر خزاں[۵۲] نے اپنا ڈیرہ جما یا ہے۔ بہت سے عزیز عدم کو سدھارے[۵۳]۔ جو باقی بچے ان میں سے بھی کئی ایک غریبی اور فقیری کی زندگی سے اکتا کر وطن سے بے وطن ہو گئے۔ میں اس زمانہ میں پڑھتا تھا۔ اماں نے بہتیری کوشش کی کہ میری تعلیم پوری ہو جائے۔ مگر تقدیر کے آگے کسی کی پیش نہیں جاتی۔ مجبوراً میں نے پڑھنا چھوڑ دیا اور اب مدتوں سے نوکری کی تلاش میں مارا مارا پھرتا ہوں۔ مگر کہیں نوکری نہیں ملتی۔

---

۵۱ تاریک، اندھیرا۔ ۵۲ جس زمانہ میں درختوں کے پتے گرنے لگتے ہیں اور موسم پر اداسی سی چھائی رہتی ہو اسے خزاں کہتے ہیں۔
۵۳ یعنی انتقال کر گئے، مر گئے۔

اے رزاق! کہاں تک صبر کروں
چھوٹے چھوٹے بھائی بہن، دو دن سے برابر
فاقہ سے ہیں۔ جس وقت گھر میں داخل
ہوتا ہوں سب چھوٹے معصوم بچے میری
طرف امید بھری نگاہوں سے دیکھتے ہیں
اور میرے خالی ہاتھ دیکھ کر خاموش ہو جاتے
ہیں۔

اے رحیم! رحم کر۔ اب مجھ سے یہ نہیں
دیکھا جاتا کہ ماں ایک ٹوٹی چارپائی پر پڑی
درد سے کراہ رہی ہے۔ سردی سے بچنے
کے لئے اسے ایک پھٹا پرانا لحاف تک
میسر نہیں"

اب میں شہر سے بہت دور آ گیا
ہوں، ندی قریب ہے۔ میں اس ندی
کی گود میں جانا چاہتا ہوں۔ اُف۔ میرے
پیر لرز رہے ہیں۔ دل کانپ رہا ہے۔
اے خدا مجھے ندی تک پہنچنے کی طاقت
عطا کر۔ ستارے جھلملا رہے ہیں۔ پَو
پھٹ رہی ہے۔ پرندوں نے چہچہانا
شروع کر دیا ہے۔ اے معبود! اب یہ
تیرا گنہگار بندہ تیرے دربار میں آتا ہے

قریب المرگ ماں اور چھوٹے چھوٹے
بھائی بہن تیری حفاظت میں"

نوجوان ندی میں کودنا چاہتا تھا کہ
اچانک ایک شریف عورت سبز ریشمی
لباس پہنے سامنے آئی۔ اور لپک کر
اس نے نوجوان کے بازو تھام لئے۔

نوجوان۔ "اے شریف خاتون! للہ مجھے
چھوڑ دیجئے۔ میں اپنی زندگی سے عاجز
آ گیا ہوں"

عورت۔ "اے نوجوان! مجھے تیری
جوانی پر رحم آ رہا ہے۔ اس کام سے باز
آ۔ اور گھر کا رستہ لے"

نوجوان۔ نہیں میں گھر نہیں جاؤں گا۔
دنیا میں میرے لئے کوئی امید باقی نہیں۔
بس اب موت ہی میرے سارے دُکھوں
کا علاج ہے۔

عورت۔ نہیں میں تجھے نہیں چھوڑوں گی
کیا تو اس دنیا میں بالکل اکیلا ہے؟

نوجوان۔ نہیں میں بالکل تنہا نہیں ہوں
میرے چھوٹے چھوٹے دو بھائی اور تین
بہنیں ہیں۔ ماں قریب المرگ ہے۔ میں

نوکری کی تلاش میں ہر جگہ مارا مارا پھرتا رہا مگر کامیابی نہ ہوئی۔ گھر میں دو دن سے برابر فاقہ ہے۔ بچے بھوک کی شدت سے بلبلا رہے ہیں۔ ہر طرف ناامیدی ہی ناامیدی نظر آرہی ہے۔ میں نے ان تمام مصیبتوں سے نجات حاصل کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ دیکھنے روشنی پھیل رہی ہے۔ مجھے چھوڑ دیجئے۔

عورت۔ اے نوجوان! سن! میں امید ہوں۔ غریبوں کی مددگار۔ بےکسوں اور یتیموں کو راستہ دکھانے والی۔ ناشاد اور نامراد دلوں کی ڈھارس۔ دنیا میرے سہارے جیتی ہے۔ جا! ایک مرتبہ پھر قسمت آزما"۔

(از آنسہ خورشید تاج۔ علی گڑھ)

بہادری کا امتحان

ایک دن شہنشاہ عالمگیر کے پاس ایک سپاہی نوکری کے لئے آیا۔ بادشاہ نے اس سے کہا کہ پہلے ہم تمہاری بہادری کا امتحان لے لیں۔ تب ملازمت دیں گے۔ سپاہی نے کہا "بہت اچھا"۔ بادشاہ نے اسے ایک رنگ دیا اور کہا کہ فلاں دریا میں رات کے وقت اس مقام پر جہاں پانی اتنا اتنا گہرا ہے، تم کو ایک مردہ سفید کپڑوں میں لپٹا ہوا پانی پر تیرتا ہوا ملے گا۔ اس کے ایک ہاتھ پر یہ رنگ لگا دینا۔ سپاہی رنگ لے کر اپنے گھر آیا اور رات کو اسی جگہ پر گیا۔ دیکھا تو سچ مچ ایک لاش سفید کپڑوں میں لپٹی ہوئی پانی پر پڑی تھی۔ سپاہی اس کے قریب گیا اور رنگ لگانے کے لئے اس کا ہاتھ پکڑا۔ لیکن لاش نے ہاتھ اپنی طرف کھینچ لیا۔ سپاہی نے کہا "بادشاہ کا حکم ہے۔ ہاتھ لا۔ ورنہ چاقو سے مار ڈالوں گا۔ لیکن لاش اپنا ہاتھ اس کے قریب نہ لائی۔ تب سپاہی نے اس کے ہاتھ میں چاقو مار دیا۔ جب لاش نے دیکھا کہ سپاہی نہیں مانتا ہے تو اس نے اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔ اور سپاہی رنگ لگا کر خوشی خوشی اپنے گھر واپس ہوا۔ دوسرے دن جب سپاہی بادشاہ کے پاس گیا تو دیکھا کہ بادشاہ کے ہاتھ پر پٹی بندھی ہے۔ بادشاہ نے سپاہی سے کچھ باتیں کیں اور اس کی بہادری سے خوش ہو کر ایک اچھے عہدے پر مقرر کر دیا۔

(از سید مسعود علی صاحب تالگرامی۔ بھوپال)

نیکی کا بدلہ

ایک لڑکا نام جس کا قیس تھا — نیک تھا، ہمدرد تھا اور باوفا
جا رہا تھا ایک دن وہ شام کو — ماں نے بھیجا تھا کہیں اک کام کو
ایک کتے پر نظر اس کی پڑی — بھوک سے جو مر رہا تھا اس گھڑی
رحم آیا قیس کو بے جان پر — جلد جا پہنچا وہ اک دوکان پر
وہ دکاں کھانے کی تھی۔ کھانا لیا — آ کے واپس اس نے کتے کو دیا
پیٹ میں چارہ جو پہنچا خوش ہوا — آ گئی طاقت وہ فوراً چل دیا
دیکھتا تھا قیس کو وہ بار بار — کر رہا تھا جان و دل گویا نثار

ایک دن لڑکے نہانے کے لیے — ساتھ اک تالاب کو سب چل دیئے
کودے پانی میں، نہانے کے لئے — مل کے سب خوشیاں منانے کیلئے
کوئی پانی میں اچھلتا کودتا، — کوئی پانی میں اڑاتا بلبلا،
ایک لڑکا قیس کی جانب بڑھا — ٹانگ کھینچی قیس دھڑ سے گر گیا
ڈبکیاں پانی میں وہ کھانے لگا — پانی منہ میں، ناک میں جانے لگا
ایک کتے نے سنا فریاد کو — پاس پہنچا کود کر امداد کو،
منہ سے پکڑا کھینچ کر لایا اسے — اور کنارے لا کے بٹھلایا اسے

یہ وہی کتا تھا۔ لا کے قیس نے — شام کو کھانا کھلایا تھا جسے،
آج اس احسان کا بدلہ دیا — قیس کو نیکی کا پھل اچھا ملا
رحم کھاؤ۔ بے کسوں پر تم سدا — اے عزیزو تم سے خوش ہوگا خدا

(از بشیر احمد قریشی۔)

نوکر

پیام بھائیو! اگر خوش قسمتی سے تم نے خوش حال ماں باپ کی گود میں آنکھ کھولی ہے تو تم اپنے گھر میں چند ایسے لوگ بھی ضرور دیکھتے ہوگے۔ جو تمھارے ملازم یا نوکر کہلاتے ہیں۔ یہ بے چارے بھی ہماری تمھاری طرح انسان ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ یہ بے چارے بہت غریب ہیں اور ہمارا کام اور خدمت کر کے اپنا پیٹ پالتے ہیں۔

بہت سے بچے اپنے نوکروں کو بہت ذلیل خیال کرتے ہیں۔ بات بات پر اُن پر ناراض ہوتے ہیں اور انھیں برا بھلا کہتے ہیں۔ ناحق ان غریبوں کو دق کرتے ہیں۔ اول تو جو شخص بھی ان بچوں کی یہ باتیں دیکھتا ہے ان کو بُرا بھلا کہتا ہے۔ دوسرے نوکر بھی ایسے بچوں سے دل ہی دل میں ناخوش رہتے اور برا سمجھتے ہیں۔ اور خوشی کے ساتھ ایسے بچوں کا کام نہیں کرتے۔ بلکہ اس مجبوری سے کہ وہ ان بچوں کے ماں باپ کے ملازم ہیں۔

نوکروں کو ذلیل سمجھنے والے اور نوکروں کے ساتھ برا برتاؤ کرنے والے بچے اگر عقل سے کام لیں اور غور کریں تو انھیں معلوم ہو کہ نوکر ہمارے ہاتھ پاؤں اور آنکھیں ہیں کیونکہ ہمارا جو کام ہمارے نوکر کرتے ہیں اگر ہم خود کرتے تو ہمیں اپنے ہاتھ پاؤں وغیرہ ہی سے کام لینا پڑتا۔ اور نوکروں کی وجہ سے جو آرام اور سہولت ہم کو ملتی ہے وہ ہرگز میسر نہ آتی۔ دوسرے ہمارے قیمتی وقت کا بہت بڑا حصہ گھر کے ذرا ذرا سے کاموں کے کرنے میں صرف ہو جاتا اور اپنی تعلیم اور دوسرے مفید اور ضروری کاموں میں ہم زیادہ وقت نہ دے سکتے۔

بچو! تم نے دیکھا کہ نوکر ہمارے کسقدر کام آتے ہیں۔ اور جو بچے اپنے نوکروں کو برا اور ذلیل سمجھتے ہیں اور ان کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آتے ہیں وہ کس قدر

بے وقوف ہیں۔ عقلمند اور نیک بچے کبھی
اپنے نوکروں کو برا اور ذلیل نہیں سمجھتے۔ بلکہ
ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے ہیں اور ان
سے نرمی اور آہستگی سے باتیں کرتے ہیں
ایسے بچوں سے نوکر بھی خوش رہتے ہیں۔
ہر جگہ ان کی تعریف کرتے ہیں اور جو شخص
بھی دیکھتا ہے وہ ان بچوں کی شرافت اور
نیکی کی تعریف کرتا اور خوش ہوتا ہے۔

عزیزو! تمھیں خدا وند تعالیٰ کا شکر
ادا کرنا لازم ہے کہ اس نے تمھیں تمھاری
خدمت کے لئے نوکر مرحمت فرمائے ہیں۔
اور یہ شکر جب ہی پوری طرح ادا ہو سکتا
ہے جبکہ تم اپنے نوکروں کو خوش رکھو۔ اور
ان سے مہربانی سے پیش آؤ۔ ان کے درد
اور دکھ میں کام آؤ۔ ان کی خوشی اور غم میں
شریک ہو۔ یہ بات نہ صرف خدا اور رسول
کی خوشنودی کا باعث ہوگی بلکہ نوکر بھی
تمھارے سچے خیر خواہ اور ہمدرد ہو جائیں گے
اگر نوکر سے کوئی غلطی یا قصور بھی ہو جائے
تو معاف کر دینا چاہیے۔ اور سمجھا دینا چاہیے
تاکہ آئندہ وہ احتیاط سے کام کرے انسان
سے غلطی ہو ہی جاتی ہے۔ نوکر بھی دل اور
دل میں خواہش رکھتے ہیں۔ ان کا بدن فولاد
کا بنا ہوا نہیں ہوتا۔ ہر وقت کام کرتے
کرتے وہ بھی تھک جاتے ہیں۔ اور
انھیں بھی آرام کی ضرورت ہوتی ہے۔
اس لئے انھیں ہر وقت پریشان اور
دق کرنا نہیں چاہیئے۔ اور ان کی ضرورتوں
اور خواہشوں کا لحاظ رکھنا چاہیئے۔ شیخ
سعدی ؒ فرماتے ہیں" مزدور خوشدل کند
کار بیش"۔ یعنی وہ مزدور کہ جس کا دل خوش
ہوتا ہے زیادہ کام کرتا ہے۔ ہمارے آقائے
نامدار آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے کہ
کھانے اور پہننے میں نوکروں کو اپنے
برابر سمجھو +

(از جناب مسعود صاحب۔ میرٹھ)

کیا آپ کو اپنا نمبر خریداری یاد ہے

اگر یاد نہ ہو تو مہربانی فرماکر پتے کی چٹ پر ملاحظہ
فرمالیجیے۔ خط وکتابت میں نمبر کے حوالے سے بڑی
سہولت ہو جاتی ہے۔ ورنہ بسا اوقات جواب دینا
بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ براہ کرم اسے نہ بھولئے

مہتمم

آج سے تین سال پہلے جب میں جامعہ ملیہ کی شاخ ملایں پڑھتا تھا۔ ایک تجویز مسوری (منصوری) جانے کی پاس ہوئی۔ جانے والوں میں شاخ کے پانچ طالب علم دو استاد، اور جامعہ کے کچھ استاد اور طالب علم تھے۔ طے یہ ہوا کہ جمعہ کے دن صبح کو روانہ ہوں۔ مگر صبح صبح سب کا اپنے مکانوں سے اسٹیشن پر پہنچنا مشکل تھا۔ اس لئے یہی رائے ہوئی کہ جمعرات کی رات کو مدرسہ ہی میں بستر لگائیں۔

صبح سویرے حافظ فیاض احمد صاحب اپنے ساتھیوں سمیت تشریف لے آئے۔ ہم بھی تیار تھے۔ سب اسٹیشن روانہ ہوگئے ہر دوار تک واپسی کے ٹکٹ خریدے گئے اور ریل میں سوار ہوگئے۔ اس وقت بھوک بہت زور کی لگ رہی تھی۔ مگر جلدی میں کوئی انتظام نہ ہوسکا۔ گاڑی روانہ ہوئی اور ۱۲ بجے دوپہر سہارنپور پہنچی جہاں لکسر کے لئے گاڑی بدلتی تھی۔ ہم نے ماسٹر صاحب سے کھانے کے لئے تقاضا کیا۔ مگر ماسٹر صاحب نے فرمایا کھانا لکسر پہنچکر کھائیں گے۔

خدا خدا کرکے دو بجے لکسر پہنچے۔ یہاں کھانا کھایا۔ اور دوسری گاڑی بدلی۔ کھانا

کیا تھا۔ موٹی موٹی کھوری جیسی روٹیاں، کدو کی ترکاری اور دہی بڑے۔ مگر بھوک کی وجہ سے اس میں بھی پلاؤ قورمہ کا مزا آیا ●

کھانا کھانے کے بعد دوسری گاڑی میں بیٹھ گئے۔ ہمارے ڈبے میں ایک لالہ صاحب تھے۔ ان کے سامان میں مٹھائی کی ایک ٹوکری بھی تھی۔ وہ اتفاق سے کسی ضرورت سے ڈبے سے باہر تشریف لے گئے۔ اتنے میں یار لوگوں نے "مفت ہاتھ آئے تو برا کیا ہے" کی مثل پر عمل کرتے ہوئے دو چار لڈو اس میں سے نکال لئے۔ بے چارے لالہ جی کو جب مٹھائی کی ضرورت پڑی ہوگی تو معلوم انھوں نے کیا خیال کیا ہوگا۔ غرض پانچ بجے ہردوار پہنچ گئے۔ رات ایک سرائے میں گذاری۔ صبح کو دہرہ دون روانہ ہوگئے۔ دہرہ دون سے راج پور تک کے لئے لاری کی۔ راج پور سے پھر مسوری تک کے لئے تین قلی دو گھوڑے کرائے پر کئے۔ اور خدا کا نام لے کر مسوری روانہ ہوگئے۔ گھوڑوں پر صرف طالب علم ہی سوار ہوتے تھے۔ مینہ تمام راستہ برستا رہا۔ بڑی دقت سے

ہافوے ہاؤس پہنچے۔ یہاں کچھ دیر آرام کیا۔ چاء پی اور پھر روانہ ہوگئے۔ تقریباً ۵ بجے شام مسوری پہنچے۔ مسلم ہائی اسکول میں جاکر ٹھہرے۔ رات کو پاپولر ہوٹل میں جامعہ کے ایک طالب علم کی طرف سے دعوت تھی۔ وہاں کھانا کھایا اور سوگئے۔ دوسرے روز اتوار کو کاٹی فال دیکھنے گئے اور ۵ بجے واپس آئے۔ پاپولر ہوٹل ہی میں کھانا کھایا۔ اور رات کو مسلم اسکول میں سوئے۔ پیر کو وہاں سے راج پور لوٹے۔ رات دہرہ دون میں امپیریل ہوٹل میں ٹھہرے۔ اور مسوری کی روشنی کا نظارہ کیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پہاڑوں پر درختوں میں بجلیاں اگی ہوئی ہیں۔ منگل کی صبح کو وہاں سے روانہ ہوکر شام کے پانچ بجے دہلی پہنچ گئے ●

از جمیل الرحمٰن صاحب بیکس

پنجابی اسلامیہ اسکول دہلی

دادی کا دل

(سلسلے کے لئے ۲ اپریل کا پیام تعلیم ملاحظہ ہو)

دولن ویِن کو اس وقت کچھ ڈرسا معلوم ہونے لگا۔ باپ کی محبت کا تقاضا تھا کہ اپنے بچہ کا علاج خود کرے۔ کیونکہ اس وقت بستر پر پڑے ہوئے مریض کا چہرہ آگ کی طرح سرخ ہو رہا تھا۔ آنکھیں آدھی بند اور آدھی کھلی تھیں کبھی کبھی کھانسی بھی آجاتی تھی۔ ایسی حالت میں کون سا ایسا ڈاکٹر ہوگا۔ جو باپ سے زیادہ ہمدردی اور شفقت کرے گا اور اس ننھی سی جان کو اپنی جان سمجھتا ہوگا۔ آخر باپ کی محبت کے جذبے نے اسے آمادہ کر دیا کہ اپنی ماں کی بے جا ضد اور ہٹ کی پروا نہ کرے۔ اس نے بھی ماں کے غصہ کا جواب غصہ سے دیا۔ اور زور سے چلا کر کہا "دیار میرا بیٹا ہے۔ میں اس کا باپ ہوں۔ اگر باپ اپنے بیٹے کا خیال نہ کرے تو وہ باپ ہی نہیں۔ آپ اس میں دخل نہ دیجئے۔ میں اپنے بچہ کا علاج خود کروں گا۔ اور اچھی طرح کروں گا۔ انشاءاللہ جلد اچھا ہو جائے گا۔"

دولن ویِن کا یہ جواب سن کر دادی کے غصہ کا پارہ اور بھی چڑھ گیا۔ کہنے لگیں "کمبخت تم نہیں جانتے وہ میرا پوتا ہے۔ اور اکلوتا پوتا۔ خبردار جو تم نے ہاتھ لگایا۔ نہیں تو میں اپنی جان دے دوں گی۔" یہ کہہ بوڑھی دادی کچھ مایوس سی ہونے لگیں ان کو اپنے اکلوتے پوتے سے جو امیدیں تھیں وہ خاک میں ملتی نظر آ رہی تھیں۔ انھیں دیار کے باپ پر بالکل بھروسہ نہیں تھا۔ انھیں یقین تھا کہ اگر کوئی دوسرا مشہور حکیم نہ بلایا گیا تو خدانخواستہ بچہ کی جان سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔ وہ تھوڑی دیر کے بعد پھر بڑبڑانے لگیں "کچھ بھی ہو تمھارے علاج کی ضرورت نہیں۔ تمھاری ترکیب ہی عجیب ہے۔ میں ہرگز نہیں مان سکتی۔ جب تک میرے بدن میں جان ہے میں تمھیں دیار کے بدن کو ہاتھ نہیں لگانے دوں گی۔ اگر تمھارا علاج غلط نکلا تو اس وقت دیار کی جان چلی جائے گی۔ اور اس کے ساتھ میری جان

بھی جائے گی۔ تم دوسروں کو مار ڈالو۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ میرا ان سے کیا واسطہ لیکن میں اپنے پوتے کی ضرور حفاظت کروں گی۔ دیکھو خبردار! میں ابھی حکیم صاحب کو بلاتی ہوں۔ (باقی باقی)

از بدرالدین صاحب جینی بی ۔ ۳ جامعہ

(دار العلوم ندوہ۔ لکھنؤ)

کتا

جہاں دو چار گھر ہوں وہاں ایک کتا بھی ضرور ہوتا ہے۔

یہ ایسا سیانا جانور ہے کہ جس طرح سدھاؤ اسی طرح سدھ جاتا ہے۔ امیری غریبی کے اتار چڑھاؤ کی بالکل پرواہ نہیں کرتا۔ جس کا ہو رہا مرتے دم تک اسی کا ہو رہا۔ اپنے غریب مالک کے دیئے ہوئے سوکھے ٹکڑے آدھے پیٹ کھائے گا۔ مگر عمدہ، لذیذ اور پیٹ بھر کر کھانے کے لئے کبھی کسی گھر کی طرف نگاہ نہ کریگا۔

ہمارے ہاں ہندوستان میں تو کتوں کو سدھایا نہیں جاتا۔ مگر ولایت میں ان سے آدمیوں کے کام لئے جاتے ہیں۔ مثلاً سودا سلف خرید لانا۔ بچوں کی نگرانی کرنا۔ بھیڑوں کی رکھوالی۔ ڈوبتوں کو نکالنا وغیرہ وغیرہ۔ جیساکہ تصویروں میں دکھایا گیا ہے۔ مثلاً تصویر نمبر (۱) میں کتا سودا سلف خریدنے بازار جا رہا ہے۔ اور دوسری تصویر میں سودے والی ٹوکری پرے زمین پر رکھ کر خود دروازہ کھٹکا کر مالک کو بلا رہا ہے۔

(۱)

(۲)
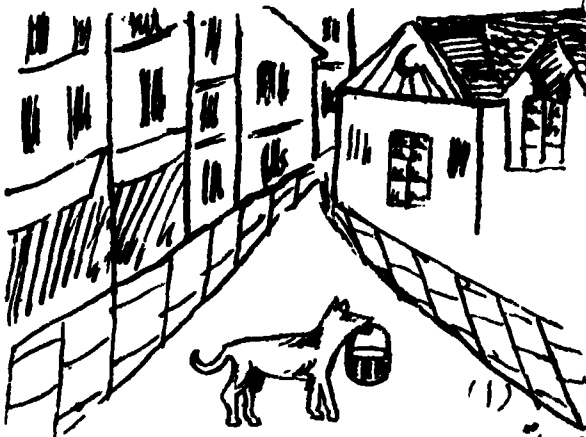
تصویر نمبر ۳ میں کتا بچے کے پاس بیٹھا اس کی رکھوالی کر رہا ہے۔

تصویر نمبر ۴ میں کتا بکریوں کے پاس کھڑا ان کی نگرانی کر رہا ہے۔

تصویر نمبر ۵ میں کتے نے ڈوبتے بچے کو دریا سے نکالا ہے اور خود بھونک کر کسی کو بلا رہا ہے۔

غرضکہ امریکہ اور ولایت میں کتوں سے

وہ کام لئے جاتے ہیں جو کوئی آدمی بھی نہیں کرسکتا۔
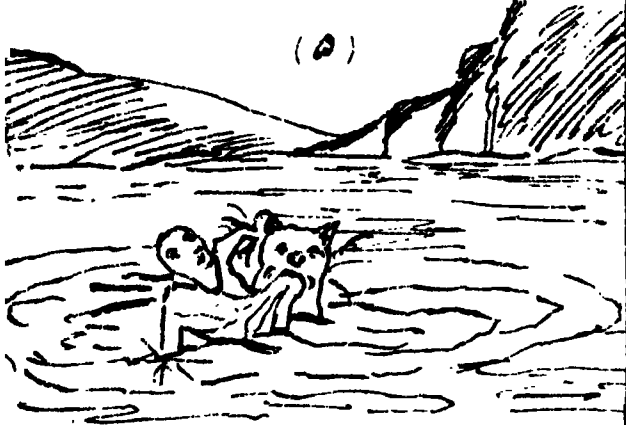
مثلاً پچھلے سال ۱۹۳۲ء میں گرمیوں کی چھٹی میں ایک کتا رن ٹن ٹن نامی جو کہ امریکہ کی ایک مشہور فلم ساز کمپنی کا ایکٹر تھا مر گیا۔ اس کی تنخواہ ماہوار ۶۰۰ پونڈ تھی۔ اس کا مالک اسی کی بدولت آج امریکہ میں لکھ پتیوں میں شمار ہوتا ہے اور اسکی امریکہ میں بہت سی عمارتیں اور کارخانے ہیں جو بڑی کامیابی سے چل رہے ہیں +

(از رشید الدین صاحب)

بچوں کا قاعدہ

بچوں کو اردو کا قاعدہ پڑھاتے وقت مندرجہ ذیل دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے؛

۱- کام کس طرح شروع کریں کہ بچہ ابتدائی کام کو ماحول کے مطابق دیکھے۔

۲- حروف علت کا استعمال۔

۳- ہم آواز حروف کی مشکلات۔

۴- کام کو آخر تک دلچسپ رکھنا۔

جناب مولوی عبدالغفار صاحب نگراں تعلیمی مرکز نمبر(۱) آج چھ سال سے صرف اول جماعت کے بچوں کو اردو پڑھا رہے ہیں اور بچوں کی تعلیم میں مہارت تامہ رکھتے ہیں۔ موصوف نے مندرجہ بالا دشواریوں کو سامنے رکھتے ہوئے بچوں کا قاعدہ لکھا ہے۔ یہ قاعدہ جامعہ ملیہ میں دو سال کے تجربے کے بعد اب شائع ہوا ہے۔ قیمت ۴ر

رہنمائے قاعدہ

بچوں کا قاعدہ پڑھانے میں جس ترتیب سے کام لیا گیا ہے وہ سب اس میں درج ہے۔ ایک معلم جسے بچوں کی تعلیم سے دلچسپی ہو، رہنمائے قاعدہ کا مطالعہ اسے بہت مفید ثابت ہوگا قیمت ۲ر

مکتبہ جامعہ قرول باغ دہلی

بچّوں کا کتب خانہ

اسلامی عقاید بچّوں اور عام فہم لوگوں کو یہ رسالہ دین کی باتیں بتاتا ہے۔ قیمت ۱۰/

اچھی باتیں بچّوں کے لئے کلام اللہ سے اچھی اچھی باتیں جمع کی گئی ہیں۔ گویا یہ بچّوں کی ایک چھوٹی تفسیر ہے۔ آخر میں احادیث شریفہ بھی درج ہیں۔ قیمت ۴/

ہمارے رسول یہ کتاب ہمارے رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے حالات اور آپ کے اچھے اخلاق بتاتی ہے۔ بچّوں کے لئے بہت مفید کتاب ہے قیمت ۵/

الورد والریحان چند قابل حفظ احادیث کا انتخاب ہے تاکہ بچے آنحضرت صلعم کے اس مختصر کلام کو آسانی سے یاد کر سکیں۔ قیمت۔ ۲/

اسلامی تاریخ

اسلامی تاریخ کا سلسلہ بچّوں کے لئے خاص طور پر تیار کیا گیا ہے

ہمارے نبی	جماعت دوم کے لئے	۳/
نبیوں کے قصّے	" سوم "	۴/
سرکار دو عالم	جماعت چہارم کے لئے	۸/
خلفائے اربعہ	" پنجم "	۱۰/

معلومات عامہ

دنیا کے بسنے والے حبشی، افریقہ کے بونے، بدو، عرب اور ان ملکوں کے حالات جہاں ہزاروں من برف گرتی ہے تقریباً پچاس تصویریں ہیں۔ قیمت ۶/

تاریخ ہند کی کہانیاں ہندوستان کی تاریخی کہانیاں آسان اور پیاری زبان میں۔ قیمت ۴/

باغبانی پروجکٹ ایک جدید طریقۂ تعلیم کے ماتحت بچّوں سے باغیچہ میں کام لیتے وقت کس طرح لکھنا پڑھنا سکھایا گیا ۸/

میلاد النبی پروجکٹ بچّوں سے میلاد النبی کے موقع پر کہا گیا کہ وہ بھی اسکول میں جلسہ کریں۔ یہ کتاب انھیں بچّوں کی محنت کا نتیجہ ہے۔ (با تصویر) قیمت ۶/

بچّوں کے لئے اچھے ڈرامے

بچّوں کا انصاف	۴/	اسکول کی زندگی	۴/
محنت	۴/	دیانت	۲/

مکتبہ جامعہ قرولباغ دہلی

پیامِ تعلیم
دہلی

جلد ١٤ نمبر ١٠

جامعہ ملیہ اسلامیہ کا پندرہ روزہ تعلیمی رسالہ

٢١ مئی سنہ ٣٣ع

فہرست مضامین

ایڈیٹر:— سعید انصاری

Jamia Press

رجسٹرڈ ایل نمبر ١٩٦١ چندہ سالانہ دو روپیہ ٨ آنہ

جو یوں زرد سورج نظر آرہا ہے
انسانی تھکاوٹ کی دکھلا رہا ہے

نکل کر وہ پورب سے پچھم کو آیا
بہت ہی بڑا اس نے چکر لگایا

وہ دیکھو چلا ہے اب آرام کرنے
عوض اس کے چاند آئے گا کام کرنے

وہ سورج کی رخصت سے پھیلا اندھیرا
ہیں لینے کو شاخوں پہ چڑیاں بسیرا

وہ ہر گھر میں جلنے لگے ہیں دیے اب
کہ اس شام کے بعد آنے کو ہے شب

مویشی جو جنگل میں چرنے گئے تھے
پلٹ کر وہ گھر آ گئے اپنے اپنے

ہے بازار کی کیفیت بھی نرالی
جھگڑتی ہے گاہک سے دوکان والی

چراغوں سے بازار ہے جگمگایا
کوئی سیر کو، کوئی سودے کو آیا

تھکے ماندے مزدور بھی گھر کو آئے
ملازم بھی، آقا بھی تشریف لائے

چمکنے لگے آسماں پر ستارے
بڑے خوب صورت بہت ہی پیارے

فلک کے بچھونے پر ایسے پڑے ہیں
کہ اک نیلے بستر میں ہیرے جڑے ہیں

مسافر ہے وہ خوش نصیب اور خوشدل
کہ جو شام سے پہلے پا جائے منزل

جو اسکول میں روز جاتے ہیں لڑکے
انھیں اٹھنا پڑتا ہے ہر روز تڑکے

سبق یاد کرتے ہیں اب بیٹھ کر وہ
ہوئے کھیل اور کود سے بے خبر وہ

ذرا دیر میں پھر ہے کھانے کو جانا
انھیں پھر ہے سونے کو بستر پہ جانا

از محمد عبداللہ شرقی۔ شاگرد
حضرت محوی لکھنوی
مدراس

عجائب خانہ سمندر

خشکی میں تو خیر ایسے جانور بھی پائے جاتے ہیں جو گھاس پھوس اور درختوں کے پتوں پر اپنی گذر بسر کر سکتے ہیں اور دوسرے جانوروں کے ہلاک کرنے کی فکروں میں نہیں رہتے۔ مگر سمندر کے جانوروں کی تو عموماً یہ کیفیت ہے کہ ان کی زندگی رات دن لڑائی کے میدان ہی میں گذرتی ہے۔ اس کو نوچا اس کو کھسوٹا، یہاں سے بھاگے، وہاں سے بھگایا ایک کا شکار کیا اور دوسرے کا شکار ہو گئے۔ غرض چوبیس گھنٹے غذا کی تلاش ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ فکر کہ کوئی مجھے نہ کھا جائے۔

اپنے آپ کو بچا کر دوسروں کو ہلاک کرنے کی خواہش کا نام یورپ کے عقلمندوں نے اسٹرگل فار اگزس ٹینس (Struggle for Existence) رکھا ہے۔ جس کو عربی میں تنازع للبقا کہتے ہیں۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ دنیا میں زندہ رہنے کے لئے باہم نزاع ہوتی رہے۔ یعنی جینے کے لئے غذا بھی ہو اور یہ غذا دوسروں کو مار کر میسر آئے۔ اور خود اپنے مارے نہ جانے کی کوشش بھی جاری رہے سمندر میں آپس کی نوچ کھسوٹ اس زور شور کے ساتھ جاری ہے کہ خشکی میں اسکی مثال نہیں مل سکتی۔ اگر کسی ملک میں آدم خور انسان پہنچ جائے تو وہاں کے رہنے والے یا تو اسے پکڑ کر پنجرے میں قید کر دیں گے یا مار ڈالیں گے۔ مگر سمندر کی حالت پر غور کرو کہ یہاں کی ہر ایک چھوٹی بڑی مچھلی، ہر ایک کیڑا دوسری مچھلی یا دوسرے کیڑے کے کھا جانے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ اس لئے قدرت نے ان جانوروں میں اپنی نسل کے قائم رکھنے اپنی جان بچانے اور دوسروں کو مار ڈالنے کے لئے ایسے انوکھے طریقے تجویز کئے

ہیں کہ دیکھکر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ ان رات دن کے لڑاکو جانوروں میں سے چند کا حال تو تم پیچھے پڑھ چکے۔ اب چند چھوٹی مچھلیوں کا حال بیان کیا جاتا ہے۔ دنیا میں اسوقت تک تقریباً نو ہزار قسم کی مچھلیاں معلوم ہوئی ہیں۔ اور ہر قسم میں کئی کئی وضع کی نسلیں ہوتی ہیں۔ ان کے علاوہ پہاڑوں میں سے بعض ایسی مچھلیوں کے ڈھانچے ہاتھ آئے ہیں، جو آجکل کہیں نہیں ہیں۔ مگر جس وقت یہ پہاڑ پانی کے اندر تھے یہ مچھلیاں سمندر میں تیرا کرتی تھیں +

(از جناب سید محمد عسکری صاحب)

آپ کو اپنا نمبر خریداری یاد ہے!

اگر یاد نہ ہو تو مہربانی فرماکر پتے کی چٹ پر ملاحظہ فرمایئے۔

خط کتابت میں نمبر کے حوالے سے بڑی سہولت ہوجاتی ہے۔ ورنہ بسا اوقات جواب دینا بھی مشکل ہوجاتا ہے۔

براہِ کرام اسے نہ بھولئے۔

مہتمم

جنگل کا شیخ چلی

ایک ایکٹ کا ڈرامہ

افراد ڈرامہ

نوجوان بھیڑیا۔ چالاک لومڑی۔ غریب بھیڑ۔
دلیر شکاری

[ماتھران پہاڑی کے بیچ میں ایک گھنا جنگل ہے اس کے بیچ میں ایک پہاڑی چشمہ ہے جس کا پانی جمع ہوتے ہوتے ایک چھوٹی سی جھیل کی شکل میں بن گیا ہے۔ اس جھیل کے چاروں طرف گھاس اُگی ہوئی ہے۔ پانی گھاس اور ہوے کے درختوں نے مل ملاکر اس مقام کو بہت دلفریب بنا دیا ہے۔ پرندے درختوں کی ڈالیوں پر چہچہا رہے ہیں۔ ایک خوب صورت غریب بھیڑ جھیل کے کنارے کھڑی ہوئی پانی پیتی جاتی ہے اور خوف کے مارے مُڑ مُڑ

کرچاروں طرف دیکھتی بھی جاتی ہے]

بھیڑ: کیسا دلفریب مقام ہے۔ کاش میں یہیں رہ جاتی۔ قسم ہے دیوتا باگ کی۔ کسقدر ٹھنڈا پانی ہے۔ یہ آزادی اور یہ لطف گڈریئے کے گلے میں کہاں۔ میں آج دادا کا نیا اور اس کے شکاری کتے کھنڈیا کی نظروں سے بچ کر یہاں بھاگ تو آئی ہوں لیکن ایسا نہ ہو وہ میرے پیچھے آتے ہوں اور اس جنت سے مجھے اس طرح گھسیٹ کرلے جائیں جس طرح کسی اسکول سے بھاگے ہوئے چھوکرے کو اس کے ماسٹر پکڑ کر لے جائیں۔ ارے یہ پتوں کی کھڑکھڑاہٹ کیسی [پیچھے مڑ کر دیکھتی ہے] ہے کرشن بھگوان بچانا! [بہت زور سے ممیاتی ہے] ارے میرے کرموں کا پھل! میں کیوں اپنے گلے سے نکل کر آئی [بھاگتی ہے] [ایک نوجوان بھیڑیا گھنے جنگل میں سے نکل کر چھلانگ مارتا ہے اور بھاگتی ہوئی بھیڑی کی کھال میں اپنے تیز دانت گڑو دیتا ہے۔ بھیڑی ایک چیخ مارتی ہے جس کو سن کر جنگل کے تمام پتے سسکیاں بھرنے لگتے ہیں]

بھیڑ: (خون بہ رہا ہے) ارے موئے ظالم خونخوار درندے ــــ "

بھیڑیا۔ چپ مردار۔ تو اس جگہ آئی کیوں کیا تجھکو نہیں معلوم تھا کہ اب ہم جوان ہو چکے ہیں اور اپنے پنجوں اور دانتوں کو خوب تیز کر چکے ہیں [بھیڑی کا گلا دبا دیتا ہے اور وہ پھڑک پھڑک کر جان دیدیتی ہے] ہا ہا (ہنستا ہے) شکار کرنا کتنی آسان بات ہے [خون چاٹتا ہے] کتنا میٹھا شربت ہے۔ [مری ہوئی بھیڑی کے گرد ناچتا ہے۔] آج ہمارا پہلا شکار ہے۔ مگر یہ کمبخت گیدڑ کہاں مر گئے۔ جو ہماری بہادری کی تعریف میں اگر اپنے گلے پھاڑ پھاڑ کر دو چار گیت گاتے تو ہم آج تھوڑا سا گوشت ان کو بھی دیدیتے [بھیڑی پر پنجے رکھکر کھڑا ہو جاتا ہے] افسوس ہے کوئی مقابلہ کرنے والا بھی نہیں ہے۔ ورنہ دو چار داؤ پیچ کشتی کے ہوتے۔ دو چار کھرونچے پنجوں کے لگتے۔ دو چار گھاؤ دانتوں کے پڑتے تو اس شکار کا مزہ چوگنا ہو جاتا۔ [ڈکارتا ہے] ارے! اس جنگل میں سب چوہے اور بلیاں ہی ہیں۔ کسی میں ہمت ہو تو نکلے اور آئے ہمارے سامنے [پتیوں میں کھڑکھڑاہٹ ہوتی ہے] کون ہے؟

[ایک چھوٹی سی لومڑی اپنی تھوتھنی گھاس

میں سے باہر نکالے ہوئے کھڑی ہوئی ہے]

آہا۔ میاں لومڑی ہیں۔ ابے او بالشتیئے ذرا باہر نکل کے آ۔ خرگوش کی طرح سے دہیں سے جھانک رہا ہے۔ ذرا ہم سے جنگ کرکے دیکھ ذرا ہمارا زور آزما کر دیکھ! معلوم تو ہو کہ اس شکار کا تو حقدار ہے یا ہم۔ کیوں لڑے گا۔ بول!

لومڑی۔ نہیں جناب میں آپ سے لڑکر کہاں رہوں گی۔ کہاں آپ اور کہاں میں۔ آپ کے پنجے، دانت اور بازو دیکھکر میرا دل دہلا جاتا ہے۔

بھیڑیا۔ (غرور سے تن جاتا ہے) اچھا چھوڑ جا ہم نے تجھے معاف کیا۔ مگر ہاں ذرا ہمارے قریب تو آؤ۔ تم سے کچھ باتیں پوچھنا ہیں۔ ڈرو نہیں قسم ہے اسی شکار کی ہم تمھاری دُم کے بالوں تک کو نہ چھوئیں گے۔

[لومڑی قریب آکر بیٹھ جاتی ہے]

لومڑی:۔ جی۔ فرمایئے!

بھیڑیا:۔ سچ سچ بتانا تمھاری کیا عمر ہے۔ میری عمر تو ایک سال کی ہے۔ مگر میرا خیال ہے کہ تم مجھ سے بڑی ہو گی؟

لومڑی:۔ ہاں حضور میں آپ سے بہت بڑی ہوں میں پانچ برس کی ہوں۔

بھیڑیا:۔ اوہو۔ پانچ برس! تعجب ہے کہ تم اتنی بڑی ہو کر بھی اپنے سامنے کے ایک بچے سے ڈرتی ہو۔ دیکھو ذرا میرے ڈیل ڈول کی طرف نظر کرو۔ برگد کا درخت معلوم ہوتا ہوں یا نہیں۔ اچھا بتاؤ تو! اس جنگل میں کوئی ایسا بہادر ہے جو مجھ سے لڑ سکے۔

لومڑی۔ ہاں سرکار ایک چتی دار تیندوا آپ سے بڑا بھی ہے اور مضبوط بھی ہے۔ وہی لڑ سکتا ہے۔

بھیڑیا:۔ خیر ابھی میری عمر ہی کیا ہے۔ سال بھر کا لونڈا تو ہوں ہی۔ ذرا ہاتھ پاؤں بڑھا لوں تو تمھارے اس تیندوے کا نرخرہ نہ چبا جاؤں تو کہنا۔ پھر اس جنگل کی بادشاہی تو ہمارے قدموں تلے پڑی ہوگی۔ مگر چتی دار تیندوے سے بھی کوئی جانور بڑا ہے۔؟

لومڑی:۔ جی ہاں نواب صاحب۔ کالے بالوں والے ہمالی ریچھ اس سے بھی بڑے ہیں۔

بھیڑیا۔ ارے لیے لیے۔ ہمارے بادشاہ ہونے میں ابھی کسر ہے۔ تھوڑا انتظار کرنا پڑیگا۔ بھئی جب ہم اور پھول جائیں گے تو تمھارے ریچھ

کی ہڈی پسلی کچل ڈالوں گا۔

ریچھ سے بڑا جانور تو کوئی ہوگا نہیں کیوں رے؟

لومڑی۔ حضرت ہے کیوں نہیں۔ سارے بن کا چھتری سورما چیتا ابھی زندہ ہے۔ اسکی دہاڑ سے درختوں پر کے جانور ٹپ ٹپ گر جاتے ہیں۔

بھیڑیا۔ اب تو تو ہم کو ڈرائے دیتا ہے [ادھر ادھر دیکھ کر] کہیں ایسا نہ ہو وہ تمھارا سورما چیتا ابھی نکل آئے اور میرے پنجوں سے دو چار طمانچے کھا جائے میں اس تنکے سے ابھی لڑنا نہیں چاہتا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی اس جنگل کا راج لینے کے ہم کو بہت دن انتظار کرنا پڑے گا۔ خیر رہ تو جاؤ آج ہی سے ڈنڈ اور بیٹھک کرنے کی مشق شروع کرتا ہوں۔ اور جب خوب طاقتور ہو جاؤں گا تو اس کتے کے کان پکڑ کر تمھارے سامنے ہی اٹھک بیٹھک کراؤں گا۔

[مونچھوں پر تاؤ دیتا ہے۔] کیوں بھئی اس اس سے بھی بڑا کوئی اور جانور ہے، یا نہیں؟

لومڑی۔ جی ہاں کنور صاحب، کیوں نہیں مہاراج مست دار ہاتھی سے تو چھتری چیتے کی بھی روح کانپتی ہے۔ ان کی گرج سے دھرتی ماتا بھی ہل جاتی ہے۔ وہ اپنی ایک سونڈ کے اشارے سے برگد کے درخت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتے ہیں۔ اپنے پیروں کے دباؤ سے بڑے بڑے سورماؤں کو مکھی کی طرح مسل ڈالتے ہیں۔ ان کا لمبا چوڑا بھاری بھرکم ڈیل ڈول دیکھکر آپ ضرور بے ہوش ہو جائیں گے

بھیڑیا۔ ارے رام رام رام [آہ بھرتا ہے] جنگل کا بادشاہ بننے کے لئے ہم کو بہت سال لگیں گے۔ مگر میں ہمت ہارنے والا جانور نہیں ہوں۔ میں جب تمھارے مہاراج جیسا بڑا اور طاقتور ہو جاؤں گا تو ان سے جنگ کروں گا اور اپنے تیز دانتوں سے ان کی سونڈ کاٹ کر ریزہ ریزہ کر دوں گا۔ کیا ہاتھی سے بھی کوئی جانور بڑا اور طاقتور ہے؟

لومڑی۔ نہیں راجہ صاحب۔ ہاتھی جی کی جنگل میں جے بولی جاتی ہے۔ مگر ایک مکار دغا باز۔ چھوٹا سا جانور انسان البتہ ہے۔ جس نے اتنے بڑے دیو کو بھی رام کر لیا ہے۔ وہ ان کی موٹی گردن پر بیٹھ کر انکس چلاتا ہے اور ہمارے مہاراج ایک غلام کی طرح سے اس کا حکم مانتے ہیں؛

بھیڑیا۔ یہ کیسے۔ میرے اچھے چچا ذرا مجھے سمجھاؤ تو۔

لومڑی۔ بھتیجے، لے تو یہ مہاراجہ صاحب۔ یہ آپ کے اس غلام کو بھی نہیں معلوم کہ ایسا کیوں ہے۔ بہرحال اتنا جانتا ہوں کہ یہ جانور جس کا نام انسان ہے دیکھنے میں بہت چھوٹا اور کمزور ہے۔ مگر جنگل، دریا۔ پہاڑ اور زمین کا بادشاہ وہی ہے۔

بھیڑیا۔ اہا ہا ہا [خوب ہنستا ہے] سچ! انسان اتنا چھوٹا اور کمزور ہے۔ میں اس سے زیادہ طاقتور ہوں! بس مار لیا میدان [ناچتا ہے] اس سے جا کر کہہ دو کہ وہ بہت دن تک مزے اڑا تا رہا ہے۔ آج اس کی بادشاہت ختم ہو جائے گی۔ ہیں۔ میں بھیڑیئے کا پوت اس سے لڑوں گا۔ اور اس کو اسی کمزور بھیڑی کی طرح سے شکار کر کے دنیا بھر پر حکومت کروں گا مہاراج مست دار ہاتھی، چھتری سورما چیتا۔ مہابلی ریچھ، اور دھتی دار تیندوے میرے سامنے ادب سے سر جھکائیں گے۔

او چوہے، ذرا مجھے بتا نا تو یہ کمزور انسان کس سوراخ میں رہتا ہے؟

لومڑی۔ اے بادشاہ سلامت اگر حضور والا تھوڑی تکلیف فرمائیں اور اس وفادار غلام کے ساتھ کچھ دور تک تشریف لے چلیں تو یہ نمک خوار اپنی جان پر کھیل کے بتا دیگا کہ انسان کہاں رہتا ہے۔ لیکن اگر آپ جاں بخشی کریں تو عرض کروں کہ بندہ بے حد ڈرپوک اور بھگوڑا ہے اگر وہ انسان میری طرف نظر اٹھا کر بھی دیکھے گا تو میں وہاں سے اس طرح بھاگ آؤں گا، جس طرح آپ کے سامنے سے کوئی بھیڑی بھاگ جائے۔

بھیڑیا۔ ہو ہو [قہقہہ لگاتا ہے] ابے بودے مجھے تیری مدد کی ضرورت ہی کیا ہے۔ میں تو اپنے بل بوتے پر جا رہا ہوں۔ تیرا دل چاہے تو تو بھاگ آنا۔

[لومڑی آگے آگے کودتی ہوئی چلتی ہے اور بھیڑیا اس کے پیچھے روانہ ہو جاتا ہے]

سین دوسرا

[ماتھران کا پہاڑ کھڑا ہوا ہے۔ اس کے اوپر سے ایک لمبی سڑک بل کھاتی ہوئی گئی ہے۔ سڑک کے ایک طرف پہاڑ کی اونچی دیوار ہے اور دوسری طرف

بہت گھنا جنگل ہے۔ شام ہو چکی ہے۔ چاروں طرف
اندھیرا چھا رہا ہے۔ سڑک کے نزدیک درختوں کے
ایک جھنڈ میں بھیڑیا اور لومڑی دبکے ہوئے بیٹھے ہیں
بھیڑیا بار بار اپنی گردن اٹھا کر سڑک کی طرف دیکھتا ہے]

بھیڑیا۔ میں انتظار کرتے کرتے تھک گیا۔
کیا ہمارے آنے کی اس چالاک انسان کو خبر ہو
گئی۔ آخر وہ اب تک کیوں نہیں نکلا۔ وہ
شکار کرنے کس وقت نکلتا ہے۔

لومڑی۔ بس یہی وقت ہے اس کے نکلنے
کا۔ ذرا خاموش بیٹھے رہیے۔

بھیڑیا۔ اہاہا! اوہو ہو ہو۔ آج ہم اس جنگل
کے بادشاہ کہلائیں گے۔

[سڑک پر سے ایک بڈھا آدمی جس کی کمر جھکی
ہوئی ہے لکڑی ٹیکتا ہوا آرہا ہے]

بھیڑیا۔ ارے ذرا دیکھنا یہ تین ٹانگوں
والا جانور پھدکتا ہوا آرہا ہے۔ کیا یہی انسان ہے!

لومڑی۔ جی نہیں حضور یہ کسی زمانے میں
انسان تھا مگر اب چولا بدل چکا ہے۔ تھوڑا اور
انتظار کیجیے۔

[بڈھے آدمی کے جانے کے بعد ایک
چھوٹا لڑکا نظر آتا ہے جو کتابوں کے بیگ کو گھماتا
ہوا تیز تیز دوڑا چلا جا رہا ہے اس کے چہرے
سے خوف ظاہر ہو رہا ہے۔

لڑکا (گاتے ہوئے)

سارا جنگل ہے سنسان اس میں درخت ہیں گنجان
سورج ڈوب چلا افسوس، رستہ بن چلا انجان

بھیڑیا۔ (لومڑی سے) دیکھو یہ دو پیر کا جانور
آرہا ہے۔ واہ واہ کیا جانور ہے۔ واللہ! ارے
بغیر دُم اور پَر کا ٹنڈ منڈ پرندہ ہے۔ مگر لگتا اچھا
ہے۔ کیا یہی انسان ہے؟

لومڑی۔ ارے جناب آپ کیوں بے تاب
ہوئے جاتے ہیں۔ یہ انسان کہاں سے آیا
یہ انسان کا بچہ البتہ ہے۔ تھوڑی دیر اور انتظار
کر لیجیے۔

[سڑک پر سے ایک ٹھاکر شکاری نظر آتا ہے۔ جو
کمر سے ایک لمبا چھرا باندھے اور کندھے
پر بندوق رکھے ہوئے ہے۔ جسم بھی اس کا لمبا چوڑا
ہے]

لومڑی۔ (آہستہ سے بھیڑیے کے کان میں)
لیجیے مہاراجہ بہادر انسان آگیا۔ آپ کو جنگل کی
بادشاہت اس آسانی سے مل جاتی ہے۔ خدا
حافظ۔ بندہ نے اپنا کام ختم کر دیا۔ میں ایسے

موقعے سے کوسوں بھاگتا ہوں۔ لیجئے میں تو یہ چلا۔

(علیحدہ) یہ بھیڑئے کا بچہ بہت دیر سے بلبلا رہا تھا۔ میں اس کی لاش پر دور سے فاتحہ پڑھوں گی۔ [بھاگ کر جھاڑی میں چھپ جاتی ہے]

(باقی آیندہ)

(از سید ابو طاہر داؤد بی ایس سی)

پودے اور اُن کی خوراک

اگر تم سے پوچھا جائے کہ انسان کی زندگی کے واسطے کون کون سی چیزیں ضروری ہیں تو تم جواب دوگے کہ ہوا، پانی اور خوراک ساتھ ہی یہ بھی کہوگے کہ سورج کی روشنی بھی ویسی ہی ضروری ہے۔

پودوں کی زندگی کے لئے بھی یہی چیزیں ضروری ہیں۔ پودوں کی خوراک کا بہت بڑا حصہ زمین میں موجود ہے، جو پانی کے اندر ملا رہتا ہے۔

زمین کے اندر جو پانی موجود ہے، اس میں پودوں کی غذا کے اکثر حصے شامل ہوتے ہیں۔ جو بارش کے پانی کے ساتھ ساتھ زمین کے اندر چلے جاتے ہیں۔ یہ غذا پودا ایک عجیب ذریعے سے حاصل کرتا ہے یعنی اس کی جڑ زمین کے اندر جال کی طرح پھیل جاتی ہے۔ یہ جال کے حصے جو بال سے زیادہ باریک ہوتے ہیں، مٹی کے ان ذروں میں جاکر پیوست ہوجاتے ہیں جن کے اندر وہ پانی، جس میں پودے کی غذا شامل ہوتی ہے، ملا رہتا ہے۔ اس جال کو انگریزی میں روٹ ہیرز (Root hairs) کہتے ہیں۔ یہ جڑیں مٹی کے ذروں سے اس پانی کو چوس لیتی ہیں۔ یہ جذب کیا ہوا پانی دوسری چیزوں کے ساتھ ان نالیوں کے ذریعے، جو پودے کے قریب قریب

ہر حصے میں ہوتی ہیں، اوپر چڑھ جاتا ہے اس طریقے سے یہ غذا پودے کے قریب قریب ہر حصے میں پہنچ جاتی ہے۔ اس غذا میں پودے کی خوراک کے اکثر وہ حصے جن کو انگریزی میں پروٹینیں اور اسٹارچ۔۔۔۔ (Proteins and Starch) کہتے ہیں، شامل ہوتے ہیں۔ باقی جزو مثلاً آکسیجن وغیرہ پودے ہوا سے حاصل کرتے ہیں۔ بعض وقت پودے ضرورت سے زیادہ پانی اپنے اندر جذب کر لیتے ہیں، تو اس صورت میں زیادہ مقدار جتنی بھی ہوتی ہے وہ پتیوں کی سطح پر سے بھاپ کی شکل میں اُڑ جاتی ہے۔ پودوں کے جسم میں بہت سی کوٹھریاں ہوتی ہیں۔ جو اس حاصل کی ہوئی غذا کو اپنے اندر ہضم کر لیتی ہیں۔ اور پودوں کی بڑھوار کا باعث ہوتی ہیں۔ جو کوٹھریاں کہ عمر میں زیادہ ہوتی جاتی ہیں۔ وہ پودے کے باہر کے حصے پر جس کو تنا کہتے ہیں، آجاتی ہیں۔ اور پودے کے لئے مضبوطی کا سبب ہوتی ہیں۔ ان کی جگہ نئی کوٹھریاں لے لیتی ہیں۔ اور اس طریقہ پر پودا بڑھتا ہے۔ بہار کے موسم میں بالیدگی (بڑھوار) پر بڑا اثر ہوتا ہے، جو کسی اور موسم میں نہیں ہوتا۔

سورج کی روشنی اور گرمی بھی پودے کے لئے اشد ضروری ہے۔ اگر کوئی پودا ایسی جگہ رکھا جائے جہاں اس کی خوراک کے لئے ہر چیز افراط کے ساتھ موجود ہو، مگر وہاں سورج کی روشنی اور گرمی نہ پہنچ سکے۔ بلکہ بالکل اندھیرا ہو، تو اس صورت میں پودا مرتا تو نہیں، لیکن بڑھ بھی نہیں سکتا۔ اور سبز رنگ کے پودوں میں جو چیز خوب صورتی کی ہے وہ بالکل نہیں پائی جاتی۔ ایسے پودے کا رنگ زرد ہو جاتا ہے۔ اگر اس پودے کو اندھیرے سے نکال کر روشنی میں رکھا جائے تو یہ رفتہ رفتہ سبزی مائل ہو جائے گا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ روشنی اور گرمی پودے کے لئے اشد ضروری ہیں۔ بہرحال پودوں کی زندگی کا دار مدار انھیں چیزوں پر ہے جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا۔

از قاضی محمد ادریس صاحب

شاعر اور بادشاہ

ابودلامہ ایک بہت دلچسپ شاعر تھا۔ ایک مرتبہ اس نے کوئی دلچسپ بات کہی۔ اس پر ابوالعباس سفاح (جو خاندان بنی عباس کا سب سے پہلا بادشاہ تھا) نے خوش ہو کر کہا "مانگ کیا مانگتا ہے"

ابودلامہ نے جواب دیا "مجھے ایک کتا چاہیے کہ جب میں چاہوں اسے لے کر شکار کو چل کھڑا ہوا کروں" سفاح کو تعجب ہوا کہ اس نے اتنی چھوٹی چیز مانگی۔ مگر اس نے حکم دیا کہ اسے ایک کتا دیدیا جائے۔ جب کتا مل گیا تو ابودلامہ نے کہا "حضور، ایک سواری بھی تو مل جائے جس پر چڑھ کر میں شکار کو جایا کروں" وہ بھی سفاح نے دلوادی، پھر ابودلامہ نے کہا حضور ایک غلام بھی، جو کتے کی رکھوالی کیا کرے" غلام بھی مل گیا۔ ابودلامہ نے پھر کہا۔ حضور اگر ایک لونڈی مل جائے تو بہت اچھا ہو۔ جو میرے شکار کو درست کیا کرے اور اسے صاف کر کے مجھے اچھی طرح کھلایا کرے"۔ خلیفہ نے اس کا بھی حکم دیدیا۔ پھر ابودلامہ بولا۔ "حضور کے یہ غلام رہیں گے کہاں۔ ! ان کے لئے ایک مکان بھی تو چاہیے" خلیفہ نے حکم دیا کہ ایک مکان بھی ابودلامہ کو دیا جائے۔ یہ حکم سن کر اس نے کہا "کیوں حضور! اگر کوئی جاگیر نہ ہوئی تو آپ کے غلام کہاں سے کھائیں گے کیا۔؟" سفاح نے کہا "ہم نے تمھیں دو سو جریب زمین دی۔ سو جریب کھیتی کے قابل اور سو جریب بنجر۔" ابودلامہ نے کہا "حضور اپنے قبیلہ کی پانچسو جریب بنجر زمین چھوڑ کے تو میں یہاں آیا ہوں۔ اور آپ پھر مجھے وہی دے رہے ہیں" اس پر سفاح ہنس پڑا اور اس نے حکم دیا کہ ابودلامہ کو پوری زمین کھیتی کے قابل دی جائے +

از رئیس احمد جعفری

سلیٹ

اسکول کے اکثر لڑکے سلیٹ پر سوال وغیرہ جوڑتے ہیں۔ اور اس سے بہت سا کام لیتے ہیں۔ لیکن پھر بھی بہت سے اس سے بالکل بے خبر ہیں کہ وہ کس چیز سے بنتی ہے؟ آج ہم اس کے متعلق کچھ لکھنا چاہتے ہیں۔

سلیٹ کے دو حصے ہوتے ہیں۔ ایک سلیٹ اور دوسرے فریم۔ فریم لکڑی کے چار ٹکڑوں سے جوڑ کر بنایا جاتا ہے۔ اس کی وجہ سے سلیٹ بہت محفوظ رہتی ہے۔ اور سوال وغیرہ سے لکھنے میں بہت آسانی ہوتی ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو اس کے کنارے تیز ہوتے ہیں۔ ہاتھ میں چبھ جائیں گے۔

سلیٹ دراصل ایک خاص قسم کے پتھر یا چٹان کا ٹکڑا ہے۔ جس کو سلیٹ کہتے ہیں۔ یہ پتھر اکثر ملکوں میں پایا جاتا ہے۔ لیکن زیادہ تر ویلز (Wales) اور کارنوال (Cornwall) سے آتا ہے۔ ان ملکوں میں سلیٹ کی بہت سی کانیں ہیں۔ اور وہاں پر ہمیشہ ہزاروں آدمی کام کیا کرتے ہیں۔

سلیٹ اور دوسرے عام پتھروں میں سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ سلیٹ کی تہ پتلی، چکنی اور برابر ہوتی ہے۔ کئی ایک تہیں آپس میں ملی ہوتی جنھیں بعد کو تھوڑے سے الگ کر دیا جاتا ہے۔

سلیٹ محض لکھنے ہی کے لئے نہیں استعمال کی جاتی۔ اس کو اور بہت سے کاموں میں لاتے ہیں۔ بعض جگہ لوگ مکان کی چھت میں لگاتے ہیں۔ سلیٹ کے ٹکڑوں کے کناروں میں سوراخ کر دیتے ہیں اور ان ٹکڑوں کو ایک دوسرے پر رکھکر لکڑی کی کانٹیوں سے جوڑ دیتے ہیں۔ بیچ میں دونوں طرف کے

ٹکڑے اور اُن کے اوپر کھپرے رکھدیتے ہیں۔ کیونکہ بیچ میں دراز رہ جاتی ہے اگر اس پر کھپرے نہ رکھیں تو بارش کے وقت پانی ٹپکنے لگے گا۔ اس کو شاید "برینڈا" کہتے ہیں۔ اگر تم پرانی اور نئی سلیٹ کو دیکھو تو تم کو ان دونوں کے درمیان بہت بڑا فرق ملیگا۔ پرانی سلیٹ بہ نسبت نئی کے بہت چکنی اور گہرے رنگ کی نظر آئے گی۔ جانتے ہو ایسا کیوں ہے۔ اس لئے کہ پرانی سلیٹ روز مرہ کے لکھنے سے گھس جاتی ہے۔ تم اسپر پنسل سے روز لکھتے ہو اور اس کو اسپنج(ف) کپڑے یا ہاتھ سے روزانہ صاف کرتے ہو۔ جس کی وجہ سے صاف اور چکنی ہو جاتی ہے۔

بعض لڑکے نہایت گندے طریقے سے اپنی سلیٹوں کو دھوتے ہیں۔ ہمیشہ تر اسپنج سے صاف کرنا چاہیئے۔ اور اگر اس کے علاوہ دوسری چیزوں سے صاف کیا جائے گا۔ تو بہت جلد چکنی ہو جائے گی اور بعض وقت اس سے بدبو پیدا ہو جاتی ہے۔ گندی سلیٹ استعمال کرنے سے اکثر لڑکے بیمار بھی پڑ جاتے ہیں۔

(از عبداللطیف اعظمی متعلم ندوہ لکھنو)

شرافت

ایک کسان ایک گاؤں میں رہ کر اپنی روزی بڑی مشکل سے کماتا تھا۔ ایک دن خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک ریچھ اس کی جھونپڑی میں گھس آیا۔ پہلے تو کسان ڈرا کہ کہیں مجھے مار نہ ڈالے۔ مگر کسان کا خیال غلط نکلا۔ ریچھ کوئی

(ف) اسپنج ایک خاص قسم کے چھوٹے چھوٹے کیڑوں کا گھر ہے۔ یہ سمندر میں رہتے ہیں۔ یہ کیڑے شہد کی مکھی کی طرح گروہ کے گروہ ایک جگہ رہتے ہیں۔ غوطے خور ان کو دریا سے نکال کر لاتے ہیں۔ اسوقت یہ استعمال کرنے لائق نہیں ہوتے لیکن انھیں صاف اور درست کرنے کے بعد استعمال کے قابل بنایا جاتا ہے۔ بعض اسپنج سخت اور کھردرے ہوتے ہیں۔ وہ ہمارے کام کے نہیں ہوتے۔ ۱۲ مارچ نمبر ۲ کے پیام تعلیم میں تم کو اس کے متعلق کافی بتلایا جا چکا ہے +

تکلیف پہنچانے کے بجائے کسان کو اپنا پاؤں اٹھا اٹھا کر دکھانے لگا۔ کسان سمجھ گیا کہ کوئی کانٹا چبھ گیا ہے۔ فوراً اٹھا اور دیکھا کہ ایک سوئی چبھی ہوئی تھی۔ کسان نے سوئی نکال دی اور ریچھ چلا گیا۔

دوسرے دن ریچھ پھر آیا۔ اور کسان کا کرتا پکڑ کر باہر جانے کے لئے اشارہ کرنے لگا۔ جب کسان باہر گیا دیکھا کہ ایک درخت کی بہت بڑی شاخ پڑی تھی۔ پھر ریچھ چلا گیا۔

کسان ہنسا اور سمجھا ریچھ مجھے بھی پتے کھانے والی مخلوق سمجھا ہے۔ اور رات کو میں نے جو اس کے پاؤں میں سے سوئی نکالی تھی، اس کا بدلہ دیا ہے۔

جب صبح کو اٹھا تو کیا دیکھتا ہے کہ اس شاخ کے چاروں طرف شہد لپٹا ہوا تھا۔

از محمد آیت اللہ بیگ۔ جماعت چہارم

کیئے کی سزا

ایک سوداگر کا ایک بدمعاش پر کچھ قرض تھا۔ سوداگر کو روپیہ کی ضرورت ہوئی تو اس نے اس بدمعاش سے اپنا قرض مانگا۔ بدمعاش نے روپیہ دینے سے انکار کیا۔ سوداگر نے رپٹ لکھا دی اور بدمعاش قید خانے میں ڈال دیا گیا۔

کچھ دنوں کے بعد جب قاضی کے سامنے پیش ہونے کا دن آیا تو بدمعاش نے ایک وکیل سے کہا کہ تم میری طرف سے بولو۔ اگر میں چھوٹ گیا تو تمھیں دس روپے دونگا۔ وکیل راضی ہوگیا۔ چنانچہ قاضی کے سامنے پیش ہونے سے پہلے وکیل نے بدمعاش سے کہا۔ کہ قاضی تم سے جو کچھ بھی پوچھے تو تم جواب میں کہنا "میں میں میں" بدمعاش نے کہا۔ بہت اچھا۔ الغرض سوداگر، بدمعاش اور وکیل تینوں قاضی کے سامنے پیش کئے گئے۔ قاضی نے بدمعاش سے پوچھا۔ تم پر اس سوداگر کا کچھ قرض ہے؟" بدمعاش نے کہا

"میں یں یں" قاضی نے پھر غصے ہو کر پوچھا "تمھیں اس سوداگر نے کچھ روپیہ بطور قرض دیا ہے؟"

بدمعاش نے پھر کہا "میں یں یں"

وکیل نے کہا "اجی صاحب یہ تو دیوانہ ہے۔ اس کو بولنے کا سلیقہ بھی نہیں ہے میرے خیال میں یہ تو ممکن ہی نہیں ہے۔ کہ اس ہوشیار سوداگر نے اتنی بے وقوفی سے کام لے کر اس دیوانے کو روپیہ بطور قرض دیا ہو۔

قاضی نے کہا صحیح ہے۔ چنانچہ بدمعاش رہا ہو گیا۔

چھوٹنے کے بعد وکیل نے بدمعاش سے کہا "مجھے اپنی اجرت دیدو"

بدمعاش نے جواب میں کہا "میں یں یں" وکیل نے ہزار بار کوشش کی۔ مگر بدمعاش سوائے "میں یں یں" کے اور کچھ کہتا ہی نہیں تھا۔ چنانچہ وکیل کو خالی ہاتھ جانا پڑا اور اپنے کئے کی سزا پائی +

(از احسان اللہ خاں بی اے جامعہ)

دادی کا دل

دولن دین کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کرے۔ ایک طرف بوڑھی ماں، دوسری طرف بچہ۔ ماں غضبناک ہے۔ بچہ مریض ہے اور دونوں کی جانیں ایک دوسرے سے جڑی ہوئی (وابستہ)۔ ماں کی بات مانتا ہے تو بچہ کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔ اور علاج کرتا ہے تو ماں غصہ سے اپنی جان تک دے دینے کا ارادہ کئے بیٹھی ہے۔ مارے پریشانی اور خوف کے بے چارے کا خون خشک ہوا جا رہا تھا۔ اور سر چکی کی طرح گھوم رہا تھا۔ وہ اس پریشانی میں تھا کہ کیا فیصلہ کرے۔ اس نے کن انکھیوں سے بیوی کی طرف دیکھا کہ وہ کیا مشورہ دیتی ہے، مگر وہ بھی اپنی جگہ بت بنی کھڑی تھی۔ اور آنکھوں سے شبنم (اوس) کے قطروں کی طرح آنسو ٹپک رہے تھے۔ اس کو بھی اپنے بچہ کی محبت ہے۔ دیا اس کے جگر کا ٹکڑا ہے۔ مگر کیا کرے دادی درمیان میں اڑی ہوئی

ہے۔ کچھ کرنے نہیں دیتی۔ غرض میاں بیوی
دونوں نہایت پریشان اور بے چین ہیں۔

بوڑھی دادی نے کسی کے غصے کا خیال
کیا، نہ کسی کی پریشانی کا۔ وہ خود ہی بچے کی
تیمارداری کرنے لگی۔ اس نے سب سے
پہلا کام یہ کیا کہ کمرے کے دروازے
اور کھڑکیاں خوب اچھی طرح بند کرلیں۔
اسی پر بس نہیں کیا بلکہ کواڑوں میں جو سوراخ
تھے ان میں کپڑا ٹھونس دیا۔ تاکہ تازہ ہوا کا
کہیں سے گذر نہ ہو۔ اور بچہ کو اس ہوا سے
تکلیف نہ پہنچے۔ بچہ کو ایک نرم بستر پر لٹا دیا
اور کئی کئی لحاف اوڑھا دیئے اور خود اس کے
پاس بیٹھی رہی۔

مریض کو کھانسی بھی تھی۔ دادی کا خیال
تھا کہ بچہ کا گلا اور پھیپھڑے ٹھیک کام نہیں
کر رہے ہیں۔ اس لئے وہ کھجور کی گٹھلیاں
اور اخروٹ کے چھلکے مریض کی چارپائی کے
پاس جلانے لگی۔ کیونکہ اس نے سنا تھا
کہ ان کی خوشبو سے گلا اور پھیپھڑے صاف
ہوجاتے ہیں۔ اور کھانسی بالکل کافور ہوجاتی ہے۔
ان گٹھلیوں اور چھلکوں کے جلانے سے
تمام کمرے میں دھواں بھر گیا۔ دادی کا سانس
گھٹنے لگا اور آنکھوں میں آنسو آگئے۔ مگر
دادی نے اس کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ اگر
اس سے دیار کی کھانسی دور ہوجائے تو یہ
تکلیف ہی اس کے لئے آرام ہے۔

ڈاکٹر دولن وین اور اس کی بیوی دونوں
یہ زہریلا دھواں دیکھ کر چپ نہ رہ سکے۔
مجبور ہوکر دیار کی دادی سے شکایت کی۔
آپ خواہ مخواہ تکلیف کر رہی ہیں۔ اس سے
بچہ کی کھانسی دور نہیں ہوگی۔ بلکہ اور بڑھے
گی۔ آپ کھڑکیاں اور کواڑ کھول دیجئے تاکہ
تازہ ہوا اندر آئے اور زہریلی ہوا کمرہ سے
نکلے۔ دادی کو بھلا ان باتوں کی کہاں تاب
تھی، جھلاکر کہنے لگیں تم غلط کہتے ہو۔ یہ علاج ہم
برسوں سے آزماتے ہیں۔ ہمیشہ فائدہ دیتا ہے۔
دھوئیں کے اثر سے خراب مواد باہر نکل آئیگا
میں پوچھتی ہوں آخر تمھیں کیوں اس قدر فکر ہے
اپنے پوتے کی جان کی میں ذمہ دار ہوں۔ میں
اس سے محبت کرتی ہوں اور اس کی جان اپنی
جان سمجھتی ہوں"۔ (باقی باقی)

از جناب بدرالدین صاحب حسینی بی اے جامعہ

طابع و ناشر ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم اے - پی ایچ ڈی -
مطبوعہ جامعہ برقی پریس دہلی

پیامِ تعلیم دہلی

جلد ۱۴ نمبر ۱۱ | جامعہ ملیہ اسلامیہ کا پندرہ روزہ تعلیمی رسالہ | ۷ جون سنہ ۳۳ع

فہرست مضامین

Jamia Press.

ایڈیٹر:— سعید انصاری

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۹۶۱ چندہ سالانہ دو روپیہ ۸ آنہ

بچوں کا قاعدہ

بچوں کو اردو کا قاعدہ پڑھاتے وقت مندرجہ ذیل دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے -

۱۔ کام کس طرح شروع کریں کہ بچہ ابتدائی کام ماحول سے مطابق دیکھے -

۲۔ حروف علت کا استعمال -

۳۔ ہم آواز حروف کی مشکلات -

۴۔ کام کو آخر تک دلچسپ رکھنا

جناب مولوی عبدالغفار صاحب نگراں تعلیمی مرکز نمبر ۱ آج چھ سال سے صرف اول جماعت کے بچوں کو اردو پڑھا رہے ہیں، اور بچوں کی تعلیم میں مہارت تامہ رکھتے ہیں، موصوف نے مندرجہ بالا دشواریوں کو سامنے رکھتے ہوئے **بچوں کا قاعدہ** لکھا ہے، یہ قاعدہ جامعہ ملیہ میں دو سال کے تجربے کے بعد اب شائع ہوا ہے -

رہنمائے قاعدہ

بچوں کا قاعدہ پڑھانے میں جس ترتیب سے کام لیا گیا ہے، وہ اس میں درج ہے، ایک معلم جسے بچوں کی تعلیم سے دلچسپی ہو **رہنمائے قاعدہ** کا مطالعہ اسے بہت مفید ہوگا

قیمت - ۳ر

ورزش

لڑکو کرتے ہیں اب ہم ایک نصیحت تم کو
قوتیں جسم کی برباد نہ ہوں پڑھنے میں
اپنی صحت کا بھی ہر دم تمھیں لازم ہے خیال
آؤ میدان میں ڈنڑ پیلو، ہلاؤ مگدر
تم لگاتار جو کرتے رہو ورزش ہر روز
پوری ہوتی نہیں تعلیم جو کمزوری ہو
موٹا تازہ یہی ورزش تو بنائے گی تمھیں!

علم کے ساتھ ہے ورزش کی ضرورت تم کو
فائدہ کچھ بھی نہیں دے گی یہ محنت تم کو
فائدہ ہوگا تو صحت کی بدولت تم کو
سختیاں جھیلو، اگر چاہئے صحت تم کو
نہ ستائے گی کبھی کوئی بھی علت تم کو
چاہئے اس لئے ورزش سے بھی رغبت تم کو
اور بخشے گی یہی قوت و طاقت تم کو

زور کیوں بازوؤں میں تم نہیں پیدا کرتے
چاہئے مشرقی اگر ہمت و جرأت تم کو

از محمد عبد اللہ مشرقی۔

عجائب خانۂ سمندر

کروڑوں کی تعداد میں انڈے دینے والی مچھلیاں

سمندر میں مچھلیوں کی جتنی قسمیں پائی جاتی ہیں ان کی پوری تفصیل تو دنیا کو اب تک معلوم بھی نہیں ہے۔ مگر پھر بھی جو کچھ معلوم ہو سکا وہ اتنا ہے کہ اگر پوری طرح پڑھنا اور سمجھنا چاہو تو تمھاری عمر کے کم سے کم پانچ چھ سال اسی میں صرف ہو جائیں گے۔ یہاں ہم چند مخصوص مچھلیوں کا حال بیان کرتے ہیں۔ اور اس سے تمھیں اندازہ ہو جائیگا کہ قدرت نے ان جانوروں کی بناوٹ میں ان تین چیزوں کا کہاں تک خیال رکھا ہے جن پر ان کی زندگی کا دارومدار ہے۔ یعنی (۱) اپنے کو بچانا، (۲) اپنی نسل کا قائم رکھنا (۳) دوسروں کا شکار کرنا۔ نسل قائم رکھنے کی تو یہ کیفیت ہے کہ ان جانوروں میں ایک ایک کی اولاد لاکھوں تک پہنچتی ہے۔ اگر یہ مچھلیاں بڑی تعداد میں ہلاک نہ کر دی جائیں تو دریا میں ان کے رہنے کے لئے جگہ بھی نہ رہے۔ ہیرنگ ایک مچھلی ہوتی ہے جو عمر بھر
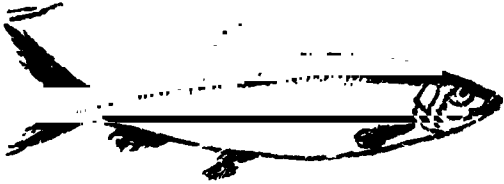
میں پچیس ہزار انڈے دیتی ہے۔ لمب فش ایک دوسری قسم ہے جو ایک لاکھ پچپن ہزار

انڈے دیتی ہے۔ ہیلی بٹ پینتیس لاکھ اور
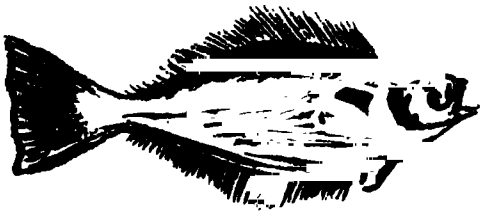
کاڈ فش نوے لاکھ انڈے دیتی ہے۔ اور

لنگ کے انڈوں کی تعداد کو سن کر تو تم حیران
ہی ہو جاؤ گے۔ وہ زندگی بھر میں پندرہ کروڑ
انڈے دیتی ہے۔ اگر ان سب انڈوں کو
مچھلیاں نکلا کریں اور کوئی ان کو کھایا نہ کرے
تو سمندر ان سے چند ہی دنوں میں اٹ جائے
اپنی جان کی حفاظت کے لئے قدرت نے
جن کے جسم کو زبردست ہڈیوں سے، ڈھانچوں
کانٹوں اور دانتوں سے مضبوط نہیں کیا۔
انھیں دشمن سے بچنے کے لئے عجیب عجیب
تدبیریں سکھلادیں۔

پلیس مچھلی :- پلیس فش Place fish
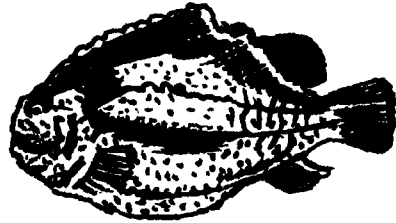
بے چاری نہ تیز تیر سکتی ہے کہ بھاگ کر جان بچا
سکے۔ نہ اس کے جسم میں کوئی ایسی چیز دی گئی
ہے کہ لڑنے کے وقت دوسرے پر حملہ کر سکے
پھر بچنے کی کیا تدبیر۔ اس کا انتظام قدرت سے
یہ ہوا کہ اس کے جسم کے اوپر کا حصہ بالکل اس
پتھر یا ریت کا سا کر دیا گیا جہاں کہ یہ رہتی ہو۔
یہ مچھلی دشمن کو جب کبھی قریب آتا دیکھتی ہے تو
ریتی یا پتھر پر خاموش پڑ جاتی ہے۔ اور بالکل
پہچانی نہیں جاتی۔ تم نے تتلیوں کو دیکھا ہے
پھولوں اور پتوں کے رنگوں سے وہ اتنی
ملتی جلتی ہیں کہ جب وہ کسی درخت یا پودے
پر بیٹھتی ہیں تو پہچانی نہیں جا سکتیں۔ پلیس
فش کی بالکل یہی کیفیت ہے، اسے فلیٹ فش
بھی کہتے ہیں۔ یعنی چپٹی مچھلی، یہ دوسری
مچھلیوں کی طرح تیرتی نہیں ہے۔ بلکہ پانی
میں اس طرح تیرتی ہے جیسے پتہ سطح آب پر
بہتا ہے، یہ نہایت پتلی اور بہت چوڑی مچھلی
ہوتی ہے۔ دور سے دیکھیں تو ایسا معلوم ہوتا
ہے کہ کسی نے کاغذ کی مچھلی کتر کے پانی میں
ڈال دی ہے۔ اس کے جسم کے ریتی یا پتھر
سے ہم رنگ ہونے کا نتیجہ یہ ہے کہ بڑے جانوروں
کا بہت کم شکار ہوتی ہے۔ البتہ اس کے
انڈے لاکھوں کی تعداد میں دوسرے جانور
کھا لیتے ہیں۔ انڈے میں سے جب یہ
مچھلی پہلے پہل نکلتی ہے تو معمولی مچھلیوں
کی سی ہوتی ہے۔ اور انھیں کے مانند پانی
میں پیٹ کے بل تیرتی ہے۔ اس کے سر کے

دونوں طرف دو آنکھیں ہوتی ہیں، انڈے
سے باہر آتے ہی دوسری مچھلیوں کے بچوں
کی طرح سطح سمندر کے قریب تیرتی نہیں رہتی
بلکہ فوراً تہ میں بیٹھ جاتی ہے اور وہاں اس
کے جسم میں عجیب و غریب تبدیلیاں پیدا ہونے
لگتی ہیں۔ اس کا جسم آہستہ آہستہ چلا اور چپٹا
ہونے لگتا ہے، اور پیٹ کے بل تیرنے کی
بجائے کروٹ، یعنی ایک بازو اوپر کرکے تیرنا
شروع کرتی ہے۔ جسم کے اوپری حصہ پر آس
پاس کے پتھر یا ریت کا سا رنگ پیدا ہوجاتا
ہے۔ نچلی آنکھ غائب ہوجاتی اور اوپر کی آنکھ
سے ملی ہوئی ایک اور آنکھ پیدا ہوجاتی ہے
دشمنوں سے محفوظ رہنے کے علاوہ زمین کے
ہمرنگ ہوجانے میں دوسرا فائدہ یہ ہے کہ
اور مچھلیاں بےخبری میں تیرتی ہوئی اس تک
پہنچ جاتی ہیں اور یہ آسانی سے ان کا شکار کر
لیتی ہے +

از جناب سید محمد عسکری صاحب

جنگل کا شیخ چلی

[بھیڑیا کھڑا ہو کر انگڑائی لیتا ہے۔ منہ کھول
کر دانت باہر نکالتا ہے اور جھاڑی میں سے
چھلانگ مار کر شکاری کے سامنے جاکر ڈٹ جاتا
ہے۔ شکاری اس اچانک حملہ سے گھبرا جاتا ہے
مگر اپنے حواس ٹھیک کرکے چھرے کو نکال لیتا
ہے۔]

بھیڑیا (اپنی زبان میں) آ مجھ سے لڑ!
دیکھیں اس جنگل کی بادشاہت کا تو حقدار ہے یا
ہم۔

[شکاری پر حملہ کرتا ہے۔ شکاری اس کے وار کو
خالی دیکر ایک طرف کو ہٹ جاتا ہے اور چھرے کی ایک
ضرب سے بھیڑیے کے اگلے پیر کو کاٹ ڈالتا ہے]

بھیڑیا۔ آہ رے مار ڈالا۔ نہیں بھائی بادشاہت
مجھے نہیں چاہیئے [بھاگتا ہے]

شکاری (خود سے) ارے جاتا کہاں ہے کمبخت
رہ تو جا۔ تجھے چھپ کر حملہ کرنے کا مزہ بتاتا ہوں۔
افسوس ہے میرے پاس گولی کارتوس
نہیں ہے۔ مگر خیر چھروں ہی سے کام چل جائیگا

[بندوق میں کارتوس بھرتا ہے۔ بھاگتے ہوئے بھیڑئیے پر نشانہ لیتا ہے اور گھوڑا دبا دیتا ہے]۔ وہ مارا۔ (ہنستا ہے)

بھیڑیا۔ (بھاگتے ہوئے) ارے جل گیا، جل گیا [چیخ مارتا ہے] ارے میرے باپ۔

سین تیسرا

[پہلے سین کا مقام۔ جھیل کے کنارے لومڑی کھڑی ہوئی کنوتیاں بدل بدل کر چاروں طرف دیکھ رہی ہے۔ سامنے سے بھیڑیا بدحواس ہو کر تین ٹانگوں پر اچکتا ہوا چلا آ رہا ہے۔ سارے جسم سے خون کے قطرے بہہ رہے ہیں۔]

لومڑی (جھک کر آداب بجا لاتی ہے) تشریف لائے سرکار والا تبار۔ حضور پرنور سلطان بھیڑئیے شاہ صاحب بہادر۔ مبارک ہو آپ کو اس جنگل کی بادشاہت۔ واہ، واہ ماشاء اللہ کہیں آپ کے دانتوں اور پنجوں کو نظر بد نہ لگے۔ کس زور شور سے آپ نے اس انسان کا کچومر نکالا ہے۔ میں دور سے دیکھ رہا تھا۔

بھیڑیا (گرتے ہوئے) آہ آہ۔ کیا کروں۔

لومڑی۔ ارے یہ کیا ہوا، آپ کی ٹانگیں رہ گئیں ساڑھے تین ہی مگر کوئی پرواہ نہیں۔ لڑائی میں جان بھی چلی جاتی تو کوئی حرج نہ تھا۔ کہیئے دربار کب کیجئے گا

بھیڑیا۔ ارے بھائی کیسا دربار اور کیسی بادشاہت یہاں تو جان کے لالے پڑ گئے تھے۔

لومڑی۔ کیوں کیوں! کچھ کہیئے تو۔

بھیڑیا۔ اف۔ انسان واقعی بادشاہت کے قابل ہے۔ اِدھر میں نے اس کی گردن پر حملہ کیا اور اُدھر وہ ایک طرف کو بھاگا۔ میں سمجھا کہ ڈر گیا مگر اس نے اپنی کمر میں سے ایک سفید چمکتی ہوئی ہڈی نکالی اور میری طرف جھپٹا میں بھی بڑھا۔ آہ رے۔ وہ ہڈی ایسی تیز تھی کہ میرا اگلا پیر اس طرح کٹ گیا جس طرح کوئی تنکا ٹوٹ جائے۔ میں درد کے مارے وہاں سے بھاگا۔ مگر وہ وہیں کھڑے کھڑے اتنے زور

سے گرجا کہ میرے کانوں کے پردے پھٹ گئے۔ اس کے ساتھ اس نے آسمان کی بجلی میرے اوپر گرائی کہ سارا جسم جل اٹھا۔ اب بھی سارا بدن چھلنی ہے۔ دہکتے ہوئے انگاروں نے کھال کے اندر سوراخ ڈال دیئے ہیں ہائے کیا کروں!

لومڑی (قہقہہ لگاتے ہوئے) ابے او دیوانے بھیڑیئے کے بچے۔ اب بیٹھ کر اپنی تقدیر کو رو۔ بڑا آیا وہاں سے بادشاہ بننے والا۔

بھیڑیا۔ بھائی صاحب!

لومڑی۔ کیسا بھائی۔ دیکھ میں تیری شکار کی ہوئی بھیڑی کے گوشت پر ہاتھ صاف کرتا ہوں۔ اب تو نے دیکھا کہ اس شکار کا کون حقدار ہے؟

بھیڑیا۔ میرے پیارے دوست کھا جاؤ۔ مزے سے کھاؤ۔ آج مجھے بھوک بھی نہیں ہے۔ اور دوسرے میں اس بھیڑی کو کھانا بھی نہیں چاہتا جس نے مجھے بددعا دی تھی۔

[لومڑی ہنس ہنس کر بھیڑی کا گوشت کھاتی ہے اور بھیڑیا لیٹا ہوا منہ دیکھتا ہے] ڈراپ۔

از سید ابو طاہر داؤد۔ بی ایس سی۔ لک۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی دیانت

اسلام کے مشہور خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز (رضی اللہ عنہ) ایک روز رات کو بیٹھے حکومت کا کچھ کام کر رہے تھے۔ اور چراغ کی روشنی میں رعایا کے متعلق کچھ ضروری کاغذ ملاحظہ فرما رہے تھے۔ اتنے میں آپ کا ایک غلام حاضر ہوا۔ اور کچھ آپ کے اپنے کاموں کے متعلق باتیں کرنے لگا۔ جن کا تعلق حکومت سے نہ تھا۔ حضرت عمر نے فرمایا "پہلے چراغ گل کر دو پھر مجھ سے باتیں کرنا کیونکہ اس چراغ میں جو تیل جل رہا ہے، یہ ہمارے داموں کا نہیں ہے۔ بلکہ مسلمانوں کے بیت المال[۵] کا ہے۔ میرے اپنے کاموں کے وقت اس کا صرف کرنا جائز نہیں۔ بلکہ صرف مسلمانوں ہی کے کاموں میں ہونا چاہیئے" جب غلام باتیں کر کے جانے لگا۔ تو چراغ پھر روشن کر دیا گیا۔ اور حضرت عمر اپنی سلطنت

۵ اسلامی حکومت کا خزانہ

کے کام میں مشغول ہو گئے ۔

اللہ اللہ! یہ تھی اسلامی بادشاہوں کی احتیاط اور دیانت جو رات اور دن بغیر کسی معاوضہ اور اجرت کے مسلمانوں کے کاموں میں لگے رہتے تھے۔ گرو میلے کا تیل بھی اپنے کام میں لانا جائز نہیں سمجھتے تھے۔ واقعی ایمانداری اور امانت اسی کا نام ہے۔ انھیں خوبیوں سے تو اسلام نے اس قدر ترقی کی ہے ۔

مولانا محمد حسین محوی لکھنوی

عرب

عرب کا ملک ایشیا کے پچھم میں ہے بمبئی سے یورپ کو جاتے وقت جہاز جب عدن سے روانہ ہو کر سویز نہر کی طرف جاتا ہے تو داہنی طرف چھوٹی چھوٹی لال لال پہاڑیاں نظر آتی ہیں۔ یہ پہاڑیاں عرب ہی کے ملک میں ہیں۔ ملک عرب ہمارے ملک سے بہت گرم ہے۔ وہاں پانی بہت کم برستا ہے نہ تو رات میں کبھی اوس پڑتی ہے اور نہ آسمان میں بادل دکھائی دیتے ہیں۔ کھیتی بھی یہاں بہت کم ہوتی ہے۔ ریت کے سینکڑوں میل لمبے چوڑے میدان ہیں۔ انھیں ریگستان کہتے ہیں۔ کہیں کہیں چھوٹے موٹے پانی کے جھرنے پائے جاتے ہیں۔ اور انھیں کے آس پاس تھوڑی بہت ہریالی بھی مل جاتی ہے ۔ ایسی ہی جگھوں پر عرب لوگ رہتے ہیں۔ کچھ لوگ خیموں میں بھی رہتے ہیں ان کی کوئی مقرر جگہ قیام کی نہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ گھومتے پھرتے ہیں۔ اور خیموں ہی میں ان کی ساری عمر ختم ہو جاتی ہے۔ ان لوگوں کے خیمے بھی عجیب قسم کے ہوتے ہیں۔ اونٹ کے بالوں کی رسی ہوتی ہے اور کھمبوں کی جگہ کھجور کے تنے لگائے جاتے ہیں۔ بکری۔ گھوڑے۔ ٹٹو اور اونٹ

یہاں کے پالتو جانور ہیں۔ انھیں اہل عرب
پالتے ہیں۔ اونٹ ان کے بڑے کام کا جانور
ہے۔ ریتیلے میدانوں میں جہاں کوئی سواری
کام نہیں دیتی، وہاں اونٹ بڑے مزے
میں کام کرتا ہے۔ اس کے پیر ریت میں نہیں
دھنستے۔ پیٹ میں اُس کے ایک ایسی تھیلی
ہوتی ہے جس میں وہ کئی دن کے پینے کے
لائق پانی بھر لیتا ہے۔ پھر ہفتوں پانی کی اُسے
ضرورت ہی نہیں رہتی۔ (باقی باقی)

از جناب بابو چندر شیکھر صاحب آرسکیو

آرزو

مدرسے جب میں جاؤں گا اماں
شام کو پڑھ کے آؤں گا اماں
آپ کو پھر سبق سناؤں گا
لکھ کے پچھلا سبق دکھاؤں گا
جھک کے پھر آپ کو کروں گا سلام
اور پھر لوں گا آپ سے انعام
عصر کی پھر نماز میں پڑھ کر
اور سب دوستوں کو خود لیکر
ساتھ مل کر تمام جائیں گے
کھیل کی ٹیم[1] اک بنائیں گے
فیلڈ[2] میں ایک ساتھ اتریں گے
شام تک خوب خوب کھیلیں گے
وقت مغرب قریب آئے گا۔
کھیل کر گھر ہر ایک جائے گا
سب وضو کر کے گھر سے آئیں گے
اور مسجد میں ساتھ جائیں گے
با جماعت نماز پڑھ لیں گے
ہاتھ پھر دعا[3] اٹھائیں گے
اے زمین آسمان کے مالک
یعنی سارے جہان کے مالک
چاند سورج بنا دیا تو نے
ہم کو اتنا بڑا کیا تو نے
کیسے تارے یہ جگمگاتے ہیں
کھیلنے کے لئے بلاتے ہیں
مجھکو بھی چاند سا بنا دے تو
سارے عالم کو جگمگا دے تو

ابراہیم عمادی

---

[1] جماعت [2] میدان [3] مانگنے کے لئے۔

میرا خواب

میں بجلی کے کھمبے کے سہارے کھڑا تھا جو اس کونے میں گڑا تھا۔ جہاں شہر کی تین سڑکیں آکر ملتی تھیں۔ میں بڑی دلچسپی سے اپنے آس پاس شہر کی رونق کو دیکھ رہا تھا۔ ایک طالب علم کے لئے اس طرح بیکار پھرنا اور کھڑے ہوکر بازاروں کا نظارہ کرنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ اس کے پاس اتنا وقت کہاں۔ مگر میرا باپ مر چکا تھا، اس لئے میں مجبور تھا کہ اسکول چھوڑ دوں اور تمام دن گلیوں اور بازاروں میں گھومتا پھروں اور کام کرکے اپنے کنبے کو پالوں۔ تمام دن پھرنے کے بعد میں تھک کر دم لینے کے لئے لمپ کے کھمبے کے سہارے کھڑا تھا اور بازار میں دو طرفہ دکانوں پر گاہکوں کی چہل پہل دیکھنے میں محو تھا۔ سڑکوں پر گاڑیاں اور موٹریں کثرت سے گزر رہی تھیں جس کی وجہ سے سڑک پر آنا جانا مشکل ہو رہا تھا

میرے سامنے ایک پھل بیچنے والے کی دوکان تھی۔ اس دوکان پر میری نگاہ خاص طور سے پڑ رہی تھی۔ آم۔ کیلے۔ ناشپاتی۔ نارنگیاں اور کئی قسم کے اور پھل نہایت قرینے سے سجے ہوئے تھے۔ اس کے ساتھ کھلونوں کی ایک دوکان تھی، ان کے ساتھ بہت سی اور دوکانیں بھی تھیں جن پر کپڑا اور پہننے کی دوسری چیزیں بکتی تھیں تمام دوکانوں پر خوب بھیڑ بھاڑ تھی۔

ایک امیر پھلوں کی دکان پر جاکر جو چاہے خرید سکتا ہے اور اس سے لطف حاصل کرسکتا ہے۔ لیکن مجھ، جیسا غریب آدمی جس کے پاس ایک پائی تک نہ ہو اور جس کے سر پر گھر کے چار آدمیوں کا بوجھ ہو، بھلا وہ ان پھلوں کو کب خرید سکتا ہے؟ لیکن میں وہاں کھمبے سے لگا کھڑا تھا، اور دنیا کو دیکھ کر بچوں کی طرح مزے لے رہا تھا۔

میری نگاہ اچانک ایک چمڑے کے بٹوے پر پڑی

ہوا ایک مکان کی دیوار کے نیچے پڑا تھا۔ دیوار کے سامنے گندی نالی تھی اور اس پر لکڑی کے تختے کی چھت ڈالی گئی تھی جو نیچے سے کافی اونچی تھی ایک بچہ اس کے نیچے سے گذر کر دوسری طرف دیوار کے پاس پہنچ سکتا تھا۔ میں بھیس کو چھوڑ نالی کی طرف روانہ ہوا۔ اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ کہ شاید کوئی دیکھتا نہ ہو جب مجھے کوئی آدمی اس طرف آتا دکھائی نہ دیا تو فوراً تختوں کے نیچے سے بٹوا اٹھا لایا اور اسے اپنے پھٹے پرانے کوٹ کی جیب میں چھپالیا پاس ہی ایک چھوٹی سی گلی تھی اس میں داخل ہوا ایک بار پھر ادھر ادھر دیکھ کر میں نے اطمینان کرلیا کہ مجھے کوئی دیکھ نہیں رہا۔ میں نے بٹوا کھولا۔ اس میں تین روپے نقد تھے اور چند چھپے ہوئے کاغذ جو شاید کسی بنک کے متعلق تھے۔ یہ رقم ہمارے تین چار دن کے گذارے کے لئے کافی تھی لیکن اسکول میں ہمیں پڑھایا جاتا تھا کہ جب تمہیں کوئی چیز گری ہوئی ملے تو تم سب سے پہلے اس کے مالک کی تلاش کرو۔ اگر وہ نہ مل سکے تو پھر اسے غریبوں میں تقسیم کردو۔ میرے دل پر اس سبق کا بڑا اثر تھا۔ اس لئے میں نے اس کے مالک کو ڈھونڈنے کا ارادہ کرلیا۔ جس دکان کے پاس یہ بٹوا پڑا تھا۔ وہ دکاندار اس کا مالک نہیں ہوسکتا۔ یہ کسی گاہک کا مال تھا جو وہاں کچھ چیز خریدنے آیا ہوگا اور یہ اس کی جیب سے گر گیا ہوگا اس لئے میں نے بٹوے کو دوکاندار کے حوالے کرنا مناسب نہ سمجھا

میں نے دوبارہ بٹوے کو کھول کر اس میں جو کاغذات تھے۔ ان کو دیکھا مجھے ایک خط ملا جو بٹوے کے مالک کے نام تھا اس سے مجھ کو اس کا پورا پتہ مل گیا۔ (باقی)

از جناب شیر محمد اختر گجراتی۔

بندروں کی بیوقوفی

ایک کھجوروں کے باغ میں بہت سے بندر رہتے تھے اور کسی کسی کھجور میں بیوں نے بھی اپنا گھونسلا لٹکا رکھا تھا۔ جاڑوں میں ایک دن بڑے زور کی جھڑی لگی اور ٹھنڈی ہوا سائیں سائیں چلنے لگی ایسی ٹھنڈ ہوئی کہ دانت سے دانت بجنے لگے بندروں نے دن تو سکڑتے سکڑاتے گزار دیا۔ رات کی ٹھنڈ برداشت نہ ہوسکی۔ غول کا غول ایک دوسرے سے چپٹا ہوا پڑا تھا۔ اتنے میں ایک پٹ بیجا جسے جگنو بھی کہتے ہیں اڑتا ہوا نظر آیا۔ بندر سمجھے کہ آگ کی چنگاری ہے جگنو نیچے اتر کر

بیٹھا ہی چاہتا تھا کہ ایک بندر نے آدبوچا۔ کچھ بندروں نے گھاس پھوس اکٹھا کر لیا اور اس ادھ موئے جگنو کو اس کوڑے میں رکھ کر پھونکیں مارنے لگے کہ آگ جلے تو سینکیں ایک بیا یہ تماشہ دیکھ رہا تھا۔ اس کی جو شامت آئی تو ان بندروں کو جا کر سمجھانے لگا کہ جس کو تم آگ کی چنگاری سمجھے ہوئے ہو یہ آگ کا تنکا نہیں یہ تو ایک چھوٹا سا چمکدار کیڑا ہے دیکھو میں نے اپنے گھونسلے میں اسی کی روشنی کر رکھی ہے اگر یہ آگ ہوتی تو میرے پھوس کا گھونسلا کبھی کا جل جلا کر راکھ ہو گیا ہوتا۔ اور تم تو اتنے بیوقوف ہو کہ بھیگے ہوئے کوڑے میں جگنو رکھ کر پھونکیں مار رہے ہو اگر آگ کی چنگاری بھی ہوتی تو بھی اس میں آگ نہ لگتی۔

بندر اپنا مطلب پورا نہ ہونے سے کھسیانے تو ہو ہی رہے تھے۔ ایک نے لپک کر جگنو کو پکڑا اور اس کے پر نوچ کھسوٹ کر پھینک دئے۔

جواد

صرف بمبئی تک

پچھلے دسمبر کے آخری ہفتہ میں ہم بمبئی کی سیر کو گئے تھے اور اب چاہتے ہیں کہ اپنے اس مختصر سفر کا حال پیام بھائیوں کے سامنے پیش کریں۔ ریل کے سفر سے جو تجربے ہوتے ہیں ان سے تو قریب قریب اب سبھی واقف ہو گئے ہیں ہم نے اکثر سنا تھا کہ ریل پر بڑی دلچسپی کے سامان ہوتے ہیں مختلف قسم کے مسافروں سے سابقہ پڑتا ہے اگر ان سے پہلے کی جان پہچان نہ بھی ہو تو وقت کے وقت دوستی اور ملاقات ہو جاتی ہے۔ کیوں کہ سب تو ایک ہی کمرے میں ہوتے ہیں اگر چپکے بیٹھے رہیں تو وقت کیسے کٹے اگر کوئی پرانا ملاقاتی مل جائے تو پھر کیا پوچھنا اس سے بڑھ کر رفیق ایسے وقت میں کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔

میرا یہ پہلا سفر تھا اس سے پہلے کبھی ریل پر کہیں جانے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ ہاں سفر کے اکثر قصے سنے اور پڑھے تھے۔ میں نے لوگوں سے یہ بھی سنا تھا کہ پہلی مرتبہ ریل میں بیٹھنے والے کو چکر آتا ہے مگر مجھے تو کچھ معلوم نہیں ہوا۔ ہمیں کسی چیز کی تکلیف نہیں تھی بے حد آرام سے سفر کر رہے تھے۔

کوئی پانچ بجے ہم گاڑی میں سوار ہوئے اور چھ بجے تک سورج کی روشنی میں جنگل کی سیر کرتے رہے اس کے بعد اندھیرے نے ڈیرا جمانا شروع کیا لیکن

تھوڑی ہی دیر بعد چاند نے اپنا پیارا مکھڑا دکھایا
اور ہلکی ہلکی روشنی تمام میں پھیل گئی۔ ہم نے اس خوش
گوار چاندنی کا خوب لطف اٹھایا اتنے میں گاڑی رکی
اور معلوم ہوا کہ وقار آباد کا اسٹیشن آگیا ہمیں افسوس
ہوا کہ اتنی دیر کے لئے ہم اس لطف سے محروم کردئے
گئے۔ آخر آدھ گھنٹے بعد گاڑی روانہ ہوئی اب ہمیں
اور بھی خوشی ہوئی کیونکہ ہمیں معلوم ہوگیا تھا کہ رات
کے ساڑھے دس بجے گاڑی واڑی کے اسٹیشن پر
ٹھیرے گی اور وہیں کھانا کھانا ہوگا گویا پورے دو
گھنٹے ہمارے لئے خالی تھے ہم نے اس عرصہ میں خوب
جی بھر کے سیر تماشے کے مزے لئے دودھ کی ایسی چاندنی
اور سنسان جنگل سوائے ریل کی سیٹی اور گاڑی کی
چھکا چھک کے کسی قسم کا شور وغل نہیں تھا ایک
طرف آسمان سے باتیں کرنے والے پہاڑ دوسری طرف
ہزاروں کیا لاکھوں فٹ گہرے کھڈ اور غار گویا ریل
پہاڑ کے ایسے دامن سے گذر رہی تھی جس کی دوسری
طرف زمین ہی نہیں تھی بعض وقت لمبے چوڑے میدان
خوب صورت اور خوش نما باغ سرسبز کھیت کچھ غریبانہ
گھر کچھ جھونپڑیاں کبھی گھاس کے ڈھیر یا گھاس سے
بھرپور میدان کبھی خشک اور کبھی سرسبز بعض وقت
خوش نما کیاریاں۔ کبھی ایسے مقامات سے گذرتے

جہاں چند جھونپڑیوں کی روشنی سے یہ ظاہر ہوتا تھا
کہ لوگ کچھ کھا پی رہے ہیں برخلاف اس کے ایسے
میدان بھی دکھائی دئے جہاں دن کے وقت بھی
پرندہ پر نہیں مارتا ہوگا کبھی کبھی ایسا معلوم ہوتا تھا
کہ یہ میدان نہیں بڑے بڑے دریا ہیں کیوں کہ چاندنی
نے ان کا رنگ بدل دیا تھا یقین کیجئے یہ دو گھنٹے چٹکی
بجاتے میں ختم ہوگئے ہم اس سیر تماشہ میں ایسے غرق
ہوئے کہ وقت کا پتہ ہی نہیں چلا۔ اب گاڑی واڑی
اسٹیشن پر رکی بھوک زوروں کی لگی تھی اس لئے کھانا
کھا لیا گیا یہاں سے گاڑی ایک گھنٹہ کے سخت انتظار
کے بعد روانہ ہوئی مگر اب طبیعت میں کچھ تبدیلی معلوم
ہو رہی تھی یعنی نیند نے اپنا اثر دکھانا شروع کردیا
تھا لیکن ہم نے اپنی طبیعت پر زور دیا اور کچھ دیر کے
لئے کامیاب بھی ہوئے لیکن کب تک؟ آخر یہی مناسب
معلوم ہوا کہ آرام کیا جائے لیکن طبیعت بے چین ضرور
تھی اور جی چاہتا تھا کہ کچھ دیر اور سیر کا لطف اٹھاتے
اس حیص بیص میں ایک اسٹیشن پر گاڑی رکی ہم پھر
اٹھ کر بیٹھ گئے اور ارادہ کرلیا کہ اب نہیں سوئیں گے
مگر جناب جونہی ریل نے فراٹے بھرنے شروع کئے اور
ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا لگی کہ نیند اماں نے ہمیں پھر آ
دبوچا جھونکوں پر جھونکے آنے لگے غنیمت ہوا کہ اس

طرح اونگھتے ہوئے کسی نے ہمیں دیکھا نہیں ورنہ بڑی
خفت اور شرمندگی اٹھانا پڑتی مجبور ہو کر بستر پر لیٹ گئے
اور تھوڑی دیر میں بے خبر ہو گئے۔ صبح چھ بجے گاڑی
پونا کے اسٹیشن پر رکی تو ہم اٹھائے گئے
ابھی سورج نہیں نکلا تھا اس وقت اسٹیشن پر لوگوں
کی چہل پہل سے خاص لطف آ رہا تھا ہم نے بھی اس
چہل پہل میں حصہ لیا اور تھوڑی دیر ٹہل کر اپنے ڈبے
میں آ گئے اور گاڑی پھر روانہ ہوئی، اب صبح کا
سہانا وقت ہے اور وہی جنگل کی سیر کچھ عجیب سماں
تھا اس لطف کا اندازہ کچھ وہی بیان کر سکتے ہیں
جنھوں نے کچھ دم ریل میں سفر کیا ہو۔ مگر اب جیسے
جیسے دھوپ تیز ہوتی جاتی تھی اس منظر کی دلچسپی
میں بھی کمی ہو رہی تھی اور سچ پوچھئے تو اب ہمیں
بمبئی کی سیر کی لگی تھی اس جنگل میں کیا دل لگتا۔
آٹھ بجتے بجتے ہم بمبئی کی سرحد میں داخل ہو گئے
ہر ایک اسٹیشن اب معلوم ہوتا تھا کہ ہمیں خوش آمدید
کہہ رہا ہے آخر دس بجے گاڑی بمبئی پہنچ گئی اور
یہ دلچسپ سفر ختم ہو گیا۔
بمبئی میں ہم نے کیا کیا دیکھا وہ ہم پیام تعلیم
کو پھر کبھی بتائیں گے۔

محمد بشیر الدین

لطیفے

ایک بخیل اتفاقاً کشتی سے نیچے گر پڑا اور ڈوبنے
لگا جب ملاح نے بچانا چاہا تو بخیل نے چلا کر کہا بھئی
ٹھیرو مجھ کو بچانے کا معاوضہ تو زیادہ نہیں مانگو گے"

مجسٹریٹ۔ (مویشی خانہ کے منشی سے) تم کون ہو؟
منشی۔ (گھبراہٹ سے) حضور منشی خانہ کا مویشی

ایک جلاہا دوسرے سے۔ کیوں بھئی تمہارا لڑکا کچھ
انگریزی بھی پڑھتا ہے؟
دوسرا جلاہا۔ کیوں نہیں صاحب نشانیاں بھی
اچھی ہیں۔
پہلا جلاہا۔ کیا نشانیاں ہیں؟
دوسرا جلاہا۔ جناب کھڑے ہو کر پیشاب کرتا ہے
اور بات بات پر دم پھول (ڈیم فول) دم پھول
کہتا ہے۔

امتیاز حسین فائز بنارسی

دو دو باتیں

کسی پچھلے پرچہ میں ہم اپنے لائق مضمون نگار جناب سید مسعود علی صاحب میرٹھی کے نانا جناب محمد عبدالحمید خاں صاحب انسپکٹر پولیس و رئیس میرٹھ کی بیماری کی خبر دے چکے ہیں اب ہمیں جناب مسعود صاحب کے ایک خط سے یہ معلوم کرکے افسوس ہوا کہ ۵ر اپریل کو ان کا انتقال ہوگیا۔ مرحوم بڑی خوبیوں کے بزرگ تھے ہمیشہ سادہ وضع میں رہتے تھے۔ غریبوں کی خدمت اور ضرورت مندوں کی مدد ان کا دن رات کا شغل تھا۔

ہمیں اس صدمہ میں جناب مسعود صاحب اور دوسرے عزیزوں سے دلی ہمدردی ہے اور سب پیام بھائیوں سے درخواست ہے کہ مرحوم کی مغفرت کے لئے دعا کریں۔

۷ر اپریل کے معمے کے کل نو حل ہمارے پاس پہنچے ہیں ان میں سے کل چھ حضرات یعنی (۱) صاحبزادہ ممتاز رضا خاں صاحب علی گڑھ (۲) محمد صادق علی قریشی حیدر آباد (۳) محمد محمود مستونگ (بلوچستان) (۴) سلطان الزماں زبیری مارہرہ (۵) محمد یونس کلکتہ (۶) محسن علی خاں ثروت (میرٹھ) کے حل صحیح ہیں۔ قرعہ اندازی میں محمد محمود درجہ ششم مستونگ کا نام نکلا ہے اس لئے ایک اچھی کتاب 'اچھی باتیں' ہم ان کے پاس بھیجتے ہیں۔

حل: معمے کا حل یہ ہے کہ وہ "انسان" اس لڑکے کی ماں تھی۔

دادی کا دل

دادی نے کھجور کی گٹھلیاں اور اخروٹ کے چھلکے ایک مٹھی اور بھر کر انگیٹھی میں ڈال دئے۔ دھواں بھی بڑی تیزی سے انگیٹھی میں سے اٹھ کر کمرے میں پھیلنے لگا۔ پہلے ہی کیا کم تھا۔ اب تو اس کی وجہ سے کمرہ میں اندھیرا چھا گیا کوئی چیز صاف نہیں دکھائی دیتی تھی۔ دادی کا دم گھٹنے لگا آنکھوں سے بے اختیار آنسو ٹپکنے لگے۔ دیار کی کھانسی بھی بڑھ گئی۔ گلا بھی صاف نہیں ہوا بلکہ اور تکلیف زیادہ ہوگئی اب معلوم ہوتا تھا کہ گلے میں کوئی چیز اٹکی ہوئی ہے۔

حکیم کو پتس جب گھر میں آئے تو بوڑھی دادی
نے بچہ کو دکھایا اور شروع سے آخر تک سارا
قصہ بیٹے کی مخالفت اور اپنے علاج کا سنایا۔ حکیم
صاحب نے دھوئیں والے علاج اور دادی کی
تیمار داری کو بہت پسند کیا۔ بوڑھی دادی کا دل
ہاتھوں بڑھ گیا اور انھیں یقین ہوگیا کہ ان کا تجربہ
بالکل ٹھیک تھا۔

ڈاکٹر دومن وین اور ان کی بیوی نے جب
دیکھا کہ دادی کو ان کی مدد کی ضرورت نہیں اور
یہ بھی اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ دونوں حکیم کے سامنے
ماں کی گالیاں سنیں تو اپنے دفتر میں چلے
آئے۔ صرف کبھی کبھی جا کر دیکھ آتے ہیں اس
کے علاوہ وہ کر بھی کیا سکتے ہیں۔ کیوں کہ انھیں
کسی بات میں بھی دخل دینے کی بالکل اجازت نہیں
ہے۔ وہ دیار کا زرد چہرہ اور بری حالت دیکھ کر
دل ہی دل میں کڑھتے ہیں ان کے دماغ میں
مختلف خیال چکر لگا رہے ہیں اور ان کے دل
کی بے چینی برابر بڑھ رہی ہے ان کا دل ملامت
کر رہا ہے کہ کیوں ہم نے ڈاکٹری سیکھ لی اگر ہم
آج ڈاکٹر نہ ہوتے تو کاہے کو اتنی بے چینی ہوتی
اور کیوں حکیم صاحب پر اس قدر بے اعتمادی
کرتے۔ ہم ڈاکٹر ہیں دوسروں کا علاج کرتے ہیں مگر
اپنے بچے کے لئے بالکل بے کار ثابت ہوئے دیار
ہمارے جگر کا ٹکڑا ہے۔ مگر ہمارے بس میں نہیں۔

پیام بھائیو! ایک ہی واڑے سے الو اور ینڈک نباہ ہے۔ (احسان اللہ پشاوری بی اے جامعہ)

حافظہ کی کمزوری

خاوند۔ اس قدر سردی ہے۔ اور تم نے ابھی تک آگ بھی نہیں جلائی۔

بیوی۔ میں کیا کروں۔ کوئلے گھر میں نہیں تھے۔ تم نے ان کے لئے آرڈر دے دیا ہوتا۔

خاوند۔ میرا اس میں کیا قصور ہے تم نے ہی تو کل روک دیا تھا۔

گھر واپس آتے ہوئے راہ میں کوئلے کا ایک چھکڑا دیکھ کر بیوی کا کہنا یاد آ گیا۔

جھٹ ایک دکان پر پہنچے اور ڈیڑھ من کوئلوں کا آرڈر دے دیا۔

کوئلے لے کر گھر پہنچے اور بیوی کو خوشخبری دی کہ کوئلے لے آیا ہوں

بیوی۔ میں تمہارا انتظار کرتے کرتے تھک گئی تھی اس لئے میں نے ایک من کوئلہ منگا لیا۔

خاوند۔ مزدور سے) لو بھائی دیکھ لیا۔
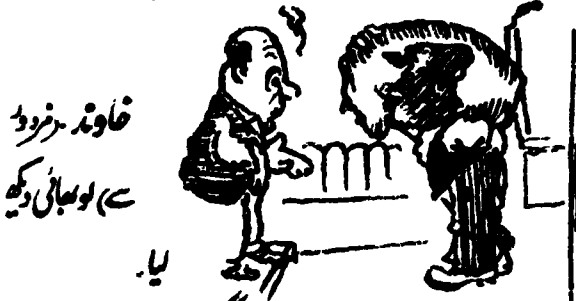
مزدور۔ تو کیا حرج ہے آپ دوسری انگیٹھی میں یہ کوئلے جلا لیجئے۔

بچہ گاڑی

واروک مارکہ شہرۂ آفاق بچہ گاڑیاں

اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپکے بچے تندرست رہیں، تو ان کو ابھی سے ہماری واروک مارکہ گاڑیاں جو کہ آرام دہ ہیں ان میں بٹھاکر صبح شام سیر کرائیے۔ ہمارے ہاں ہر قسم کی ٹرائیسکلیں اور سپورٹ کا سامان اور رہائشی سامان دستیاب ہو سکتا ہے۔

بی ایل رام رچھپال ڈائرکٹ امپورٹرز اینڈ مینوفیکچررز فورٹ روڈ اندرون اُڈین سینما دہلی

واروک مارکہ گاڑیاں کے تھوک فروشاں

بیسٹ وینز اینڈ کمپنی فورٹ دہلی

فہرست مضامین

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۹٦۱
چندہ سالانہ دو روپیہ ۸ آنہ

صبح کی آمد

لگے کانپنے ننھے ننھے ستارے
یہ اب ہونیوالے ہیں غائب بچارے

ادھر چاند بھی مونھ چھپانے لگا ہے
دیا گھر کا اب ٹمٹمانے لگا ہے

اندھیرا زمانے سے ہوتا ہے رخصت
اُجالا دکھانے کو ہے اپنی صورت

وہ سورج[1] نکل آیا۔ لو آسماں پر
اُجالا لگا پھیلنے سب جہاں پر

درختوں پہ چڑیوں کے میٹھے ترانے
بھاتے ہیں کانوں کو یہ خوب گانے

وہ پتوں کا تالی بجانا ہوا سے
لچک ٹہنیوں کا وہ کھانا ہوا سے

کلی باغ میں مسکرانے لگی ہے
بہار اپنی سب کو دکھانے لگی ہے

ہوئے سب کے سب مست خوشبو کے مارے
لگے کھلنے اب پھول سارے کے سارے

ذرا دیکھو سبزہ ذرا دیکھو کیاری
وہ کتنا ہے اچھا۔ وہ کیسی ہے پیاری

تماشا ہے کیا خوب یہ صبح دم کا
ادھر چاند ڈوبا ادھر نیّر[1] چمکا

از محمد عبداللہ شرقی تلمیذ محوی صدیقی لکھنوی

[1] سورج ۱۲

عجائب خانہ سمندر

شیشے کی سی شفاف مچھلی: بعض مچھلیاں ایسی ہیں کہ وہ دشمن سے بچنے کے لیے شیشے کی طرح شفاف ہو جاتی ہیں، یعنی انھیں دیکھنے کے عوض دشمن ان کے آر پار دوسری چیزوں کو اس طرح دیکھنے لگتا ہے جیسے تم شیشے اور کانچ میں سے دوسری طرف کی چیزیں دیکھ سکتے ہو اور اگر یہ شیشہ بہت صاف ہو تو بعض وقت یہ بھی نہیں محسوس کرتے کہ آیا تمہاری آنکھ اور اس دوسری چیز کے درمیان شیشہ حائل ہے یا نہیں۔ بالکل یہی کیفیت اس مچھلی کے جسم کی ہو جاتی ہے۔ ان

مچھلیوں کو ہیرنگ اور ایل کہتے ہیں۔ یہ عموماً یورپ کے دریاؤں یا قطب شمالی اور قطب جنوبی کے قریب کے ٹھنڈے سمندروں میں کروڑوں کی تعداد میں پائی جاتی ہیں۔ انسان اس کے گوشت کو بہت لذیذ سمجھتا ہے اور لاکھوں ہی پکڑ کر کھا جاتا ہے۔ یہ مچھلی سال بھر ٹھنڈے ملکوں کے سمندروں سے گرم ملکوں کے سمندروں کی طرف اس پابندی سے آتی جاتی اور ٹھہرنے کے مقامات پر ایسی بروقت پہنچتی ہے کہ اس کے شکار کرنے والے ماہی گیر اس کا ایسا انتظار کرتے ہیں جیسے تم لوگ ریل کا جیسے جیسے اس مچھلی کو انسانوں کے ہاتھ تکلیف پہنچتی جاتی ہے ویسے ویسے یہ اپنے آنے جانے کے راستے بدلتی جاتی ہے۔ چنانچہ یورپ میں سمندر کے کناروں پر بڑے بڑے شہر ان راستوں میں قائم ہو گئے تھے جہاں سے ہیرنگ ہو کر گزرتی تھی اور شہروں کی دولت کا دارومدار اس کے شکار پر تھا، آہستہ آہستہ اس مچھلی نے ادھر سے آنا جانا چھوڑ دیا اور یہ شہر ویران ہونا شروع ہو گئے۔

میاکیرل یا مچھلیوں کا دریا۔ میاکیرل کے متعلق کہا یہ جاتا ہے کہ دنیا کی تمام مچھلیوں میں اپنے جسم کا لحاظ کرتے ہوئے سب سے تیز تیرنے والی یہی ہے، دیکھنے میں بھی نہایت خوبصورت اور سڈول ہوتی ہے، انسان اس کا گوشت بہت شوق سے کھاتا ہے اور یہ اس کثرت سے دریا میں پائی جاتی ہے کہ سن کر حیرت ہوتی ہے

چنانچہ ایک مرتبہ اس کا شکار کرنے والوں نے سمندر میں پچاس میل لمبا اور ایک میل چوڑا ایک ایسا ٹکڑا دیکھا جس میں اس بہتات سے میاکیرل تیرتے جا رہے تھے کہ ان کے سوا دوسری چیز نظر ہی نہیں آتی تھی۔ اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ مچھلیوں کا ایک دریا موجیں مار رہا ہے۔ اس مچھلی کا شکار کرنے والے شکار کی ہوئی مچھلیوں کو گنتے نہیں بلکہ ان کا وزن کر لیتے ہیں۔

بعض ملکوں کے ماہی گیروں نے ایک ایک سال میں پانچ پانچ لاکھ ٹن مچھلی کا شکار کیا ہے۔ اور اس تجارت میں سالانہ لاکھوں روپیہ کماتے ہیں۔ یورپ اور امریکہ والے اس کا گوشت بہت پسند کرتے ہیں۔

(سید محمد عسکری)

امام سلفیؒ اور مصر کا بادشاہ

امام سلفیؒ ایک بہت بڑے عالم اور فاضل[1] بزرگ تھے ایک دن وہ حدیث شریف کا سبق پڑھا رہے تھے کہ مصر کا بادشاہ اور اس کا بھائی دونوں اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

امام صاحب پڑھانے میں مشغول تھے اس وجہ نہ تو بادشاہ کی تعظیم کے لیے اُٹھے اور نہ اس کی طرف متوجہ ہو سکے۔

بادشاہ ادھر اپنے بھائی سے کچھ باتیں کرنے لگا، لیکن یہ حدیث کے ادب و احترام کے خلاف تھا۔ یہ دیکھکر امام صاحب کو ضبط کی تاب نہ رہی آپ نے اسی وقت بادشاہ کو تنبیہ[1] کی اور فرمایا ہم حدیث شریف اس لیے نہیں پڑھاتے کہ آپ آئیں اور یہاں بیٹھ کر باتیں کریں حدیث نبوی کا کچھ ادب بھی چاہیئے۔

بادشاہ نیک دل اور شریف انسان تھا امام صاحب نے بات بھی بالکل واجبی کہی تھی۔ اُسے ناگوار نہ ہوا بلکہ مان گیا اور فوراً خاموش ہو رہا۔ اور جبتک حدیث شریف کا سبق ختم نہ ہولیا پھر اس نے بات چیت نہیں کی۔

جب امام سلفیؒ اپنا کام کر چکے تو بادشاہ کیطرف متوجہ ہوئے۔ بادشاہ امام صاحب کی اس[2] ایمانی جرأت سے بہت خوش تھا۔

تم نے اس اسلامی بادشاہ کا اخلاق دیکھا۔ جب کوئی آدمی خواہ تم سے دولت اور مرتبہ میں کتنا ہی چھوٹا ہو۔ کوئی معقول بات کہے تو اسے ماننا اور اس پر عمل کرنا چاہیئے۔

(محمد حسین محوی لکھنوی)

---

[1] بزرگ اور اچھے عالم

[1] ڈانٹنا، ڈرانا، دھمکانا۔ [2] وہ ہمت جو ایمان کے لیئے دکھائی جائے۔

عرب
۲

یہاں کھیتی نہیں ہوتی اور اگر کہیں کہیں ہوتی بھی ہے تو بہت کم۔ کھجور یہاں بکثرت ہوتی ہے۔ اور اسی سے عرب کے لوگوں کی گذر بسر ہے۔ کھجور کے پھل تازے بھی کھائے جاتے ہیں اور سکھا کر بھی ان کے پتوں کی چٹائی، ڈلیاں، پنکھے اور کئی طرح کی بہت سی دوسری چیزیں بنتی ہیں۔ کھجور کی شراب بھی بنائی جاتی ہے۔ اور اس کا تنہ خیموں کے تاننے میں کام دیتا ہے۔ عرب کے سوداگر اونٹوں پر اپنا سامان لاد کر لاتے اور لیجاتے ہیں۔ سیکڑوں اونٹ ایک ساتھ لدے ہوئے ایک کے پیچھے ایک چلتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اونٹوں کی ریل جا رہی ہے۔ ریگستان میں سڑک تو ہوتی ہی نہیں۔ کبھی کبھی بیچارے بیوپاری راستہ میں بڑی ہی دقت برداشت کرتے ہیں۔ کبھی کبھی تو ہفتوں آبادی میں نہ پہونچنے کی وجہ سے یہ بھوکے پیاسے مر بھی جاتے ہیں۔ ان ریتیلے میدانوں میں آندھی بھی بڑے غضب کی آتی ہے چند منٹوں میں ہی لاکھوں من ریت ادھر سے اودھر اڑ کر چلا جاتا ہے اور دیکھتے دیکھتے ہی سیکڑوں فٹ اونچا ریت کا ڈھیر لگ جاتا ہے۔ ایسے اندھڑ میں پھنس کر خال خال ہی کوئی بچ پاتا ہے۔ میدان میں جاتے ہوئے مسافروں پر بات کی بات میں بانسوں اونچا ریت جم جاتا ہے۔ اور وہ اونٹ سمیت دب کر مر جاتے ہیں۔ اہل اسلام کے متبرک مقامات مکہ شریف اور مدینہ منورہ یہیں پر ہیں۔ جہاں لاکھوں مسلمان ہندوستان اور دوسرے ملکوں سے حج کے لیے ہر سال جاتے ہیں۔

(رچند رسیکر فوجدار سیکر)

ایک بہادر لڑکا

افریقہ کے وسط میں بلجیم کانگو کا وسیع ملک پھیلا ہوا ہے۔ یہ ملک اگرچہ بہت بڑا ہے مگر آباد نہیں ہے بلکہ ہر طرف جنگل ہی جنگل ہے۔ بارش خوب ہوتی ہے جنگلی جانوروں کی بہت کثرت ہے۔ اگرچہ بہت سے حصے ایسے ہیں جہاں ہر سال مختلف سیاح جاتے رہتے ہیں مگر ابھی تک اس کے بعض حصے بالکل دریافت نہیں ہوئے ہیں۔ دریائے کانگو اور اس کے علاوہ اور بہت سے

چھوٹے چھوٹے دریا اس ملک میں پائے جاتے ہیں۔
ان دریاؤں میں گھڑیال اور دریائی گھوڑے کثرت
سے ہیں۔ یہاں کے دیسی باشندے "کافر" کہلاتے
ہیں یہ لوگ مضبوط اور کالے رنگ کے ہوتے ہیں انکی
جان ہر وقت درندوں اور دریائی خونخوار جانوروں
کی وجہ سے سخت خطرہ میں رہتی ہے مگر یہ لوگ اپنی بہادری
کی وجہ سے ان خطروں سے بچ جاتے ہیں۔ یہاں کے
لڑکے اور لڑکیاں بھی اپنے ماں باپ کی طرح بہادر
اور دلیر ہوتے ہیں۔

دریائے کانگو پر ایک شہر کوئل ہیٹوائل ہے
اس کے قریب ہی ایک چھوٹا سا گاؤں ہکٹر ہے
یہاں ایک لڑکا "نیلو" نامی رہتا تھا جس کی عمر چودہ
پندرہ برس کی ہوگی۔ یہ لڑکا اپنی ذہانت، بہادری
استقلال اور دلیری کی وجہ سے بہت مشہور ہے اسکو
گھومنے کا بہت شوق ہے اور اپنے گاؤں سے صرف
ایک بھالا لیکر تیس چالیس میل دور تک شکار کی
تلاش میں نکل جاتا ہے۔ اور اپنے ماں باپ کے لیے
عمدہ عمدہ شکار لاتا ہے۔ بلکہ اکثر تو رات بھی جنگل میں گذارتا
ہے۔ وہ بہت تیز دوڑنے والا لڑکا ہے۔ ہرن کی طرح
قلانچیں بھرتا ہے۔ بلی کی طرح تیزی سے درخت پر چڑھ جاتا
ہے کبھی بندر کی طرح اچک کر ایک درخت سے دوسرے
درخت پر چلا جاتا ہے۔ گاؤں والوں میں یہ بات عام طور
پر مشہور ہے کہ وہ کئی مرتبہ خونخوار چیتوں کو زخمی کر کے
لوٹ آیا۔ اکثر اس نے جنگلی لنگوروں اور بندروں کو
اپنے چھوٹے بھالے سے مار ڈالا۔ اگرچہ اس کے ہاتھ
اسقدر طاقتور نہ تھے مگر وہ کچھ اس طرح وار کرتا تھا کہ اُسکی
دشمن کو نجات ملنا ناممکن ہو جاتی تھی۔

نیلو کے گاؤں سے تھوڑے فاصلہ پر دریا میں
ایک دریائی گھوڑا رہتا تھا یہ بہت طاقتور جانور تھا
اس کے جبڑے کھلے اور پھیلے ہوئے تھے یہ اکثر گاؤں
والوں پر حملہ کر دیتا تھا اور اکثر کو اس نے ختم کر دیا تھا
نیلو بھی اس خوفناک دشمن سے ہوشیار رہتا تھا
اور وہ ایک مرتبہ اس نے اُس کو زخمی بھی کر دیا مگر یہ
اپنے دشمن پر پوری طرح کامیاب نہ ہو سکا۔

(محمد احمد سبزواری بھوپال)

دعا

خداوندا! مجھے وہ دل عطا کر
کہ جس دل میں ہو بس تیری محبت
نہ دنیا کی ہوس مجھ کو ستائے
نہ ہو میری کسی سے کچھ عداوت
مجھے بس کام ہو علم و ہنر سے

مرے سینہ میں بھر دے علم و حکمت
شبانہ[۱] روز دُھن ہو علم و فن کی
نہیں ہے اس سے بڑھکر کوئی دولت
نہ غیروں سے مجھے کوئی غرض ہو
نہ پھٹکے پاس میرے کبر[۲] و نخوت
میں پڑھ لکھکر کسی کے کام آؤں
کروں میں قوم کی دن رات خدمت
نہ محنت سے چراؤں جان ہرگز
نہ مشکل سے کبھی میں ہاروں ہمت
جو وقت آئے پچھاڑوں شیر کو میں
عطا کر میرے دل میں ایسی جرأت
بزرگوں کی کروں تعظیم ہر دم
بُری صحبت سے آئے سخت نفرت
تو کر سیراب میرے دل کی کھیتی
برس لے ابر رحمت ! ابر رحمت !
خداوندا! وہ قوت مجھ کو دے تو
کہ پھر قائم کروں تیری خلافت
مرے دم سے ہو دنیا میں اُجالا
کروں اسلام کا میں بول بالا

ابراہیم عمادی۔ ۲ مئی ۱۹۳۳ء

[۱] دن رات [۲] غرور

صبح اُٹھنے کے فائدے

پیارے بچو! آج میں تمھیں ایسی باتیں بتانا چاہتا ہوں جن میں تمہارے دین اور دنیا کے بہت سے فائدے ہیں۔

(۱) اگر تم صبح سویرے اٹھو گے تو تمھیں نماز فجر ملیگی اور قضا نہ پڑھنا پڑیگی۔

(۲) تمہارا ذہن تیز ہو جائے گا کیونکہ صبح کی ہلکی ہلکی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا (نسیم سحر) دماغ کے لیے نہایت مفید ہے۔ اور بغیر صبح اُٹھے تم خدا کی اس نعمت سے فائدہ نہیں حاصل کر سکتے۔

۳۔ صبح اٹھنے سے تم اپنا وہ سبق جو اسکول میں دیا گیا ہے یاد کر سکو گے اور اسکول میں مار کھانے سے بچو گے اور اس طرح تم اپنے ساتھیوں میں ذلت کی نگاہ سے نہ دیکھے جاؤ گے۔

۴۔ اگر تم صبح سویرے اٹھو گے تو تم کو دوڑنے کے لیے کافی وقت ملیگا اور اگر تم بلاناغہ دوڑنے کی مشق کرو گے تو یقین مانو کہ چند دنوں میں تمہاری تندرستی بالکل ٹھیک ہو جائیگی اور تیز دوڑنے لگو گے۔

اس لیے پیارے بھائیو! تم کو چاہیئے کہ روزمرہ

صبح سویرے اُٹھا کرو تاکہ تمہاری صحت ٹھیک رہے جو لڑکے صبح سویرے اُٹھتے ہیں وہ ہی ہمیشہ دنیا میں کامیاب ہوتے ہیں۔

پیام بھائیوں سے میری درخواست ہے کہ صبح سویرے اٹھا کریں۔ ان کو خود معلوم ہو جائیگا کہ صبح اُٹھنے میں کتنے فائدے ہیں۔

راقم مسعود الحسن قدوائی متعلم درجہ ہفتم (بی) حلیم مسلم ہائی اسکول کانپور

شہر لندن

میرے ایک عزیز دوست آج کل دنیا کا سفر کر رہے ہیں۔ انھوں نے مجھے تین چار خط لکھے ہیں جن میں لندن، پیرس اور دوسرے شہروں کے دلچسپ حالات بیان کیے ہیں۔ پیام بھائیوں کی دلچسپی کے لیے اُن کا پہلا خط یہاں لکھا جاتا ہے جس میں انھوں نے شہر لندن کے حالات لکھے ہیں۔

سید نصیر احمد

پچھلے خط میں مینے تم سے وعدہ کیا تھا کہ لندن کے حالات لکھوں گا۔ وعدہ تو میں نے کر لیا تھا مگر اُسکا پورا کرنا بہت مشکل ہے کیونکہ لندن اتنا بڑا شہر ہے کہ اسکے حالات آسانی سے بیان نہیں کیئے جا سکتے۔ تم اندازہ نہیں کر سکتے کہ لندن کیا ہے؟ جب ہم تم دہلی میں تھے تو اکثر یہ ذکر کیا کرتے تھے کہ لندن بہت بڑا شہر ہوگا دہلی سے کوئی تین چار گنا بڑا۔ لیکن یہاں پہنچکر میری آنکھیں کھل گئیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر تم یہاں آؤ تو تم بھی حیران رہ جاؤ گے۔ خیر میں اب کوشش کرتا ہوں کہ لندن کے حالات لکھ سکوں۔

جب ہم لندن کا حال پڑھا کرتے تھے تو ہمیشہ دو حصوں کا نام سنتے تھے۔ ایک تو ایسٹ اینڈ (مشرقی حصہ) اور دوسرے ویسٹ اینڈ (مغربی حصہ)۔ تم پوچھو گے کہ یہ حصے کس کے پورب اور پچھم میں ہیں۔ ان کو آپس میں تقسیم کرنے والی کیا چیز ہے؟ لو میں تمھیں بتاتا ہوں۔ ان دونو حصوں کو تقسیم کرنے والی چیز لندن کا پرانا شہر ہے جو آج کل کے بڑے لندن کے بالکل بیچوں بیچ ہے۔ یہ شہر پرانے زمانہ میں بالکل چھوٹا سا تھا اور باہر کے دشمنوں اور حملہ کرنے والوں سے بچنے کے لیئے اس کے ارد گرد دیواریں تھیں۔ اس شہر کی سڑکیں اور گلیاں ایسی تنگ و تاریک تھیں، جیسے ہندوستان کے کسی پرانے شہر کی ہوں۔ دکانیں بھی بہت چھوٹی چھوٹی تھیں، سوداگر اور تاجر دکانوں کے اوپر کمروں میں رہتے تھے۔ یہ دکانیں اور سڑکیں اب بھی موجود ہیں لیکن تاجر یہاں سے چلے گئے ہیں اور اس طرح سے دیواریں بھی گرا دی گئی ہیں۔

لندن شہر ہی کیا؟ جدھر دیکھو دفتر، تاجروں کی دکانیں

بینک شاندار عمارتیں اور لوگ ہیں۔ جب صبح کے وقت
ہزاروں آدمی شہر کے باہر سے یہاں کام کرنے آتے ہیں
اور شام کو کام ختم کرکے واپس جاتے ہیں تو عجیب
نظارہ ہوتا ہے۔ سڑکوں پر پلوں پر آدمی ہی آدمی ہوتے
ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ آدمیوں کا ایک سمندر ہے۔

شہر میں ایک کھلی جگہ ہے جہاں سات سڑکیں
آکر ملتی ہیں۔ یہ مقام اپنی عمارتوں اور آنے جانے والوں
کی کثرت کے سبب مشہور ہے سارا سارا دن گاڑیاں موٹریں
اور آدمی ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر گذرتے
رہتے ہیں۔ آمد و رفت اس قدر زیادہ ہوتی ہے کہ اسے کم
کرنے کے لیے اب زمین کے نیچے (زمیں دوز) راستے
بنائے گئے ہیں جن میں بجلی کی گاڑیاں چلتی ہیں لیکن
آمد و رفت کا اتنا اچھا انتظام ہے کہ کیا کہنے۔ بس تعریف
ہی مونھ سے نکلتی ہے۔ اس مقام کے ایک طرف ایک
عمارت ہے کچھ زیادہ شاندار نہیں۔ یہ انگلستان کا
بینک ہے۔ یہاں دنیا کے آدھے سے زیادہ مالی معاملات
کا لین دین ہوتا ہے۔ یہ عمارت بہت مضبوط اور محفوظ
ہے۔ چور اس میں داخل نہیں ہو سکتے۔ اس کے ایک
طرف مینشن ہاوس ہے جہاں میر رہتا ہے۔ میر کو تم جانتے
ہی ہو۔ یہاں عموماً شہزادوں وغیرہ کی دعوتیں بھی ہوتی
ہیں۔

یہاں دو عمارتیں اور بھی دیکھنے کے قابل ہیں
ایک تو ٹاور اور دوسری سینٹ پال کا گرجا۔ سب سے
پہلے میں نے ٹاور دیکھا تھا۔ یہ لندن کی سب سے پرانی
عمارت ہے۔ نہ صرف پرانی بلکہ اس کو بڑی اہمیت
حاصل ہے۔ یہ عمارت دریائے ٹیمز کے کنارہ پر ہے۔ یہ ٹاور
مختلف کام دیتا رہا ہے۔ کبھی یہ قلعہ تھا، کبھی خزانہ اور
کبھی جیلخانہ۔ ولیم فاتح نے اس کی تعمیر شروع کی تھی
اور ولیم روفس نے اس کو مکمل کیا تھا۔ ٹاور سے کہیں
یہ نہ سمجھ لینا کہ یہ قطب مینار جیسی کوئی چیز ہوگی۔ نہیں
یہ ایک قلعہ سا ہے۔ اب تو اس عمارت کو عجائب خانہ سمجھ لو
ایک کمرہ میں مختلف قسم کے جواہرات رکھے ہیں دوسرے
میں مختلف قسم کے ہتھیار۔ ایک کمرہ ہے جہاں قیدخانہ
تھا اس کے سامنے ہی ایک باغ ہے جہاں قیدیوں کو
موت کی سزائیں دی جاتی ہیں۔ منارہ کے اوپر سے
شہر کا نظارہ دیکھنے کے قابل ہوتا ہے۔ یہیں سے ہمیں
ٹاور برج دکھائی دیتا ہے۔ یہ پل بالکل نیا ہے اور اس کے
دونوں طرف بڑے بڑے دو منارے ہیں۔ اس کے نیچے
سے دریائے ٹیمز بہتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس کے نیچے سے
بڑے بڑے جہاز کیسے گذرتے ہوں گے۔ میں تمھیں بتاتا
ہوں۔ جب کوئی بڑا جہاز پل کے قریب آتا ہے تو ایک
گھنٹی بجا دی جاتی ہے جس کو سنکر گاڑیاں موٹریں اور چلنے

والے اس کو خالی کر دیتے ہیں اور اُس پر کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا۔ ایک بٹن دبانے سے یکایک پل کے دو حصے ہو جاتے ہیں اور یہ دونوں حصے اوپر اُٹھ جاتے ہیں جیسے کہ کسی نے کمل سم سم کہدیا ہو۔ اب کیا ہی جہاز آسانی سے گذر جاتا ہے۔ جوں ہی جہاز گذرا پل پھر ویسا ہی ہو گیا۔ کہو تم نے دلّی میں یا لاہور میں بھی ایسا پل دیکھا ہے۔

(باقی آئندہ)

میرا خواب

۲

میں بٹوے کو احتیاط سے جیب میں رکھ کر بازار سے ہوتا ہوا۔ شہر کے اس حصہ کی طرف روانہ ہوا جس کا پتہ لفافہ پر درج تھا۔ جب میں اُس گلی میں پہنچا۔ تو میں نے مکانوں کے نمبر دیکھنے شروع کئے۔ آخر ایک مکان پر وہی نمبر لکھا ہوا مل گیا، جو خط پر درج تھا، مکان بڑا عالیشان تھا، جس سے پتہ چلتا تھا کہ کسی بڑے مالدار کا مکان تھا۔ میں ڈرتے ڈرتے اندر داخل ہوا۔ اور بڑے کمرے میں جا پہنچا، کمرے میں ایک آدمی صوفے پر لیٹا سگریٹ پی رہا تھا۔ اس کا لباس بڑا صاف ستھرا تھا، اس نے اپنا سر اٹھایا اور میری طرف دیکھا اور پوچھا " لڑکے تم کون ہو؟ یہاں کیوں آئے ہو؟"

مینے جواب دیا " آپکا نام مسٹر ظفر احمد ہے؟"

" ہاں" اس نے جواب دیا اور میری طرف حیران ہو کر دیکھنے لگا۔

مینے پوچھا " کیا آپکی کوئی چیز کھوئی گئی ہے"

" ہاں " وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا اور میرا مونھ تکنے لگا پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور میری طرف بڑھا اور پوچھا " کیا تمھیں میرا بٹوا ملگیا ہے"

" جی ہاں " میں نے جواب دیا۔ اور جیب سے بٹوہ نکال کر اُسے دیدیا۔

اس نے میرے ہاتھ سے بٹوہ چھین لیا۔ اور اُسے کھول کر دیکھنا شروع کیا۔ جب اُسے تسلی ہو گئی۔ کہ ہر ایک چیز ٹھیک ہے۔ تو اُس کے چہرہ پر خوشی کے آثار ظاہر ہوئے اور کہنے لگا۔

" خدا کا شکر ہے کہ بٹوہ ملگیا۔ ورنہ مجھے بڑا نقصان ہو جاتا اور مفت کی تکلیف ہوتی۔ لیکن تم نے کہاں اسے پڑا پایا؟ تم کون ہو؟"

مینے اس کو اپنی تمام کہانی سنائی اور اپنے گھر کے حالات بتائے۔

میرے حالات سن کر اس نے کہا " تم بڑے دیانتدار لڑکے ہو۔ اور تم نے میرے لیے کتنی تکلیف کرکے

میرے مکان کا پتہ لگا یا بٹوے میں چھپے ہوئے کاغذات کئی ہزار روپے کی مالیت کے تھے۔ میں تمہاری اس مہربانی کا ازحد ممنون ہوں"۔

اس نے پھر اپنے نوکر کو بلایا۔ ایک کاغذ پر اس نے کچھ لکھا۔ اور نوکر کو دیدیا۔ نوکر وہ کاغذ لے کر باہر گیا۔ ایک گھنٹہ گذرنے کے بعد ایک موٹر کار دروازہ پر آکر رکی۔ اس میں سے وہی نوکر نکلا اس کے ہاتھ میں بہت سی کاغذ تھے۔ وہ دوکانداروں کے بل معلوم ہوتے تھے۔

مسٹر ظفر احمد نے نوکر کو حکم دیا" سب چیزیں اندر لے آؤ۔ اور اُن کو میز پر رکھدو۔ نوکر نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔

مسٹر ظفر احمد نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "یہ تمہارے اور تمہارے بھائی بہنوں کے لیے کافی ہوگا"

میں حیران تھا۔ میرا دل بڑا خوش تھا۔ اس خوشی میں اس کا شکریہ بھی ادا نہ کرسکا۔ صرف میں مسکرایا۔

میز پر طرح طرح کی چیزیں رکھی تھیں۔ کئی قسم کے کپڑے۔ تصویریں۔ کتابیں۔ اعلیٰ قسم کی مٹھائی، آم، نارنگیاں کیلے اور کئی قسم کے پھل۔

"یہ چیزیں تم لے جاؤ۔ تمہیں یہی موٹر کار تمہارے گھر چھوڑ آئے گی۔ میں بھی کسی وقت تمہارے گھر آؤں گا اور تمہارے گزارہ کا مناسب انتظام کردونگا۔ خدا حافظ۔"

میں ان چیزوں کو دیکھکر کس قدر خوش تھا۔ میں دل میں سوچتا تھا۔ کہ جب میرے گھر والے یہ چیزیں دیکھ پائیں گے۔ تو اُن کی کیا حالت ہوگی۔ جب میری ماں کو پتہ چلیگا کہ ایک امیر آدمی نے ہماری مدد کرنیکا وعدہ کیا ہے تو اس کا دل بہت خوش ہوگا۔ اب مجھے تمام دن گلیوں میں کام کی تلاش میں پھرنے سے نجات ملجائیگی اب میں پھر اسکول میں داخل ہوسکونگا۔

میں ان چیزوں کو لے کر موٹر کار میں بیٹھا گھر جارہا تھا۔ میں بڑا خوش تھا۔ اور بار بار چیزوں کو دیکھتا، کبھی موٹر کو دیکھکر خوش ہوتا۔ اچانک کسی نے میرے کندھے کو پکڑ کر ہلایا اور کہا "اکرم۔ اکرم" میں نے جونہی مڑکر دیکھا سارا منظر تبدیل ہوگیا۔ میں اپنی ٹوٹی ہوئی چارپائی پر لیٹا ہوا تھا اور اسی پرانی چھت کے نیچے جہاں مدتوں سے سوتا رہا ہوں۔ میری ماں مجھے جگارہی تھی تاکہ میں صبح سویرے بازار پہنچکر کوئی کام تلاش کرسکوں۔ کام نہ ملنے کی وجہ سے کہیں تمام گھر کو بھوکا نہ رہنا پڑے افسوس میرا خواب جلد ختم ہوگیا۔ میں خواب کی دنیا سے اصلی دنیا میں پہنچ گیا۔

(شیر محمد اختر گجراتی)

سائیکل پر علیگڑھ سے آگرہ

جنوری کا مہینہ تھا اور چھٹی کا زمانہ! ابھی سورج نکلنے بھی نہیں پایا تھا کہ یونس صاحب نے مجھے نیند سے اٹھا کر آگرہ چلنے کے لیے کہا۔ پہلے تو میں نے سردی کے موسم اور رمضان کے مہینہ کو بطور عذر پیش کیا مگر جب دیکھا کہ یہ بہانہ کارگر ہوتا نظر نہیں آتا، تو میں نے عرض کیا کہ اگر تین ساتھی ہوں تو میں بخوشی چلوں گا صفی اللہ صاحب درجہ نہم کے طالب علم ہیں اور زندہ دلی کی زندہ مثال۔ ہم نے ان کے کمرے کی طرف جلد جلد قدم بڑھایا۔ بیچارے ابھی اٹھے بھی نہ تھے کہ ہم ان کی نیند میں مخل ہوئے۔ ہمیں اس طرح بے وقت دیکھ کر دریافت کرنے لگے "کہیئے خیر تو ہے۔ کیسے اس وقت تکلیف کی؟ وغیرہ وغیرہ"۔ ہم نے مختصر الفاظ میں اپنا مطلب بیان کیا وہ بستر پر سے اچھل پڑے اور کہنے لگے "ابھی چلیئے گا! میں ہیڈ ماسٹر صاحب سے اجازت لیتا ہوں" ہمیں معلوم نہیں کہ انھوں نے کن کن حیلوں بہانوں سے چھٹی لی اور اپنے مختصر سامان کے ساتھ سائیکل پر ہمارے یہاں آئے۔ ہم بھی سامان ٹھیک کرنے میں مشغول تھے۔

ہمارے کمرہ کے تیسرے ساتھی Room mate جناب گوپال صاحب نے ہماری طیاری کو جس حسرت

بھری نگاہ سے دیکھا وہ مجھے اب تک یاد ہے۔ لیکن ہم کیا کرتے ان کو سائیکل چلانا نہیں آتی تھی۔ اور یہ سفر تھا سائیکل پر... وہ بھی قریب کا نہیں کہ علاوہ ضروری سامان کے ان کو بٹھا لیتے بلکہ پورے ۹۶ میل کا اسلئے ہم بالکل مجبور تھے۔ ادھر موصوف نے پُرحسرت لہجہ میں یہ شعر پڑھا ؎

بسفر رفتنت مبارک باد   بسلامت روی و باز آئی

ترجمہ۔ سفر میں جانا مبارک ہو۔ خدا سلامتی کے ساتھ لیجائے اور واپس لائے

اُدھر مینار کی گھڑی نے اپنی ٹن ٹن کی آواز میں "خداحافظ" کہا۔

اب ہم شیر شاہی سڑک پر آگرہ کی طرف جا رہے تھے۔ یونس صاحب نے مصمم ارادہ کر لیا کہ "میرا لاغر جسم اس روزہ کو نہیں نباہ سکیگا اس لیے آئندہ منزل پر کچھ کھانا چاہیئے" لو! بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔ ایک باغ سامنے نظر آیا جہاں یونس صاحب نے تو اپنا روزہ افطار کیا۔ صفی اللہ صاحب اور خاکسار نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ اگر دوپہر سے پیشتر بھوک یا پیاس کی کافی گرانی نہ محسوس ہوئی تو ہم اپنا روزہ بدستور رکھیں گے۔ راہ میں درخت گذرے آدمی گذرے جانور گذرے۔ الغرض سبھی گذرے لیکن نہ گذرا تو کوئی ایسا گاؤں جس میں یونس صاحب کے لیے دودھ ملتا۔ آخر ایک بڑا بھاری دیہات نظر آیا۔ جس کو دیکھکر یونس صاحب کی جان میں جان آئی۔ امید اور کافی امید تھی کہ اتنے بڑے گاؤں میں ایک دبلے پتلے جسم کے لیے کچھ دودھ مل ہی جائے گا۔ لیکن بہت افسوس ہوا جب یہاں یوں نے دو میل اور آگے بڑھ کر "ساسنی" میں دودھ ملنے کی خبر سنائی۔ خیر صاحب دو میل اور سہی۔ لیجیئے وہ "ساسنی" بھی آرہا۔ یونس صاحب نے خوب سیر ہو کر دودھ پیا، پھر دو چلکے کی ریل پر ہم سوار ہو گئے اور زمین پیچھے ہٹنے لگی، ایک بجے ہم شہر ہاتھرس میں پہونچے جہاں صفی اللہ صاحب اور میں نے بھی روزے توڑ دیے۔

جیسے جیسے شام کا وقت قریب آرہا تھا منزل بھی نزدیک ہو رہی تھی، آخر تاج محل کے اونچے اونچے میناروں نے کئی میل دور ہی سے استقبال کیا۔ معلوم اس نظارہ میں کونسی مقناطیسی قوت پوشیدہ تھی کہ ہمارے پیر پہلے سے زیادہ تیز کام کرنے لگے مغرب سے پہلے پہلے ہم شہر آگرہ میں داخل ہوئے اور "بنگال لوج" میں ٹھہرے، مغرب کی نماز سے فارغ ہو کر ہم شہر میں سیر کے لیے گئے۔ عشا کی نماز پڑھ کر ہم اپنے اپنے پیروں میں کڑوا تیل ملنے لگے۔ ساتھ ہی یہ بھی اسکیم بنانے لگے کہ کل کا دن کس طرح گذارنا چاہیئے۔ قرار پایا کہ

کل صبح ہی فتح پور سیکری چلنا چاہیئے اور اگر تکان محسوس نہ ہوئی تو سکندرا بھی ہو آئیں"۔ دل میں یہ خیال لیکر سوئے کہ "اے اللہ پاک ہزاروں لاکھوں مسلمان آج اُنتیس کے چاند دیکھنے کے لیے دُعائیں مانگ رہے تھے۔ لیکن درزیوں کی طرح ہم بھی تیری درگاہ میں تیس کا چاند دیکھنے کی دعا مانگ رہے تھے ہماری دعا تونے قبول کی۔ اب اتنی توفیق دے کہ کل الوداع فتحپور سیکری میں پڑھیں اور پرسوں آگرہ میں تجھے سجدہ کریں اور اسی روز خیریت کیساتھ کالج میں اپنے بھائیوں سے بغلگیر ہوں"

۲۷۔ جنوری۔ آج آخری روزہ اور رمضان کا آخری جمعہ ہے۔ فجر کی نماز پڑھ، ضروریات سے فارغ ہو فتحپور سیکری کی طرف بیجان گھوڑے کی لگام اُٹھائی۔ شہر کے اخیر حصے میں چھپ کر ناشتہ کیا۔ اور اس کے بعد فتحپور کی راہ لی۔ ۲۵ میل کی مسافت ہی کیا بارہ بجتے بجتے وہاں پہنچ گئے۔ یہ چھوٹا سا شہر کافی اونچائی پر واقع ہے شہر پناہ (فصیل) بھی ہے۔ اور اس کا رقبہ کم و بیش چار میل ہے۔ صدر دروازہ سے داخل ہوتے ہی دو رستے نظر آئے۔ ایک شہر کی آبادی کو جاتا تھا دوسرا پرانے کھنڈروں کی طرف۔ یہ پرانے محل شہنشاہ اکبر کی یادگار ہیں۔ ہم نے یہاں نماز جمعہ (الوداع) ادا کی اور حضرت سلیم شاہ چشتی کا مزار وغیرہ دیکھکر دو بجے واپس ہوئے۔ (باقی)

معین الدین احمد علی گڑھ

آنکھیں بڑی نعمت ہیں

صاحب بہادر نہانے کی تیاری کررہے ہیں نظر کمزور ہے۔ اسلئے عینک اتار کر ٹوپی کے نیچے رکھدی تاکہ دوبارہ ڈھونڈنے میں تکلیف نہ ہو۔

نہانے کے بعد کپڑے ڈھونڈنے لگے عینک کے بغیر دیکھ نہ سکتے تھے۔ عجب مصیبت میں پھنس گئے۔
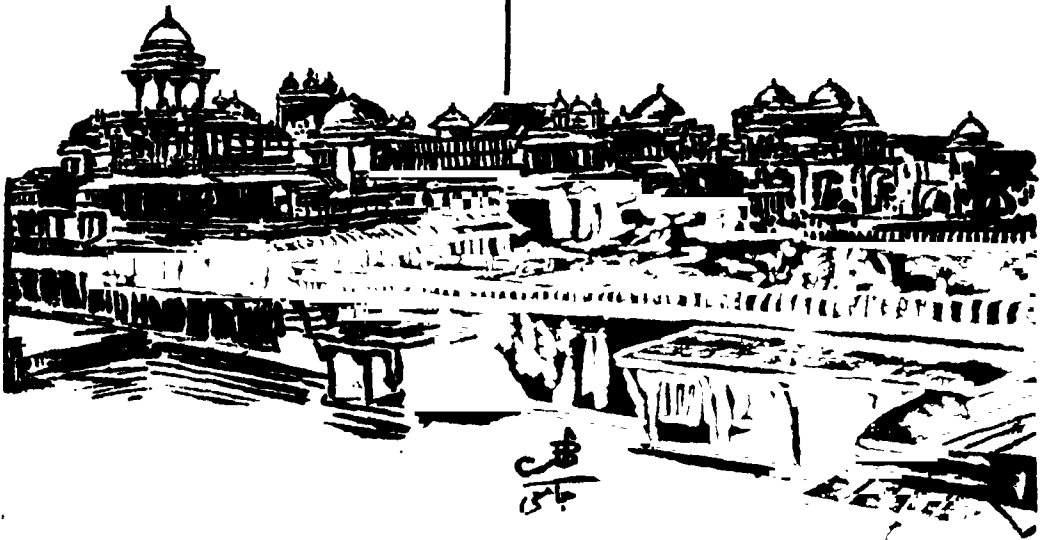
ایک دوسرے آدمی کی ٹوپی اٹھالی وہ دور سے چلایا "مہربانی کرکے میرے کپڑے رہنے دیجئے" صاحب بہادر نے جواب دیا "معاف فرمائیے میری نظر کمزور ہے۔"

ایک اور آدمی کے کپڑے اٹھائے۔ وہ پکارا "خواہ مخواہ دوسروں کے کپڑے خراب نہ کرو"

صاحب بہادر "افسوس ہے مجھ سے غلطی ہوگئی"

تیسرا آدمی "دوسرے آدمیوں کی چیزیں رہنے دیجئے" صاحب بہادر "لیکن میں تو کئی بار معافی مانگ چکا ہوں۔ کیا کروں آنکھیں بڑی نعمت ہیں"

"عینک ڈھونڈے بغیر کام نہ بنیگا۔ اچھا نزدیک سے دیکھتا ہوں۔ شاید ملجائے"

"آہا ہا۔ میری عینک"۔

"اوہو۔ تم نے میری عینک کیوں اٹھالی"

شیر محمد گجراتی

جزیرۂ سادہ بیلا

سکھر، صوبہ سندھ میں دریائے سندھ کے کنارے واقع ہے۔ یہ ایک بہت پرانا شہر ہے۔ سامنے ہی ایک جزیرہ نظر آتا ہے، اس جزیرہ کا نام "سادہ بیلا" ہے

جو بہت پرفضا مقام ہے۔ بجلی کا انتظام اس جزیرہ کے لیے بالکل الگ ہی۔ طرح طرح کے پھول اور پھل کے درخت لگے ہوئے ہیں، وہاں ایک رئیس ہندو نے

بہت بڑی لائبریری (کتب خانہ) بنائی ہی اور کئی
مندر سب سنگ مرمر کے بنے ہوئے ہیں۔ اب یہ
سب عمارتیں سادھوؤں کے نام پر وقف کر دی گئی
ہیں اور اس وجہ سے اس کا نام سادھ بیلا (سادھوؤں
کا مکان) پڑ گیا ہی، وہ وہاں اپنے مذہب کے موافق
دن اور رات عبادت میں مشغول رہتے ہیں بہت سے
لوگ سیر و تفریح کے لیئے جاتے ہیں چاروں طرف
پانی اور بیچ میں باغ بیحد دلکش معلوم ہوتا ہی۔ پھولوں
کی خوشبو سے دماغ معطر ہو جاتا ہی، طرح طرح کے پرندے اپنی
خوش الحانی سے دل خوش کرتے ہیں اس جزیرہ کے
ایک طرف ریلوے کا بہت بڑا پل ہی۔ اور دوسری طرف
سکھر برج کا بند ہی جو دنیا میں سب سے بڑا بند ہی۔

(انیس جہاں)

بُرائی کا نتیجہ

ایک مرتبہ کچھ لوگ ایک کشتی میں بیٹھے ہوئے تھے
انکے سامنے ایک دوسری کشتی ڈوب گئی۔ دو بھائی پانی
میں گر گئے۔ اس کشتی کے ایک امیر آدمی نے ملاح سے کہا
"اگر تم ان دونوں بھائیوں کو نکال دو تو میں تمہیں ایک ایک
روپے دونگا" ملاح ایک کو نکال لایا۔ دوسرا ڈوب گیا
امیر آدمی نے کہا "اس کی زندگی نہ تھی اس لیے تم نے
اسے پکڑنے میں دیر کی" ملاح نے ہنسکر کہا "آپ نے
جو کہا درست ہی۔ لیکن اس کا احسان مجھ پر زیادہ تھا،
اس لیئے کہ ایک دفعہ جب میں راستہ پر تھکا ہوا پڑا تھا تو
اس نے مجھے اپنے گھوڑے پر بٹھا لیا تھا اور ایک مرتبہ
دوسرے کے ہاتھ سے میں نے کوڑے کھلائے تھے"

پیام بھائیو! دیکھا برائی کا نتیجہ۔ کبھی کسی کے ساتھ
برائی نہ کرنا چاہیئے شاید کبھی تمھیں اُس کی مدد کی
ضرورت پڑ جائے۔

(حمید اللہ از کلکتہ)

کیا آپ کو اپنا نمبر خریداری یاد ہے؟

اگر یاد نہو تو مہربانی فرما کر پتے کی چٹ پر ملاحظہ فرمالیجئے
خط و کتابت میں نمبر کے حوالے سے بڑی سہولت ہو جاتی
ہی۔ ورنہ بسا اوقات جواب دینا بھی مشکل ہو جاتا ہی۔ براہ
کرم اسے نہ بھولیئے۔

مہتمم

اردو پرائمری اور مڈل اسکولوں کے طلبہ کو خوش خطی سکھانے والی کاپیاں !

آسان خوش خطی

یہ کاپیاں اس خیال کو مد نظر رکھ کر تیار کرائی گئی ہیں کہ بچے بغیر استاد کی مدد کے نہایت آسانی سے مشق کر سکیں اور اپنا خط اچھا کرلیں ۔

خوش خطی کے یہ حصے بہت مفید ثابت ہوئے ہیں

حصہ اول ۔ الف سے ے تک کی مشق بطرز جدید	قیمت	۱ر
” دوم ۔ تختیاں ، بطرز جدید	”	”
” سوم ۔ مرکب الفاظ ، جوڑ اور شوشوں کی مشق	”	”
” چہارم دلچسپ اور اخلاقی اشعار کی مشق	”	”

مکتبہ جامعہ دہلی

بچہ گاڑی

واروک مارکہ شہرۂ آفاق بچہ گاڑیاں

اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپکے بچے تندرست رہیں تو ان کو ابھی سے ہماری واروک مارکہ گاڑیاں جو کہ آرام دہ ہیں ان میں بٹھا کر صبح شام سیر کرائیے۔ ہمارے ہاں ہر قسم کی ٹرائیکلیں اور سپورٹ کا سامان اور رہائشی سامان دستیاب ہو سکتا ہے۔

بی ایل رام رچھپال ڈائرکٹ امپورٹرز اینڈ مینو فیکچررز فورٹ روڈ اندرون اُدیل سینما دہلی

واروک مارکہ گاڑیاں کے تھوک فروشاں

بیسٹ وینز اینڈ کمپنی فورٹ دہلی